

نشرکده

نشرهنگامی

ڈھلتا نہ رہیں ہیرے میں یونہی پارہء سنگ
صدیوں میں کوئی عیب نہ رہتا ہے

فضا ابن فیضی



PdfBy, Miskin Mazhar Ali Khan

Cell No, 00966590510687

نشریه

نشریه نگاری

شکرمدہ

دیوانِ غزلیات

محسنِ ادب جنابِ منشی ہر گوبند دیال صاحبِ نشر ہنگامی

وکیلِ اورئی

اشاعت گاہ

مکتبہ قصر الادب، دفتر شاعرانہ

۱۹۳۷ء

ایک نزار

(جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں)

پہلا ایڈیشن

قیمت فی جلد دو روپے گھٹ آنے

مطبوعہ

رفاہ عام برقی پریس اگرا

فہرست

صفحہ	مطلع غزل	صفحہ	مطلع غزل
۵۲	پرسش کے وقت عرصہ منہ سے مل گیا	۱۰	عرض مصنف
۵۲	کچھ رنگ اور یہی ہے دل بیکار کا	۱۴	مقدمہ
۵۵	اے کب حقیقت کا عرفان ہوگا	۳۰	تقریب اشاعت
۵۶	کبیل و فاموت کو ایدل تہ بھنا	۳۲	۱ اے قادر بربر و توانا
۵۷	جب علم نہ تھا مجھ کو کہ تقدیر میں کیا تھا	۳۴	۲ مرا کنا مان تو عندلیب چین اپنا مکان اٹھا
۵۸	خواہش وصل پہ ہوں میں پشیاں کیا کیا	۳۵	۳ ہزاروں باریوں تو سخن گفتن میں حواں اٹھا
۵۹	کون سا آپ کا وعدہ تھا جو باطل نہ ہوا	۳۶	۴ ظرافت آشایا ہے ہمت دل آزاے جا
۶۰	یہ رات دن کا غم انتظار کیا ہوگا	۳۷	۵ دل میں قبول ازل میں کیا، بہر طور سے قبول کیگیا
۶۱	افسوس سراغ رہ منزل نہیں ملتا	۳۸	۶ انداز پھر نظر کے ہیں مستانہ دیکھنا
۶۲	یہ طریقہ تھا مرا جب تک میں اس گلشن میں تھا	۳۹	۷ وحن ہے اگر بناو کی اپنی وفا کو بھول جا
۶۳	کہاں وہ شوق نہیں ہے، کہاں نہیں ملتا	۴۰	۸ دریا میں ملا ہمتی اپنی اے قطرے پھر دریا ہو جا
۶۴	پاس ہی میرے سہی، لیکن ضرور اتنا تو تھا	۴۱	۹ آئی ہو گیا کس طرح اک دم انقلاب ایسا
۶۶	تھکوا بند سوز ساز کیا	۴۲	۱۰ کسی کے وعدے پہ ہے انتظار کیا کھٹا
۶۷	ہوا ہوں بیتاب بیکھنے کو میں جب رخ بے حجاب تیرا	۴۳	۱۱ کیوں جوش رقابت سے دیوانہ نہیں ہوتا
۶۸	کوئی ابھی ابھی ہیں دیوانہ کر گیا	۴۴	۱۲ مجھے شوق نیاز ایسا وہ کافر بے نیاز ایسا
۶۹	واغطفے ذکر سانی کیا لطف آ رہا تھا	۴۵	۱۳ دل میں ہر وقت خیال رخ جانان ہوتا
۷۰	دھوکا اخیر وقت پہ ظالم نے کیا دیا	۴۶	۱۴ جب آگ کھل گئی دل کی سب ایک ہی جلوہ تھا
۷۱	بیتابی دل تو نے مجھ کو ہر طرح سے رو کر نہ دیا	۴۷	۱۵ غم نے یہ عالم دل رنجور کر دیا
۷۲	انقلاب اسماں، جزیر میں ہوتا رہا	۴۸	۱۶ میرا بھی عشق کیا مرے پروردگار تھا
		۴۹	۱۷ دور تھا خالق سے جب تک بستہ اور اک تھا

۳۷	کیا سمجھتے تھے، محبت کا ہوا انجام کیا	۷۴	۶۳	کیوں چار دن کو دنیا کرنے خراب آیا	۹۹
۳۸	شراب پی کے بھی مست شراب ہونہ کا	۷۵	۶۱	آپ نے کیوں مجھے ہیوسن سر طور کیا	۱۰۰
۳۹	کب میں خوفِ باغیانِ برقی تاباں میں نہ تھا	۷۶	۶۲	جب سے رہتا ہے تصور انکی محفل کے قریب	۱۰۱
۴۰	کیا اٹھائے لطف کوئی گلشنِ ایجاد کا	۷۷	۶۳	بتر ساحوس ہوتا ہے رگِ دل کے قریب	۱۰۲
۴۱	وہ دیکھتے تند ویرست پھر صحاب اٹھا	۷۸	۶۴	اپنے پہلو میں لئے ہے کاروانِ مضطرب	۱۰۳
۴۲	میں کب گیا محفلِ تیری گویا بھی گیا ناکام گیا	۷۹	۶۵	کون جاتا ہے خزاں دیدہ گلستان کے قریب	۱۰۵
۴۳	سوزِ بن کر دل میں آ، یا ساز بن کر دل میں آ	۸۰	۶۶	کہاں دلیں چلے آئے غم خزاں کی طرح	۱۰۶
۴۴	لیجئے وہ نشتر آفتہ حال آہی گیا	۸۱	۶۷	کون ہے آئینہ دار آرزو میری طرح	۱۰۷
۴۵	جبتک یہ خراب غمِ جاناں نہ ہوا تھا	۸۲	۶۸	بے نیاز نالہ و آہ و فغاں ہونے کے بعد	۱۰۸
۴۶	سلامت رہے چاکِ روزن کسی کا	۸۳	۶۹	ہے نظیرِ شخص پر ہر شخص کا دل دیکھ کر	۱۱۰
۴۷	قابلِ بنا دیا کبھی بسمل بنا دیا	۸۴	۷۰	اسے پائیکا تو دیوانہ بن کر	۱۱۲
۴۸	اپنی تنگ و ناز کا بسمل بنا دیا	۸۵	۷۱	پھر اسنے اک نظر بھی نہ ڈالی ہمار پر	۱۱۳
۴۹	دل کے دیر لانے میں ملے دوست تو نہاں نکلا	۸۶	۷۲	ڈر رہے کہ بن نہ جائے دلِ بقیار پر	۱۱۴
۵۰	کی یاد نہ اس کی جیتے جی اب حشر میں بدل گیا ہوگا	۸۷	۷۳	فکرِ دنیا میں پڑا ہوں فکرِ عقبی جھوٹ کر	۱۱۵
۵۱	کچھ اور کہیں ظالم منہ سے نہ نہا دینا	۸۸	۷۴	سرتا قدمِ طال کی تصویر دیکھ کر	۱۱۷
۵۲	جبتک میں غمِ عشقِ سراپا نہ ہوا تھا	۸۹	۷۵	کیا بات ہے کیا ہو گئی کچھ میری نظر اور	۱۱۸
۵۳	شع پر پھر دے کے اپنی جان پر داند گیا	۹۰	۷۶	جو کر تے نہیں وہ جو کر کے قابل ہو کر	۱۱۹
۵۴	بھیک کے خوگر میں پھر شرمائیں کیا؟	۹۱	۷۷	تاریک دوز تک ہے مراد دل ترے بغیر	۱۲۰
۵۵	اُس پھول کی طرح جو چمن سے نکل گیا	۹۲	۷۸	ماسوا کی فکر سے خالی نہیں ہے دل ہنوز	۱۲۲
۵۶	نشرِ مراد دلِ مائلِ میخانہ رہ گیا	۹۳	۷۹	ماذہبے تجھ سے ماہتاب ہنوز	۱۲۳
۵۷	ہم دھونڈتے چکے خوب، تر اگر نہیں ملتا	۹۴	۸۰	رات دن تھا لگی نشانِ ابر بہار اب کے برس	۱۲۴
۵۸	یہ اپنی باد بھی غفلت شمار لیتا جا	۹۵	۸۱	جو ملا آتی ہے آتی ہے گلستان کی طرف	۱۲۵
۵۹	رنجِ شکستگی سے توبہ نیاز ہو جا	۹۶	۸۲	نہیں آتی ہے اڑے آج میری چشمِ گریبان تک	۱۲۶

۸۳	میر غزنیں سے لاسکان تک	۱۲۷	۱۰۶	رکھ دیا یاروں نے گورستان میں	۱۵۱
۸۴	چمن کے چار پھولوں کی یہ نعم اسے باغبان کب تک	۱۲۸	۱۰۷	پھر اچھے دن خدا کے فضل سے گلشن کے آتے ہیں	۱۵۲
۸۵	ہے بیدار جس پر خدا ہو گئے ہم	۱۲۹	۱۰۸	باغ رکھیں کہ دل زار کو صحر کر دیں	۱۵۳
۸۶	جو مستثنیٰ ماسوا ہو گئے ہم	۱۳۰	۱۰۹	ہنگامہ جہاں میں سکون و اماں کہاں	۱۵۵
۸۷	ہے یہ کوئی بستم یہ کیا ہوا بستم	۱۳۱	۱۱۰	اس کے کٹنے کے لئے جب تک زبانِ دل نہیں	۱۵۶
۸۸	یہ کس غضب میں ہیں یار بنگاؤ یار سے ہم	۱۳۲	۱۱۱	آپ تو میری جان لیتے ہیں	۱۵۷
۸۹	اگر ہم زین ہیں تو عرش بریں تم	۱۳۳	۱۱۲	دیکھ کر مجھ کو کسی اور کو اب کیا دیکھوں	۱۵۸
۹۰	ڈھونڈیں تو نہیں ملے ہو ڈھونڈے سے کہیں تم	۱۳۵	۱۱۳	تانے کو اسے آسمان اور بھی ہیں	۱۵۹
۹۱	تری مصل میں چلے آئے ہیں بے باکانہ ہم	۱۳۵	۱۱۴	ظلم میں تیرے اب انداز نہیں ہوتے ہیں	۱۶۰
۹۲	راتے میں اس نہ پھر محفل جائیں تانہ ہم	۱۳۶	۱۱۵	غیم عشق میں مبتلا جا رہا ہوں	۱۶۲
۹۳	لذت جو ہجر میں ہے کہاں ہے وصال میں	۱۳۸	۱۱۶	رات دن سر پہ محبت میں بلائیں میں	۱۶۳
۹۴	انھیں غد زحوا تم دیکھتے ہیں	۱۳۹	۱۱۷	میں کہاں مغل جمال کہاں	۱۶۴
۹۵	وفاؤ ناز کے مارے جلانے جاتے ہیں	۱۴۰	۱۱۸	اندنوں کہ ہے جفا کے یار کیوں	۱۶۵
۹۶	چھوڑ کر جائیں تری مصل کہاں	۱۴۱	۱۱۹	نہیں ہے کم گئی فہر با نگاہ نہیں	۱۶۷
۹۷	لے کے پہنچا اضطرابِ دل کہاں	۱۴۲	۱۲۰	بنانا تھا اگر زنداں مراد سطر گستاں میں	۱۶۸
۹۸	دار و درں کی قائم بنیا دکر رہے ہیں	۱۴۳	۱۲۱	کچھ مری آہ میں اللہ اثر ہے کہ نہیں	۱۶۸
۹۹	قبول ہو جو نہ قبولے سے وہ دعا ہوں میں	۱۴۴	۱۲۲	تصویر میں بلا آئیز ہیں زنداں کی تصویریں	۱۶۹
۱۰۰	کئی کچھ جو سکے تو کیجئے میرے تانے میں	۱۴۵	۱۲۳	کبھی قید نفس میں لے جب ہم آہ کرتے ہیں	۱۷۱
۱۰۱	سب کے آگے نکوہ پیدا دان سے کیا کریں	۱۴۶	۱۲۴	کہاں گئے ترے وعدہ پر اعتبار کے دن	۱۷۲
۱۰۲	سمرائے دہر میں ایدل کیا قیام کہاں	۱۴۸	۱۲۵	آنو غم محبوب میں ہر وقت پئے کون	۱۷۳
۱۰۳	فنا ہوئے بھی تو ہے نزع کا مقام کہاں	۱۴۸	۱۲۶	محفل نہ جاؤ تو سہی اپنی یہ لیں ترانیاں	۱۷۴
۱۰۴	نظر کو جلوہ جوارثِ تنگن کی تاب نہیں	۱۴۹	۱۲۷	بقدر جام کہیں بادہ خوار پیتے ہیں	۱۷۴
۱۰۵	حیاتِ دہر ہے بے کیف اگر شباب نہیں	۱۵۰	۱۲۸	پیش کرتی رہتی ہیں ہر دم نرالی صورتیں	۱۷۵

۲۰۵	کیا ہے عشق تو نشتر بنا ہو	۱۵۲	۱۶۶	نظارہ بہار کو آنکھیں ترس گئیں	۱۲۹
۲۰۵	موس ہشت کی مجھ کو نہ جو رکی جھکو	۱۵۳	۱۶۷	بے پلائے اسنے والی نہیں	۱۳۰
۲۰۶	پرے سے باہر آ کے مقابل تو کوئی ہو	۱۵۴	۱۶۸	رات دن ہیں جو رہیم کیا کریں	۱۳۱
۲۰۷	یہ ٹوٹے ہوئے دل کا مرے ساز تو دیکھو	۱۵۵	۱۶۹	چھوڑ دیں کس طرح تدرت ہی نہیں	۱۳۲
۲۰۸	یو بھی کچھ ن عاشقی میں ایدل نا شا دو ہو	۱۵۶	۱۷۰	اس وقت دیکھ اپنے احوال کی فنائیں	۱۳۳
۲۱۰	کبھی اس شکل سے بھی انقلاب چرخ گردوں ہو	۱۵۷	۱۷۱	ساخا اس آئندہ کا ہے اور میں	۱۳۴
۲۱۰	کس رنگ میں ہے حسن کی تصویر نہ پوچھو	۱۵۸	۱۷۲	کب نگاہوں میں تری مفضل نہیں	۱۳۵
۲۱۱	چشم ساتی رو برو ہونے تو دو	۱۵۹	۱۷۳	آج فرصت ہے کہ اندیشہ فردا کر لوں	۱۳۶
۲۱۲	مجھ کو رحم آئے وہ ظالم بقرا ریا تو ہو	۱۶۰	۱۷۴	نجات ہر نفس ہے صرف مرگ ناگمانی میں	۱۳۷
۲۱۳	کہا تھا میں نے بھلا کب کہ تم متم نہ کرو	۱۶۱	۱۷۵	کب تری مفضل رنگیں میں نہیں جوتے ہیں	۱۳۸
۲۱۴	ہے میکشوں کے دل میں عزم شراب خانہ	۱۶۲	۱۷۶	میں گن بنم حسن سے آشنا کہ رہا ہوں چہ راز میں	۱۳۹
۲۱۶	دست ساتی میں جام ارے توبہ	۱۶۳	۱۷۷	عصہ عشرے آخر اٹھ گیا میں کیا کروں	۱۴۰
۲۱۷	ناوان یہاں کھیل نہ مستی سے زیادہ	۱۶۴	۱۷۸	مجھے جھکا ہے جو کیوں تاریش راہ منزل میں	۱۴۱
۲۱۸	کر رہا ہم کو نہ اسے میتاد ویکہ	۱۶۵	۱۷۹	غم فرق نہ فکر وصال کرتے ہیں	۱۴۲
۲۱۹	نہیں مفضل اسیں کسی کچھ نہیں عشق گھر کا معاملہ	۱۶۶	۱۸۰	محبت کا جو گھر تھا چاہنے والوں ک سینوں میں	۱۴۳
۲۲۱	نہ پوچھ حال مرا اسے نگاہ یار نہ پوچھ	۱۶۷	۱۸۱	میر تصور تھا کہ نظر کا پتہ نہیں	۱۴۴
۲۲۲	ایک نشتر کی نصحت یاد رکھ	۱۶۸	۱۸۲	حیران گن کہیں ہے تو یوانہ گر کہیں	۱۴۵
۲۲۳	دونوں عالم ہیں گدا سے میکدہ	۱۶۹	۱۸۳	آئی نہیں ہے زیت کی صورت نظر کہیں	۱۴۶
۲۲۴	کر دیتے ہیں کر کے کرم اور زیادہ	۱۷۰	۱۸۴	سوز لرزہ دل کا ساز سن	۱۴۷
۲۲۶	ہر سوز و جد اگانہ ہر ساز جد اگانہ	۱۷۱	۱۸۵	مری نگاہ سے اچھل نگاہ یار نہ ہو	۱۴۸
۲۲۷	اب پہنچ کر دیکھتا ہوں میں تو کچھ مشکل نہ تھی	۱۷۲	۱۸۶	یار ب یہ مراد و نہاں در نہاں ہو	۱۴۹
۲۲۸	اٹھی ہے نظر اپنی نہ اس در سے اٹھے گی	۱۷۳	۱۸۷	وہیں پہلے اول مضطرب جہاں کی مفضل ناز ہو	۱۵۰
۲۲۹	جب انکی یہ خوشے جفا جائے گی	۱۷۴	۱۸۸	جب ہوئی اپنے گناہوں سے نہامت جھکو	۱۵۱

۲۵۴	۱۹۶	۲۳۰	۱۷۵	غضب ہیں آنکھوں کے دھڑکے گلابی
۲۵۶	۱۹۷	۲۳۱	۱۷۶	نہیں ہوتا ہے زمانہ جو ہمارا نہ سہی
۲۵۷	۱۹۸	۲۳۲	۱۷۷	ایک بار اعتبار اور سہی
۲۵۹	۱۹۹	۲۳۳	۱۷۸	سانے کو سنا دے اُن کو میری دہان کوئی
۲۵۹	۲۰۰	۲۳۵	۱۷۹	بشر خیر جاہیں اگر اپنی اپنی
۲۶۰	۲۰۱	۲۳۶	۱۸۰	مصرفِ نظارہ ہے بے منتِ بنائی
۲۶۱	۲۰۲	۲۳۸	۱۸۱	آج کا فرنے وہ نظر ڈالی
۲۶۲	۲۰۳	۲۳۹	۱۸۲	جو حالت ہے میری تری ہو ہو تھی
۲۶۴	۲۰۴	۲۴۰	۱۸۳	وختِ دل ہوئی مقبول جو دیوانوں کی
۲۶۵	۲۰۵	۲۴۱	۱۸۴	ن عمر کی کوئی گھڑی یاد سے خالی نہ گئی
۲۶۶	۲۰۶	۲۴۲	۱۸۵	یوہی کچھ روز محبت میں بسر ہو جاتی
۲۶۷	۲۰۷	۲۴۴	۱۸۶	لکھ دے تحریر پر اپنی کوئی تحریر نئی
۲۶۹	۲۰۸	۲۴۵	۱۸۷	کیا جان کا طلال بلا سے نکل گئی
۲۷۰	۲۰۹	۲۴۶	۱۸۸	کیونکہ دیکھا میں نے تجھ کو یہ مری تقصیر تھی
۲۷۱	۲۱۰	۲۴۸	۱۸۹	لاکھ نشتر میں رہا نا کامیاب عاشقی
۲۷۳	۲۱۱	۲۴۹	۱۹۰	کر لے جو کرنا ہے، جتنا کہ گستاخ ہے زندگی
۲۷۴	۲۱۲	۲۵۰	۱۹۱	دیکھو کئی ن آکے دلِ داغدار بھی
۲۷۵	۲۱۳	۲۵۱	۱۹۲	دو ہاتھ پل کے قابلِ وسمل میں رہ گئی
۲۷۷	۲۱۴	۲۵۲	۱۹۳	کمالِ عجز کا اسکان ہی نہیں باقی
۲۷۹	۲۱۵	۲۵۳	۱۹۴	جو معتقدِ پیرِ خرابات نہ ہوگی
۲۸۰	۲۱۶	۲۵۴	۱۹۵	اُمی کیا وہ ظالم مجھ پر ہو گا مہرباں پھر بھی
				شاد کلام دو جہاں ہے، شاد کلام عاشقی
				قبر بھی کیا جگہ ہے راحت کی
				کوشش نہیں ہوتی یا تدبیر نہیں ہوتی
				خوشی قریب جو آئی تو پھر خوشی نہ رہی
				اپنی بگڑی ہوئی تقدیر بنائی نہ گئی
				ہوئی کہاں ابھی پٹنے کی آرزو پوری
				وصال کہیں چھاپے انتظار مجھے
				دل جو عرصہ نہیں ل، کہیں پھر دل ہو جائے
				کبتِ ل میں سرِ مجبورہ جانا نہ نہیں ہے
				لے صاحبِ محل ہم بے جانے چلے آئے
				شاد کا مانِ فاوتِ فغاں کیوں ہو گئے
				کیونکہ جرات مانگ لی مردانہ جانا ز سے
				یارِ مری راتوں کو تکی ازل دے
				نکرو دنیا کیجئے یا فکرِ عقبی کیجئے
				ساتی تری آنکھوں کو میخانہ بنالیں گے
				اب ہجر سے غرض ہے نہ مجھ کو وصال سے
				انسان اگر نہ پائے تمنا کہیں جے
				کیسے پہنچیں باغِ تک ہیں لڑ پڑوٹے ہوئے
				چمن ہے جوشِ غم پہ کیا کیا فضا بھی ہلو بدل ہی ہے
				ہر موسمے تن کو عشقِ سراپا بنائیں گے
				غم میں انسان بگڑ جائے تو تقدیر بنے

۳۰۶	۲۸۱	۲۲۸	یہ حال تیرے عاشق غمگین کا ہے
۳۰۷	۲۸۲	۲۲۹	یادوس ہمارا دل زنجور میں ہے
۳۰۸	۲۸۳	۲۳۰	بہمنٹا و غم روزگار دیکھا ہے
۳۰۹	۲۸۵	۲۳۱	تیار کہاں کوئی مصیبت کے لئے ہے
۳۱۱	۲۸۶	۲۳۲	دل تیری تنہا سے بیزار نہ ہو جائے
۳۱۳	۲۸۷	۲۳۳	وہ آئے وقت کی اس دیدہ تر تونے
۳۱۴	۲۸۸	۲۳۴	یونہی سو کرے دل زنجور ہے
۳۱۵	۲۸۹	۲۳۵	نہ سب فلک کے لئے ہیں سبازیں کے لئے
۳۱۶	۲۹۱	۲۳۶	ہست یادوس ہو کر کل اٹھے تھے انکی مصل سے
۳۱۷	۲۹۲	۲۳۷	ہر چیز میں چھپ چھپ کر یہ جلوہ گری کیوں ہے
۳۱۸	۲۹۳	۲۳۸	لطف انجام میں کچھ ہے نہ کچھ آغاز میں ہے
۳۱۹	۲۹۵	۲۳۹	ایک قاتل اگر نہیں رحم بھی بسمل کے لئے
۳۲۰	۲۹۶	۲۴۰	تمام درد نہ کر چشم ناز رہنے دے
۳۲۱	۲۹۷	۲۴۱	کیوں ہم کسی سے پوچھیں تیرا کہاں نشان ہے
۳۲۲	۲۹۹	۲۴۲	ایک اکوں تجھ سے کہ مجھ کو درد کتنا چاہئے
۳۲۳	۳۰۰	۲۴۳	جوڑوں کے لئے زندہ ہے چرچا اسی کا ہے
۳۲۴	۳۰۱	۲۴۴	کس یوں انتظام گلشن ایجاد ہوتا ہے
۳۲۵	۳۰۲	۲۴۵	صبح تک جھک جگانا شام سے
۳۲۶	۳۰۳	۲۴۶	رات گزری میری کس آرام سے
۳۲۷	۳۰۴	۲۴۷	سفاک ہے جو آنکھ تو قاتل نظر بھی ہے
۳۲۸	۳۰۵	۲۴۸	بیشک کوئی شے صبر سے بہتر تو نہیں ہے
۳۲۹	۳۰۶	۲۴۹	فاموش رہیں گے کبھی فریاد کریں گے
۳۳۰	۳۰۷	۲۵۰	یہ ہم نے کیا کیا کہ گلستاں میں آگئے
۳۳۱	۳۰۸	۲۵۱	جیسا اپنے دلیں کی چاند سی تصویر دیکھیں
۳۳۲	۳۰۹	۲۵۲	خواب ہونے کو پھر باہر خواب کر دے خواب کرتے
۳۳۳	۳۱۱	۲۵۳	چین چین تیرا حقیقتاً ہے چین یہ مرغ چین نہیں ہے
۳۳۴	۳۱۳	۲۵۴	اب تو لے شوخ کسی روز ملاقات رہے
۳۳۵	۳۱۴	۲۵۵	دل سے اب عشق کا ارمان نہ جانے پائے
۳۳۶	۳۱۵	۲۵۶	دل میں اب اسکا نور رہتا ہے
۳۳۷	۳۱۶	۲۵۷	غیر خوش ہیں دھڑکے ان کی مصل سے مجھ
۳۳۸	۳۱۷	۲۵۸	جو کام کر یہاں وہ بہت دیکھ بھال کے
۳۳۹	۳۱۸	۲۵۹	دینے پر غم جو آئے تو چھلکا دیا مجھے
۳۴۰	۳۱۹	۲۶۰	یہ نال ہمارا ہوتا ہے
۳۴۱	۳۲۰	۲۶۱	داغ بیٹھنے میں جرتے تھے ہمارے کیا ہوئے
۳۴۲	۳۲۱	۲۶۲	محبت میں دیکھا دونوں پابند ستم نکلے
۳۴۳	۳۲۲	۲۶۳	ممکن ہو تو بدلیو یہ محبت کے قرینے
۳۴۴	۳۲۳	۲۶۴	ہوں اسکی اس کو لئے پھر رہی ہے
۳۴۵	۳۲۴	۲۶۵	غم ترا میرے لئے باعث راحت ہو جائے
۳۴۶	۳۲۵	۲۶۶	غم اگر اٹھنے دینے غم کا داؤ ابھی تو ہے
۳۴۷	۳۲۶	۲۶۷	دو دن اگر اودان کو سر و کار نہیں ہے
۳۴۸	۳۲۷	۲۶۸	ملقت پھر گریہ یار ہوئی جاتی ہے
۳۴۹	۳۲۸	۲۶۹	مرد لیں لاکھ میں بیخ و غم مرد لیں رو ہزار ہے

۳۵۱	نہ پھولیں اپنے گلشن پر زیادہ گلستاں والے	۲۷۷	۳۳۱	کاش ہم پھر آثیاں نڈاں سے چھٹ کر دیکھتے	۲۵۹
۳۵۱	مزا اس عشق میں کچھ ہے وہ جو رونا کھانا ہے	۲۷۸	۳۳۲	پیشتر کچھ ہوش تھا۔ سنتے ہیں اب بیہوش ہے	۲۶۰
۳۵۲	سنتے ہیں ہم شفا بھی تمہاری نظر میں ہے	۲۷۹	۳۳۳	ترک دنیا سے اتر رہا ہے کیا ہوتا ہے	۲۶۱
۳۵۳	ضوگوں جلوہ ترا دل کے ٹہکانے میں ہے	۲۸۰	۳۳۴	تیرے ملنے کا ہمیں ارمان ہے	۲۶۲
۳۵۴	پھر خفا کے حسن کا آغاز ہونا چاہئے	۲۸۱	۳۳۵	لطف آغازِ محبت میں نہ انجام میں ہے	۲۶۳
۳۵۶	دل میں مجھے دنیا کا جلوہ نظر آتا ہے	۲۸۲	۳۳۶	نکتہ پر نہ ہم سے چین لے دیا دہنہ ہے	۲۶۴
۳۵۷	ہم نے مانا ہے جو کچھ تقدیر ہے	۲۸۳	۳۳۷	ضروری کیوں نہ ہوں دیو و حرم بشر کے لئے	۲۶۵
۳۵۷	جو دل دوست تھا وہ بھی سرگرم کیں	۲۸۴	۳۳۸	مجرع جگر بھی ہے وہ کیا دل کی خبر لے	۲۶۶
۳۵۸	جہاں تم سمجھتے ہو اُس کو نہیں ہے	۲۸۵	۳۳۹	نہ سے اجازتِ نالہ تو آہ کرنے دے	۲۶۷
۳۵۹	ہے عشق جس میں وہ سرہری نہیں ہے	۲۸۶	۳۴۰	وہ حجاباتِ فراقِ وصلِ جاناں کیا ہوئے	۲۶۸
۳۶۱	ہے کسی غمِ نشاطِ دو جہاں میرے لئے	۲۸۷	۳۴۱	فغانِ طری ہے اور جھکونی از فغانِ کونے	۲۶۹
۳۶۲	اس عقل و خود کی دنیا میں بیزار نہ رکھ غافل کرے	۲۸۸	۳۴۲	میر کی فرصت اگر گنجائے من مانی مجھے	۲۷۰
۳۶۴	جوانِ حینوں سے ہم جو رکاوٹ کرتے	۲۸۹	۳۴۳	حسنِ خود مت کا ستانہ بنے یا نہ بنے	۲۷۱
۳۶۵	لیجے پھر لیکے بادل بچلیاں اٹھنے کو ہے	۲۹۰	۳۴۴	دن میں فغانِ کام ہے رات میں کلامِ آہ سے	۲۷۲
۳۶۶	یہ مناظر ہیں کہاں کے سامنے	۲۹۱	۳۴۵	جلوہ گاہِ حسنِ پوشیدہ دلِ مضطرب میں ہے	۲۷۳
۳۶۷	موت سے بچنے کی کوشش کی خیالِ خام ہے	۲۹۲	۳۴۶	کہیں عشق کا یہ گرم رہے تو نہ تمہاری قسم ہے	۲۷۴
۳۶۷	فیضِ یارِ تیرا سب پر عام ہے	۲۹۳	۳۴۷	پہلے ہی مرنے والا سمجھتا یہ کاشکے	۲۷۵
			۳۵۰	تازہ والا نیاز کیا جانے	۲۷۶

عرض مصنف

عصرِ قریب چار سال کا ہوا کہ اپنے دوستوں کے اصرار سے اپنی پُرانی غزلیات اور کچھ نئی غزلیات کہہ کر طبع کرانے کے لئے (باوجود اس کے کہ میں ہمیشہ اس کے خلاف رہا اور طبیعت قبول نہ کرتی تھی) راضی ہوا۔ اُس کے بعد ایک سال سے زائد نئی غزلیات کے کہنے میں جو دقیق ہوجہ مصروفیت پیشہ وکالت (جس کا فخر مجھ کو خدا کے فضل سے شرفِ وکالت سے جس کو زمانہ قریب ۳۲ سال کے ہوتا آتا ہے، حاصل تھا) پیش آئیں اُن کو حیطہ تحریر سے باہر سمجھ کر ناظرین کے قیاس پر چھوڑا ہوں۔ جب خدا خدا کر کے ایک کتاب کے لایق غزلیں ہو گئیں (میرا مطلب دوستوں کی رائے سے ہے، کیونکہ میری رائے اگر چلتی تو نہ جانے کب کا تکمیل کتاب کا فتویٰ میں نے دیدیا ہوتا) تو جان میں جان آئی۔ میں نے غزلیات کہنے میں کبھی اس وقت کا ایک منٹ بھی صرف نہیں کیا تھا جو روزِ مرقہ صبحِ شام وکالت کے کام کے لئے مخصوص تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دم لینے کا وقت جویوں ہی کیا بہت تھا پھر قلم لینے میں صرف ہوتا تھا۔ اس صورت حال کے متواتر قائم رہنے سے تندرستی پر قدرِ ثابراً اثر پڑا۔ مگر میں ہر وقت اس دل خوش کن خیال میں مت تھا کہ چلو جو گزر رہی ہے گزری جا رہی ہے۔ اپنی زندگی میں صاحبِ دیوان ہونے کا فخر تو حاصل ہوا جاتا ہے۔ رہا تندرستی کا معاملہ، وہ جس طرح بہ تدریج خراب ہوئی تھی پھر یہ تدریج بدست ہو جائیگی۔ اور وہ ہی ہوا۔ قریب قریب روزِ مرقہ ایک غزل طیارا کرنے کا سلسلہ جو دفعتاً منقطع ہو گیا تو ایسا معلوم ہوا کہ خداوندِ کریم نے دونوں ہاتھوں سے میری کھوئی ہوئی تندرستی مجھ کو واپس کرنی شروع کر دی اور میں نے کچھ ہی زمانے میں اپنی سابق تندرستی حاصل کر لی۔

داخل رہے کہ میں صرف اپنی غزل گوئی کی تیز رفتاری کی تعریف کر رہا ہوں۔ نوعیتِ کلام سے کوئی واسطہ نہیں۔ ناظرین مجھ کو خود شاعری کا مرتکب نہ قرار دیں۔ کیونکہ میں اگر کسی چیز سے دور بھاگتا ہوں تو اسی سے، اور اگر مجھ کو دنیا میں کچھ کسی چیز سے نفرت ہے تو اسی سے، اپنی تعریف کرنا تو درکنار، سُنانے سے بھی زمین میں گرنا چاہی جاتا ہے۔

میرے یہ توجہ معترف تھا۔ کتاب مکمل ہو جانے کے بعد اس کے طبع کرانے کی فکر ہوئی۔ خیال یہ تھا کہ کسی بڑے شہر میں کسی پریس سے خاک و کتابت کر کے چھاپائی کی شرطیں ملے گی یا نہیں گی کہ اتنے میں مقامی شمس پریس کے مالک جو میرے غایت فرما کر میرے ارادے کی خبر پا کر میرے پاس آئے اور مجھ سے اس بات کے متنی ہوئے کہ وہ کتاب بغرض طبع انھیں کے لئے کر دیجائے۔ ایک غزال بھی وہ لکھ کر لے گئے اور نوٹا چھاپ کر مجھ کو دکھائی۔ دوست اجاب نے ہند کی مجھ کو بھی بری معلوم ہوئی۔ چنانچہ کتاب اُن کے سپرد کر دی گئی اور لگی چھپنے۔ مقامی پریس میں پھنسنے سے یہ اور فائدہ تھا کہ مولوی عبدالرزاق صاحب بخود دوسری وکیل (جن کی ذات بابرکات کی وجہ سے کتاب تکمیل کو پہنچی تھی جس کا مفصل ذکر کتاب کے دیباچہ میں ہے) نے تحریر کر دیا ہے، اور حکیم عبدالرب صاحب میں بارہ ہنگوی پمپل طبیب سکریٹری مقامی مشاعرہ کمیٹی کتاب کے روف دیکھ سکیں گے اور کچھ دنوں ایسا ہوا بھی۔ لیکن شامیت اعمال سے کچھ دنوں بعد کاپی نویں صاحب کا پتہ اجالی ہو گیا اور چھوٹے سے مقام پر جب دلخواہ دوسرا کاپی نویں نہ مل سکا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ مالک طبع صاحب کتاب پیکر اگر سے چلے گئے۔ جس میں انھوں نے کتاب لکھوائی اور وہیں چھپائی۔ غرض کہ جملہ راسم جو ایک کتاب کے طبع ہونے تک اُس کے متعلق ادا ہوتے ہیں وہیں ادا ہوئے۔ پھر مجھ کو اس کتاب کے متعلق (موائے اس کے کہ یہ معلوم ہوتا رہا کہ کتاب چھپ ہی ہے) اور کوئی حال استوفت تک نہ معلوم ہو سکا۔ جب تک کہ کتاب چھپ کر دسمبر ۱۹۲۲ء میں میرے سامنے پیش ہوئی۔ ظاہر تو کتاب بہت اچھی تھی۔ لیکن جب میں فرصت کے لمحوں میں اُس کو پڑھنے بیٹھا۔ تو جابجا اس میں کتابت کی غلطیاں نظر آئیں یہ دیکھ کر نہایت افسوس ہوا۔ پہلے تو یہ خیال ہوا کہ شاید غزال جس مقام پر کھی جاتی ہے، وہیں ٹھیک طرح پر پڑھی بھی جاسکتی ہے۔ دوسری جگہ کی آہ ہو اس کے موافق نہیں آتی۔ مگر میرے چند دوست اجاب نے مجھ سے کہا کہ آپ لکھتے بھی تو بے اوقات ایسا ہیں کہ کچھ کا کچھ پڑھ جانا پڑھنے والے کے لئے مشکل نہیں۔ یہاں پڑھنے والے آپ سے پوچھ لیا کرتے تھے، وہاں غریب آپ کو کہاں پاتے۔

میں نے لوگوں کے اس کہنے کو نہ اُس وقت مانا اور نہ اب ماننے کو طیار ہوں۔ میں برابر اپنی تحریر کو صاف پڑھ لیتا ہوں مجھ کو ایک بھی موقع ایسا نہیں آیا ہے جب میں نے اپنا لکھا ہوا نہ پڑھ دیا ہو اور یہ کہہ کر مالدیا ہو کہ بہت دنوں کی بات ہے اب یاد نہیں پڑتا کہ کیا لکھا تھا۔ جیسا کہ میرے ایک دوست نے جو کنگ کالج لکھنؤ میں طالب علم تھے ایک مرتبہ فارسی کے پروفیسر صاحب سے کہہ دیا تھا انھوں نے ان کی امتحان کی کاپی میں سر مغزی کے بعد کئی جگہ نشانات لگائیے

تھے کہ طالب علم سے پوچھیں گے۔ جب پروفیسر صاحب نے پہلے ہی نشان کی بناءً دیکھا کہ وہ کچھ یہ تم نے کیا لکھا ہے۔ میں نے تم
سایہ خطوں میں نہیں دیکھا۔ آپ نے اپنی تحریر کو پہلے میز پر رکھے ہی رکھے پڑھنے کی کوشش کی۔ جب اس میں ناکامیابی
ہوئی تو اس کو اٹھا کر آنکھوں کے پاس لائے۔ جب پھر بھی کام چلتا نظر نہ آیا تو اسے نظروں سے ہٹا کر لگے آپ حافظ پر
زور دیتے۔ پھر تو پروفیسر صاحب جو ان کی طرف تکتے تکتے عاجز آ گئے تھے بگڑا کھڑے ہوئے اور بولے کہ یہ کیا حرکت ہے
سوچتے کیا ہو۔ پڑھتے ہو کہ سوچتے ہو؟ آپ نے کس مزے سے فرمایا کہ بہت دنوں کی بات ہو گئی یا نہیں پڑا کیا لکھا تھا
اس وقت پروفیسر صاحب کو غالباً پہلی مرتبہ معلوم ہوا کہ کتنے والے سے اس کی تحریر اسی وقت تک پڑھائی جا سکتی ہے جب تک
جو اس نے لکھا تھا۔ اس کے ذہن میں محفوظ ہے اس کے بعد پڑھانے کی کوشش کرنا غلطی ہے۔

چونکہ اکثر لوگ مجھ سے میرا لکھا ہوا پڑھانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ اس لئے اتنا تو مجھ کو باوجود میری ہٹ دھرمی کے
ماننے کے لئے مجبور ہونا پڑا کہ میں خوش خط نہیں ہوں۔ لیکن اصلی قصور و ازان کتابت کی غلطیوں کے وہ ہی لوگ
ہیں جنہوں نے جوجی میں آیا پڑھ پڑھ کے کتاب میں غلطیوں کی جا بجا ڈاک سی بٹھا دی ہے اس وقت تقسیم ذمہ داری
کی بحث نہیں اس لئے اس مسئلہ کو بلا اس بات کے ماننے ہوئے کہ میرا بھی اس ذمہ داری میں کوئی حصہ ہے۔ خارج
از بحث بحثنا ہوں۔

جب میں نے یہ غلطیاں دیکھیں تو مجھ کو سخت افسوس ہوا۔ اب سوال یہ پیدا ہوا کہ اس حالت میں پبلک کے
سامنے یہ کتاب پیش کی جائے یا نہیں؟ چنانچہ پہلا کام میں نے یہ کیا کہ اس کی اشاعت ملتوی کرادی جو ہنوز ملتوی ہے
ایکا کاپی میں نے علامہ سیاب صاحب اکبر آبادی کے پاس بھیجی۔ انہوں نے بھی میری رائے سے اتفاق کیا۔ ابھی میں
اپنی اس کتاب کے متعلق آخری رائے قائم کر سکا تھا کہ علامہ سیاب صاحب کو ایک شاعر کے قریب میں جو میرے
غریب خانہ پر جون ۱۹۳۵ء میں منعقد ہوا تھا شریف آوری کا موقع ہوا۔ انہوں نے اثنائے گفتگو میں مجھ سے کہا کہ اب
نو بہت جو یہاں تک پہنچ گئی ہے تو میری رائے میں تم کچھ غزلیات اور کہہ لو اور کچھ اس کتاب میں سے لیکر دوسری
کتاب شائع کر دو۔ ان کا یہ کہنا تھا کہ میرا یہ حال ہوا کہ ”کا تو تو لہو نہیں بن میں“ جس مصیبت کو میں نے سمجھ لیا
تھا کہ میں نے تمام عمر کے لئے خیر باد کہہ دیا ہے وہ پھر میری بد قسمتی و سبکی پر میرے سامنے مکرانی ہوئی نظر آنے
لگی۔ میں نے ان سے کہا کہ یہ میرے امکان سے باہر ہے۔ جو مصیبت کے دن مجھ پر گزر گئے ہیں ان کو واپس بلانے

کے لئے مجھ کو مجبور نہ کیجئے انھوں نے فرمایا کہ اب آپ کو اُس قمار سے غزل کہنے کی ضرورت نہیں صرف ۵۰-۶۰ غزلیں چاہئیں۔ اُن کو سال بھر کے عرصے میں بہ اطمینان کہہ لیجئے۔ آئندہ سال کتاب تالیف ہو جائے گی۔ میں نے اُن سے کہا کہ ابھی آپ میری طبیعت سے واقف نہیں، میں ایک مرتبہ بھگت چکا ہوں۔ جب ایک مرتبہ میں غزلیں کہنے کا تہیہ کر لیتا ہوں تو مجھ شاعری کا بھوت سوار ہو جاتا ہے اور جو تعداد غزلوں کی آپ اس وقت نہایت اطمینان سے مجھ کو ایک سال میں کہنے کے لئے تجویز کر رہے ہیں اس کو میری جلد باز طبیعت (بالائی ظاہری تندرستی کے) جھکو قلیل سے قلیل مدت میں ختم کر دینے کے لئے مجبور کر دیگی اور پھر میرا وہی حال ہو گا جو ابھی حال ہی میں ہو چکا ہے اور جس کی یاد سے اب تک میرے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ میں نے ہر چند اُن سے اپنا ڈکھڑا دیا مگر انھوں نے ایک نہ مانی اور کہا کہ اگر تم کو کشش کرو گے تو اپنی طبیعت کو بہ آسانی روکے ہوئے غزلیں کہہ سکتے ہو۔

جب میں نے سمجھ لیا کہ ابھی کم سے کم ایک اور دور شاعری میری قسمت میں لکھا ہے تو طوعاً کرہاً راضی ہوا میں نے اُن سے کہا کہ پہلی کتاب والی غزلیں سچو و صاحب نے نہایت فراضلی سے دیکھنے کا وعدہ کیا تھا اور سادی فراضلی سے اُس کو پورا بھی کر دکھایا۔ وہ ہمیں موجود تھے بہ آسانی کام ہو جاتا تھا۔ میری طرح سے وہ بھی سمجھ چکے ہیں کہ اب اس مصیبت سے اُن کو دو چار نہ ہونا پڑے گا۔ میں تو خیر آپ کی تعمیل ارشاد میں پھر سے یہ مصیبت اپنے سر لینے کو تیار ہوں مگر اُن سے کس منہ سے کہوں گا کہ آپ بھی اپنی مصیبت رفتہ کو پھر سے نوید دیجئے۔ علامہ صاحب نے بے ساختہ مجھ سے فرمایا کہ تم کو اس تنویش کی قطعی ضرورت نہیں، اگر تم چاہو تو میں اُسی فراضلی سے یہ کام اپنے سر لے سکتا ہوں، تم بلاتامل غزل کہہ کر میرے پاس بھیج دیا کرو۔ میں فوراً غزل دیکھ کر واپس کر دیا کرونگا انشاء اللہ تم کو اس بات کا احساس بھی نہ ہونے دوں گا کہ غزل دیکھنے والا کوئی مقامی شخص ہے یا باہر کا اُنہی طبیعت کی روش سے چونکہ واقف تھا اس لئے میں نے اُن سے کہا کہ ابھی آپ میری رفتار طبیعت سے واقف نہیں اگر اس سخت نے پھر وہی طوفان میل والی رفتار اختیار کی تو یا تو جو کچھ اس وقت آپ لاعلمی کی وجہ سے فرما رہے ہیں اُس سے قاصر رہیں گے اور یا اپنے کلمے پر انیس کرینگے۔ انھوں نے فوراً کہا کہ نثر صاحب یہ آپ کیا فرماتے ہیں ان میں سے کوئی بات نہ ہوگی۔ اگر آپ غزل کہنے میں تیز رفتار ہیں تو غزل دیکھنے میں آپ انشاء اللہ جھکو بھی کچھ کم تیز رفتار نہ پائیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ جو کچھ علامہ سیاب صاحب نے فرمایا تھا اُس کو انھوں نے حرفِ حزن

سچ کر دکھایا اور اپنے وعدے کو اس خوش اسلوبی اور خندہ پیشانی سے پورا کیا کہ میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں پوری طرح برا نکاشکر یہ ادا کر سکوں۔ دوسرے روز وہ میرے یہاں اور قیام فرما رہے۔ وہ دن انکا کلام سننے میں صرف ہو گیا۔ ۹ بجے رات کی گاڑی سے اُن کو بھیکر مکان جو واپس یا تو میری طبیعت نے اپنے پرانے کوشے دکھانے شروع کر دیئے۔ اُن کے اثنائے قیام میں سیر دوستوں نے اُن سے کہا تھا کہ میں "دل" "قاتل" "بہل" کے قوائی پر غر لیں اچھی کتابوں، چنانچہ انھوں نے اپنی تین غزلیں "دل" کے قافیہ کی نائیں، "ایک دل نہ تھی" دوسری "دل دیکھ کر" تیسری "دل ہو جائے" غالباً علامہ صاحب بعد واپسی سفر تکان سفر سے پوری طرح آسودہ بھی ہوئے ہونگے کہ مینوں غزلیں اُن کے پاس ہونے لگی ہوئی۔ پھر تو غزلوں کا آئینہ لگ گیا اور علامہ صاحب نے بھی کمال کر دکھایا کہ میں نے آج غزل بھی کل اُن کے پاس بند و پھر کی وقت پہنچی اور انھوں نے اس وقت دیکھ کر حوالہ ڈاک کر دی۔ اور تیسرے روز شام کو غزلیں میرے ہاتھ میں موجود۔ مجھ کو بہت کم مرتعے ایسے یاد ہیں کہ جب بلا کسی خاص وجہ کے میری غزلیں اس زیادہ وقفے کے بعد چھک لی ہوں۔

ایک واقعہ میں اسکے متعلق بغیر لکھ ہوئے نہیں ہو سکتا۔ ایک مرتبہ آپ نے غزلوں کی واپسی پر خط میں لکھا کہ آپ کے خط کے جواب کی وجہ سے عصر کی نماز میں دیر ہو گئی۔ مجھ کو یہ پُر ہوا اور میں نے فوراً اُن کو لکھا کہ آپ تمام بنی نوع انسان پر تو مجھ کو نفیّت دیتے ہی تھے اب آپ میری آڑ پکڑ کر خدا پر بھی ہاتھ صاف کرنے لگے۔ اللہ اس گناہ کو میرے بچے غزل بچنے میں ایک آدھ روز کی دیر ہو جاتی تو کون آفت آجاتی؟ آپ نے اسکے جواب میں لکھا کہ "نفس صاحب بات یہ ہے کہ اکثر جب آپ کا خط ملتا ہے۔ اس کے کچھ ہی دیر بعد عصر کی نماز کا وقت ہو جاتا ہے اور وہی وقت کجنت ڈاک کا ہوتا ہے اگر ذرا تاہلی خط بھجوانے میں ہو جائے تو خط ایک روز کو گیا۔ اس کے نیچے آپ نے یہ شعر لکھ دیا

مجھے شرع سے کوئی ضد نہیں پھر اس اتفاق کو کیا کروں

کہ جو وقت باد و کشی کا ہو وہ ہی عین وقت نماز ہو

اس شعر نے مجھے پھر کا دیا۔ آج دو سال کا عرصہ ہو گیا یہ شعر مجھ کو بھلائے نہیں بھولتا۔ نقش کالج ہو کر رہ گیا ہے۔ شعر خود بھی مزید ارتقا اور اس سبب سے متبر حال کا کچھ ایسا نقش کھینچ دیا کہ مجھ کو ہر طرف ضامیت ہی شعر نظر آئے لگا جب اس سے اس طرح ہچا پٹو ناشکل ہو گیا تو میں اس غزل کہنی شروع کر دی غزل لکھ کر ڈاک میں ادا کی جب کہیں کے اثرات سے جان بچی۔

غزلیں سطح بربر ہوتی گئیں۔ آخر کا جب انکا جائزہ لیا گیا تو معلوم ہوا کہ جو غزلیں سطر کی گئی تھیں وہ بجائے خود ایک کتاب کے لئے کافی سے زیادہ تھیں پہلی کتاب سے غزل لینے کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی۔ بلکہ انھیں غزلوں میں متعدد غزلیں (بلا اپنی کسی تفصیل کے) محروم اشاعت ہو گئیں۔ چونکہ پہلی کتاب سے دست برد کی ضرورت باقی نہیں ہی اس لئے انشاء اللہ اس کتاب کے طبع ہونے تک اس کتاب کی اشاعت کی بھی اجازت، اسکے متعلق چند امور پر غور کرنے کے بعد ویدہ لکھا۔ کیونکہ میں کہتے شاعروں "کس قسم کا شاعر ہو" اور کیا شاعر ہوں یا نہیں "کس طرح پر میں ہمیشہ شاعری سے اپنا چچا چھڑاتا رہا اور کس طرح شاعری ہمیشہ میرے پیچھے پڑی رہی" کیا کیا زین شاعری نے مجھ کو دیں اور کیا کیا زین شاعری نے میرے ہاتھوں اٹھائیں یہ سب باتیں اس کتاب کے دیباچہ میں مفصل طور پر درج ہیں جسکی تشریح یہاں ممکن ہے تا وقتیکہ وہ سب اوقات پھر نہ دہرائے جائیں جو نہ ممکن ہے نہ مناسب۔ اسکی اشاعت چولہے سے پبلک میری آرام کہانی سے محروم نہ رہے گی اور میری محنت بھی اکارت نہ جائے گی۔

کچھ میں کہتا ہے اس ناظرین کو واضح ہو گیا ہو گا کہ میری یہ کتاب صرف انھیں غزلیات کا مجموعہ ہے جو میں نے جون ۱۹۳۵ء لغایت جون ۱۹۳۷ء کی ہیں۔ بیشتر غزلیاں انہیں ایسی ہیں جو زمانہ ایک غزل کے اوسط سے کسی گئی ہیں جس طرح پہلی کتاب کی کوئی غزل ایک جگہ جھکاو اور خیالات جمع کر کے نہیں کی گئی وہ ہی کیفیت اس کتاب کی غزلیاں کی ہوئی نہ جھکوا اس کیلئے وقت تھا نہ خدا کے فضل سے اب ملا کر مجھ کو اس کے لئے قطعی افسوس نہیں ہے بلکہ میں خداوند کریم کا شکر گزار ہوں

کچھ احباب کا یہ خیال ہے کہ اگر کچھ ٹھہر کر اور ایک جگہ جھکاو میں غزل کہا کروں تو نسبتاً اچھی کہوں اور کچھ احباب کا یہ خیال ہے کہ میری افتاد طبیعت ہی کچھ شام کی ہے کہ میں یونہی چلنے پھرتے غزلیں کہہ سکتا ہوں۔ اگر اس کے برعکس طریقہ پر غزل کہنے کی کوشش کروں تو بجا نسبتاً ابھی غزل کہنے کے خراب کہہ گذروں۔ دراصل میری دل میں بھی ہی اندیشہ ہے جو آخر الذکر طبقہ احباب کو ہے اور اسی لئے میں کسی اول الذکر احباب کے اشارے پر فکر کرنے کی جرأت نہیں کی۔ ابھی میں کچھ لوگوں کی نظروں میں اپنا چاہوں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ مجھ میں اس بہتر غزل کہنے کی قابلیت موجود ہے۔ اگر میں نے ایک مرتبہ بھی انکے طریقہ پر غزل کہی اور اس میں کوئی خاص بات نظر نہ آئی تو میں کہیں نہ رہا۔ بہر حال خدا نے کسی کلمے اور پھر علاوہ اس کے میں اپنے ان دوستوں کا وہ دل خوش کن خیال جو وہ میری طرف سے قائم کئے ہوئے ہیں شانے والا کون؟

بحر طرح پر یہ غزلیں کہی گئی ہیں اس کا ملحوظ نظر رکھنا ناظرین کو میرا کام کی ٹھیک قیمت تشخیص کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے ورنہ عیاں کہیں پہلی کتاب میں بھی کچھ چھاپوں ناظرین اپنی دل شکنی کے خود ہی ذمہ دار ہونگے۔

میں پہلی کتاب دیباچہ میں لکھ چکا تھا کہ دوسری کتاب با ب میری زندگی میں شائع ہونا ممکن نہیں ہے۔ لیکن جیسا کہ روزمرہ دیکھا جاتا ہے انسان کا کیا کچھ نہیں ہو سکتا، خدا جو چاہے کرے۔ مجھ کو اس وقت کیا خبر تھی کہ جو کچھ میں لکھ رہا ہوں اس قدر قریب مستقبل میں غلط ثابت ہو جائیگا اور اس لئے میں اب کی مرتبہ اپنے مستقبل شاعری کے متعلق عمداً سکوت اختیار کرتا ہوں اور پہلی مرتبہ کی غلطی سے سبق لیکر اب کی بار خدا سے برتر پر چھوڑتا ہوں۔ جو وہ میری شاعری کے متعلق مناسب سمجھیں گے اور اگر بگادہ ہی ہوگا۔

میں بدترین قسم کی نا اہل نگذاری کا مستوجب ہو گیا اگر میں اپنی یہ تحریر بلا اس بات کو معرض تحریر میں لے کر ختم کر دوں کہ اگر علامہ سیاح صاحب سیر کلام پر وقتاً فوقتاً اور غرضاً کے اشار پر صدائے آفریں بلند نہ فرماتے تھے تو میرے شوق کو قدم قدم پر کٹت ہو جانے کا اندیشہ تھا اور اس کتاب تکمیل کو پہنچنا ناممکن تھا بسا اوقات آپ نے میری پوری غزل کی مجموعی حیثیت میں تعریف کی ہے اور اس میں الفاظ استعمال کئے ہیں انھوں نے کطرح میری طبیعت بڑائی ہے اس کو جیلہ تحریر میں لا کر یہ ظاہر کرنے سے کہ اس کا جیلہ تحریر میں ناممکن ہے میں ان الفاظ کی اور اپنے جذبات کی توہین نہیں کرنا چاہتا۔ میرے سو سے والی بیاض میں جن بدترین انکے تمام کلمات آفریں موجود ہیں جو میرے لئے بایہ ناز ہیں اور جن کو میں وقتاً فوقتاً دیکھ کر اپنا جی خوش کر لیتا ہوں یہ آئندہ ہے کہ مجھ کو اپنے کلام سے جو کچھ خوشی حاصل ہونے کو تھی وہ ہو چکی ہے۔ کاش علامہ صاحب اپنے یہ خیالات مقدمہ کے لئے غلط رکھتے تو میں اپنی کتاب بچنے کی اچھوتی خوشی بھی منالیا لیکن پھر پوچھتا ہوں کہ اگر وہ اس معاملے میں خاموش ہو جاتے تو میرے سمند شوق کے لئے تازیانے کہاں سے آتے اور کہاں سے یہ کتاب پوری ہوتی؟

آخر میں، میں مولوی عبدالرزاق صاحب شیخ دہسروی وکیل اورنی و حکیم عبدالرب صاحب رئیس بارہ بنگوی بنگلہ طبیعت سکریٹری شاعرہ کیٹی اورنی کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں جنھوں نے اس تمام زمانے میں میری غزلیات بالعموم قبل روانگی آگرہ و بسا اوقات بعد ازیں اگر وہ سن سن کر میری ہمت افزائی فرمائی۔ علیٰ ہذا القیاس پنڈت شیوا تھ مہرا صاحب مہرا اڈیوکیٹ اورنی و مولوی عبداللطیف صاحب شیڈ اکیل اورنی کا بھی ممنون ہوں۔

نشر ہنگامی

قطعہ تاریخ اشاعت دیوان از مولانا شیخ دہسروی وکیل اورنی

چھپ گیا ہے کلام نشر کا
فکر تاریخ کس لئے وجود

درجہ شکر ہر اک سخور ہے

طبع کا سال شوقی نشر ہے

۱۳۵۶ ہجری

مقدمہ

(از علامہ مولانا سیاب اکبر آبادی)

ابھی آپ پڑھ چکے ہیں کہ نثر صاحب اکبر آبادی، اس یوان سے پہلے بھی شائع ہو چکا ہے۔ اس یوان کا نام ”زخم خنداں“ تھا۔ جب اس کی ایک جلد میرے پاس پہنچی تو میں نے دیکھا کہ کاتب اور پریس نے مکر نثر صاحب کا پارہ ہائے جگر کو دہلی زخم خنداں بنا دیا ہے۔ کتاب کا کوئی ضحویا نہ تھا جسے دیکھ کر بے اختیار ہنسنے کو جی نہ چاہتا ہو۔ ٹائٹل پر بچوں کی کتاب کے لئے ”گل بولے“ جدول اور مطبے ڈول۔ جلی فلم سے جا بجا ردیفیں لکھی ہوئی۔ دہری جدول میں غزلیں تھیں۔ ہر غزل پر قوالی کی کتابوں کی طرح اسی غزل کا ایک مصرع بطور عنوان قائم۔ سارا دیوان نثر صاحب کا اور نکل میں سچو صاحب کی غزلیں موجود۔ علامہ سیاب اکبر آبادی۔ لکھنے کے بعد قطعہ فائب۔ غرض کہ سارا دیوان ایسی ہی بے عنوانیوں سے بھرا ہوا تھا۔ اور کاتب کی غلطیاں تو اس قدر تھیں کہ اگر ان کو گنوایا جائے تو مقدمہ کے صفحات بھی شاید کافی نہ ہوں۔

میں نے یہ دیوان دیکھ کر نثر صاحب سے کہا کہ یہ زمانہ ترقی و تہذیب کا ہے۔ اردو اور اردو پریس دونوں بہت زیادہ ترقی کر چکے ہیں۔ اس اسلوب سے اپنا کلام پیش کرنا کلام اور مصنف دونوں کی توہین ہے۔ اس یوان میں بعض غزلیں اچھی بھی ہیں اور بعض بغیر انتخاب و نظر ثانی لکھوائی گئی ہیں۔ اگر آپ کو عوام کے سامنے اپنا کلام پیش کرنا ہے تو ذرا اچھی طرح پیش کیجئے۔ نثر صاحب کی سمجھ میں یہ بات آگئی۔ دوسرے دیوان کے لئے غزلیں بھی بھیجی جائیں اور وہ بھی غزلیں آج نثر کو کے عنوان سے آپ کے سامنے ہیں۔

پہلی غزلیں جناب سچو دہسری کی دیکھی ہوئی تھیں۔ اور اس یوان کی غزلوں پر تمام تر نظر ثانی میں نے کی ہے۔ نثر صاحب اس ارجال کی وضاحت فرما چکے ہیں (میں نے دیکھا کہ نثر صاحب میں جوہر قابل موجود ہے۔ اگر رہنمائی اور مشورے میں ذرا احتیاط سے کام لیا جائے تو کلام نثر کا نثر کی طرح دل نشیں ہونا مشکل نہیں۔ اس لئے یہ خدمت میں نے اپنے ذمہ لے لی۔

اور باوجود اپنی گوناگوں مصروفیتوں کے جس اُن کی رفتار کربا برابر ساتھ دیا اور اُن کے حوصلے بھی بڑھاتا رہا۔
 بعض لوگ ہمیشہ نشر صاحب کو یہ خوف دلاتے رہے ہیں کہ ذوقِ شاعری اُن کے پیشہ وکالت پر غالب آگیا تو اُس میں نقصان پہنچے گا۔ یہ خوف نشر صاحب کے ایسا دلنشین ہوا کہ وہ کئی بار اپنے اس ذوق کو خیر باد کہنے پر مجبور ہو گئے مگر میں انھیں برابر اُٹھاتا رہا۔ تا آنکہ یہ مجموعہ صورت پذیر ہو گیا۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ جب ڈاکٹر مرزا اقبال برسرِ شہر ہوتے ہوئے شاعری کر سکتے ہیں، اور شاعرِ عصر بن سکتے ہیں۔ اور جس سر محمد سلیمان، اپنے فراموشی کے ساتھ ساتھ ماہرِ فلسفہ ہی نہیں بلکہ مجرّد فلسفہ بن سکتے ہیں تو پھر ایک وکیل، اپنے پیشہ وکالت کے ساتھ اس ذوقِ لطیف کو کیوں جاری نہیں رکھ سکتا؟
 اس تخوین بے معنی کا سبب اسکے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ نشر صاحب کی بڑھتی ہوئی قوتِ فکر اور چڑھتے ہوئے ذوقِ شاعری سے خودِ مخالفت ہیں کہ گراؤن کی شاعری کی یہی رفتار ہی تو کہیں ان کے سامنے اُٹھانے پر تیار نہ ہو جائے جب نشر صاحب اتنا کم کہنے پر بھی اتنا زیادہ اور اتنا اچھا کہہ لیتے ہیں تو اگر انھیں فکرِ سخن کی آزادی دیدی جائے اور شاعری کو وکالت کے لئے کا پس نہ سمجھا جائے تو خدا جانے وہ کیا سم ڈھائیں!

شاعری فنِ لطیف ہے۔ یہ فن اپنی لطافت کی وجہ سے طبیعت پر کبھی بار نہیں ہو سکتا۔ تمام فنونِ لطیفہ کا یہی حال ہے۔ میں نے بڑے بڑے وکلاء اور سول افسروں کو مصوری اور موسیقی کا دیوانہ دیکھا ہے۔ وہ اپنی فرصت کے اوقات ان خوشگوار اور لطیف اشغال میں صرف کر کے کبھی نہیں بچتے تو پھر نشر صاحب کی وکالت پر شاعری غالب کیونکر آسکتی ہے؟ یہ تینا فقار علی مظفر مرحوم شاعر بھی تھے اور وکیل بھی پھر سب صحیح ہو گئے۔ وہ باوجود عدالتی مصروفیات کے اکثر تجویزیں منظوم لکھتے تھے۔ رسامِ رسوم وکیل بھی تھے اور شاعر بھی۔ اسی طرح اور دیگر لوگ وکیل بھی ہیں اور شاعر بھی۔ شاعری جب انھیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی تو ایک نشر صاحب ہی سے اُسے کیا بر ہے کہ وہ اُن کے لئے باعثِ نقصان ثابت ہو؟
 علما ثابت ہو گیا کہ وہ تخوینِ محض حارثہ نہ تھی۔ اس لئے کہ آج نشر صاحب ڈیوانوں کے مصنف بھی ہیں اور ایک کامیاب وکیل بھی۔ پھر سوال ہے بقائے نام کا ایک وکیل صرف وکیل رہ کر دنیا میں اپنا نام زندہ نہیں رکھ سکتا۔
 کروڑوں کامیاب ترین وکیل ہر دفاک ہو گئے مگر اب کوئی انکا نام بھی نہیں لیتا۔ نشر صاحب اپنے کلام اور کام کے ذریعے اپنے بعد بھی زندہ رہیں گے۔ تو کیا اصل تمیاز و افضلیت اور اس حیاتِ واقعی و ادبی سے انھیں محروم کر دینا دوستی کا کوئی اچھا ثبوت ہے؟

بہر حال ان یارانِ حوصلہ شکن کی ایک نہ چلی۔ اور میں، بتقدیر آئی، نشتر صاحب کو آج ایک ایسے مقام پر لے آیا ہوں جہاں شہرت ہی شہرت ہے، عظمت ہی عظمت ہے۔ اور زندگی ہی زندگی ہے۔ یہی مرثیہ وہ مقام ہے جو انہیں اپنے ہم پیشہ معاصرین سے ممتاز اور بلند کر رہا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں ہر شخص بغیر تائید الٰہی کبھی نہیں پہنچ سکتا۔ اور یہی وہ مقام ہے جسے سدرۃ النجات کہتے ہیں۔ جو اُسی کو ملتا ہے جس کی فکر میں جبریل کی سی قدوسیت اور الہام کی سی مصطفویت مجھے کیسی رہنمائی اور پٹائی کا شوق نہیں ہے۔ لیکن ایسے طالبانِ فن اور صاحبانِ ذوق کی خدمت میں ضرور اپنا فرضِ حیات سمجھتا ہوں جن میں آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کی استعداد و پگھلتا ہوں۔ اور سمجھتا ہوں کہ ان کی رہنمائی یا توجہ ہوئی نہیں یا ہو رہی ہے تو وہ محض نسی اور غلط ہے۔ نشتر صاحب اگر اس دیوان کے بعد زخمِ خنداں کی نشتر و اشاعت میں کامیاب ہو گئے تو آپ خود اندازہ لگا سکیں گے کہ اگر نشتر صاحب اُسی دیوان تک قاصر فکر و فکر و فکر کے آئندہ کے لئے اپنے دوستوں کے ارادے کے مطابق خاموش ہو جاتے تو یہ دفترِ تحائف و معارف اور یہ شیرازہ حکایات و لطائف میں مرتب کرتا یا آپ؟

نشتر صاحب کا مذاقِ سخن کسی طرح نثری نوبتِ رائے نظر لکھنوی اور سرور جہاں آبادی سے کم نہیں ہے۔ اور اگر وہ نظمیں بھی کہنے لگیں تو آج ملک میں چمکتی آنکھائی کی جگہ ان سے پُر ہو سکتی ہے۔

یہاں مجھے ان کے کلام کی تحسینِ تیرلیف منظور نہیں، لیکن میں تجزیاتیہ دکھانا چاہتا ہوں کہ نشتر صاحب کے کلام میں تمام خصوصیات موجود ہیں۔ جو ایک حقیقی شاعر کے کلام میں ہونی چاہئیں وہ نغزلِ قدیم کے خوگر ہیں مگر ان کے اسلوبِ بیان میں یک لائی گفتگی، ایک لائی جرتگی اور ایک لائی بالیدگی ہے کہ نغزلِ قدیم پر بھی غزلِ جدید کا ہوا نہیں تھینے لگتا ہے۔ قاتل۔ بسمل۔ عندلیب۔ ناصح۔ زاہد۔ قیس۔ فرہاد۔ یللی۔ شیریں، قدیم شاعری کے تمام پُرانے موضوعات ان کے یہاں بھی موجود ہیں۔ لیکن انہیں موضوعات کو انکی طبع و بجا دہندے اسالیب میں پیش کر کے ان میں نیا پن نمودار کر دیتی ہے۔

میکدہ، ساتی اور شراب کے متعلق بھی نشتر صاحب کے یہاں اشعار کی کمی نہیں۔ لیکن اس موضوع کو بھی ان کی فکر رائے بہت شائستگی اور شاعرانہ سرستی کے ساتھ ندرت آمیز کر دیا ہے۔ بادی النظر میں ان کے اشعار سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ میکشی و سنے نوشی کے پُرانے تجربہ کار اور ساتی کے بہت قدیم پرستار یا دوست ہیں۔ لیکن جھانک

میرا شاہد ہے، مجھے معلوم ہے کہ وہ شراب بالکل نہیں پیتے۔

عشق و محبت کے مضامین میں آپ نثر صاحب کے یہاں بہت وارفتگی، بلندی، اور حقیقت پائیں گے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ دوسرے شعرا کی طرح جذباتِ حُسنِ عشق کے محض نقال یا راوی نہیں ہیں بلکہ یہ عالم تا دیر اُن پر گزر چکا ہے اور وہ اس منزل کے فضا شناس رہ رہیں۔ اُن کے ایسے اشعار میں اُن کی دل کی آواز بھی شامل ہے۔ اسی لئے اُن میں اثر ہے، کیف ہے، زور ہے، اور وہ سب کچھ ہے جو جذباتی، دوار داتی شاعری میں ہونا چاہئے۔ سب سے بڑی خصوصیت اُن کے کلام کی یہ ہے کہ انکی شاید ہی کوئی غزل ایسی ہو جس میں درس و پیام نہ ہو۔ یہ خصوصیت انھیں شعرائے متغزلین میں ممتاز، اور قدیم تغزل سے ان کے رنگ تغزل کو علیحدہ کر دیتی ہے۔ وہ اپنے سیرھے سادے، عام فہم، اور دلنشین انداز میں ایسے ایسے حقائق و معارف بیان کر جاتے ہیں جنہیں ضمیر ماننا ہے، عقل تسلیم کرتی ہے، اور دماغ جن سے متاثر ہوتا ہے۔

ایسی شاعری کی ہمارے اس دور میں بہت کمی ہے۔ حالانکہ ضرورت ایسی ہی شاعری کی ہے۔ کوئی شبہ نہ تھا ایسا نہیں، جو نثر صاحب نے اپنی رسائی فکر اور ذاتی تجربہ و مشاہدہ سے نثر زنی کر کے حقیقت کے چہرے سے نقاب نہ اٹھایا ہو۔ مثلاً ملاحظہ فرمائیے:۔

ملنے کی اُس کے اور نہیں دوسری سبیل جب تک ہو، اپنے نقشِ خودی کو مٹائے جا

اس باغِ جہاں گل بوٹے، لہا نہیں اک دو ساعت کے
جب تک حق کا اور اک نہ تھا، احساسِ باطلِ خاک نہ تھا
اس طرح نہیں ملتی منزل، اس طرح نہیں کٹی مشکل
ہے دوری منزلِ نفسِ طلب، ہم اپنی بتی کہتے ہیں
دشوار ہی عالم کا رستہ۔ دشوار پسندی سے کاٹنا
جو چاہے کسے انسان کی دلِ رُخاں بھی ہے، شیطان بھی ہے
ایک ہی غزل اور ایک ہی زمین میں اتنے درس، اور اتنے پیام، اس بات کا ثبوت کافی ہیں کہ نثر صاحب

کی فکرِ راستہ پر منزل، اور تہذیبِ حیات کی مونگائیوں میں بہت زیادہ قوی العمل ہے۔
اور سنئے :-

اس کے سوا مفر نہیں اس کے قریب سے
جو کچھ گزر رہے ہیں زمانے میں واقعات
دُنیا کو برطیتِ افسانہ دیکھنا
دو چار روز میں انھیں فسانہ دیکھنا

اپنی خودی کو بھول جا، صبح و سوا کو بھول جا
اب جو ہے غم سے نوحہ گر، تیری خطا ہے سرِ بر
دارِ بقا ہے دائمی، دارِ فنا ہے عارضی
ہے جو عطا کا بلتھی، جھکو بھی چاہئے ہی
ایک خدا کو یاد رکھ، ہر دوسرے کو بھول جا
کس نے کہا تھا اے بشر اپنے خدا کو بھول جا
دارِ بقا ہے رکھ نظر، دارِ فنا کو بھول جا
جس سے ہو جب خطا کوئی، اسکی خطا کو بھول جا

دریا میں ملاہستی اپنی، لے قطرے پھر دریا ہو جا
لے انسان چھوڑ خودی اپنی، اور محو ذاتِ خدا ہو جا
غیروں کا بھروسہ کیا کرنا، اپنا ہی بھروسہ پتھا ہے
یہ پوری غزل اسی رنگ میں ہے، اور ملاحظہ فرمائیے۔
آخر تو فنا ہونا ہے تجھے، پھر قبل فنا ہی فنا ہو جا
مخلوق میں پہلے کیا تھا، مخلوق میں پھر کیت ہو جا
صحرا سے محبت میں اپنا تو آپ ہی راہ نہا ہو جا
نہیں تو کام یوں بگڑیں ترے اور کارِ مازا یا!

رہنے کی یہ جگہ نہیں دُنیا حقیقتاً
زنداں سے جو کھل گیا، اچھا نکل گیا

اے کب حقیقت کا عرفان ہو گا؟
نہ جانے کب انسان ہو گا

لے بشر ہے تری کوتاہی ہمت ورنہ
دہر میں تیری ترقی کے ہیں میدان کیا کیا

اور سب مخلوقِ نفرت کے اشاروں پر چلی جذبہٴ انسانیتِ انوسِ انساں میں نہ تھا

ہیں بہاؤ داریاں، آسائیوں کی ذمہ دار خواہشِ آسانی کی ہے تو بجز مشکل میں آ

دل ہی نہیں ملتا تو خدا ہم کو ملے کیا گھر والے کا کیا ذکر ہے، جب گھر نہیں ملتا

وہ اپنا سر نہ اٹھائے جو بیٹھنا چاہے جو اٹھا بیٹھ گیا گردِ کارواں کی طرح

اُسے پائے گا تو دیوانہ بن کر وصال اُسکا ہوتا ہے، بگیا نہ بن کر

چشمِ ظاہر بند کر لو، چشمِ باطن کھول لو
کاش انساں چھوڑ دیتا زندگی ہی میں اسے
ساری دنیا اُسکی ہے، ساری فدائی اُسکی ہے
لے بھکاری مانگ کر اب تک تجھے کیا مل گیا
اُن اشعارِ میلِ خلاقیات کا درمیں پیام کتنے خوش پرلے میں لایا ہے :-
ہمدردیوں کا حال مری تھا یہ عمر بھر
مرنا سنا کسی کا مراد دم بھل گیا

قناعت نہ دلیں سہانگی جب تک یہ ارمان ہو گا وہ ارمان ہو گا

میں نے یوں قائم کیا تھا رشتہٴ انسانیت چاکِ دامن میں کسی کے تھا، مر دامن میں تھا

میں تو انسان، اُسی انسان کو ہمیشہ سمجھا کام پڑنے پہ بھی انسان، جو انسان نکلا

دولت کے تو نگر تو ہیں دُنیا میں ہزاروں افسوس کوئی دل کا تو نگر نہیں ملتا

کیا قیامت ہے، مُلکوں کو ہے ہندو گریز اور ہندو نہیں جاتا ہے مُلکوں کے قریب

زبان اُسی کی ہے، بیشک زبان اُسی کی ہے زبان رکھ کے گدا سے جو بے زبان کی طرح
میانہ رو رہے، دُنیا میں عمر بھر نشتر نہ ہم زمین کی طرح تھے نہ آسمان کی طرح

اس تن خالی سے کر لے خدمتِ اہل جہاں پھر ہے کس مصرت کی مٹی رہیگا ہونے کے بعد

بندہ ہوں قناعت کا، مجھے اُن گنہیں کام اب حرص ہو اسے کہو دیکھیں کوئی گھراؤ
زبان اور محاورات کی سادگی کے ساتھ متانت، بلندی، اور شکوہ بھی نشتر صاحب کے کلام میں پایا جاتا ہے۔

مجھ سا غم دوست زمانے میں نہ ہوگا کوئی غم کبھی موجبِ افسردگی دل نہ ہوا

افسوس سراغِ رو منزل نہیں ملتا رہبر کوئی تقلید کے قابل نہیں ملتا

شراب پی کے بھی متِ شراب ہونہ سکا رہیں منتِ کیفِ شباب ہونہ سکا

جب تک یہ خراب غمِ جاناں نہ ہوا تھا دل میرا غمِ عشق کے شایاں نہ ہوا تھا

جب تک تھی تری چشمِ کرمِ طرف پر میرے
میں شاکی کو تباہی واماں نہ ہوا تھا
ذہنیت ناقص نے کیا مایل تخریب
ان ان مکمل ابھی اناں نہ ہوا تھا
اُوقت سے ہمارا نگل دلال ہوں نشتر
جو وقت گلتاں بھی گلتاں نہ ہوا تھا

آخر مری قناعتِ طوفاں فریب نے
ساحل کو بحر، بحر کو ساحل بنا دیا

اے فصلِ خزاں تو نے دکھایا مجھے یُن
گلشن مجھے ہم معنی صحرا نہ ہوا تھا
تھی لذت دیدار میں تحویتِ کامل
بے ہوش میں ہنگام تماشا نہ ہوا تھا

کیا شعلہ فریاد کو حاصل ہوئی مزاج؟
کیوں آج سراغِ مہِ اختر نہیں ملتا
باور جو کسی کا ہے اُسے وعدہ باطل
پھر آج مزاجِ دلِ مضطرب نہیں ملتا
نشرِ صاحب کے یہ اشعار ان کے شرب اور عالمگیر مذہب پر روشنی دالتے ہیں :-
کب سے دوستی نہ کلیا سے دشمنی
ہم جس ڈگر پہ چلنے لگے کام چل گیا

تھے راستے میں اس ٹھہرا ہوا ذرا میں
دیر اور جسم کو مری منزل نہ بھننا
آپ کو ایسے اشعار میں یوں جا بجا ملیں گے جس سے نشرِ صاحب کا شرب بلند واضح ہوتا ہے -
عبرت و نصیحت کا سامان ان اشعار میں کس فراوانی کے ساتھ جمع کیا گیا ہے :-
اب وہ پڑے ہوئے ہیں میں میں نے ہوئے
احساں بھی جنبی خاطر نازک پہ بار تھا

کچھ مجھے آتا تھا رونا، کچھ ہنسی اناں پر
دُور کی لیتا تھا، گو صرف ایک شت خاک تھا
کیوں کیسی موت پر آخر یہ شیون یہ بکا
خاک میں ملنے سے پہلے ہی یہ اناں خاک تھا

جہاں ادبچے اونچے محل دیکھتے ہو وہاں ایک دن صاف میدان ہوگا

کسی کی موت پہ دتی ہے کائنات تمام کسی کو بعدِ فنا فوضہ خواں نہیں ملتا

تھایہ دنیا کا تعلق صرف کُنجِ گورتک اس آگے ساتھ پھراپنا نہ بیگانہ گیا

پوٹاک چاہتے تھے جنہیں روزاک نئی مرنے پر اُنکا کام کفن سے نکل گیا

اک روز وہ آئیگا کہ مٹ جائیگی دُنیا باقی فقط افسانہ ہی افسانہ رہیگا
انسان سمجھنے کو سمجھتا رہے کچھ بھی افسانہ تھا، افسانہ ہے، افسانہ رہیگا

فدا کرے کہ خدا کا کسی پہ قسم نہ ہو زمین پینے لگتی ہے آسماں کی طرح
میر تقی میر کے بہتر نشتروں میں نشتِ صاحب کے اگر یہ نشتِ بھی ملا دیتے جائیں تو کیا کوئی تیز کر سکتا ہے؟
اس حُسن کی محفل میں لیے بھی ن آتے ہیں جب شمع تو ہوتی ہے پروانہ نہیں ہوتا

کچھ رنگ اور ہی ہے دلِ بقیار کا کیا پھر قریب آگیا موسمِ بہار کا؟
دامانِ آئین کے رنہ ہو سکے نہ چاک پھر آگیا تریبِ زمانہ بہار کا

ایک ن کی بات ہو تو شوق سے رہ بقیار پھر نہ رات آئیگی ایدل پھر نہ ہوگی شام کیا
زندگی جطرح بھی کٹ جائے نشتِ ٹھیک ہے چارون کی بات ہے تکلیف کیا آرام کیا!

اللہ محبت کی وہ میٹھی مری نیندیں! جب خواب مرا خواب پریشان نہ ہوا تھا

اللہ محبت کے وہ ن رات کہاں ہیں تنہائی میں بھی میں کبھی تنہا نہ ہوا تھا

چارہ گرجس کی تو نے ابھی کی تھی دوا وہ تو پھر ہونے لگا ظالم و میں کل قریب
نشر صاحب کا ایک فاضل سلوب بیان اور بھی ہے۔ جس میں وہ صاحب طرز کلمات کے مستحق ہیں۔ اپنے اس انداز
پر وہ بلا شکریت غیرے قافیہ و دخل ہیں۔ جو کم از کم مجھے بہت پسند ہے۔
کوئی ابھی ابھی ہیں دیوانہ کر گیا یہ بھی نہ دیکھ پائے کہ ظالم کدھر گیا

آدمی ہوتا ہے جب نہ ان ہستی میں سیر پوچھے وہ کون موقع ہے مبارکباد کا؟

جہاں قرار ہمارا ایسا ہے لے ظالم وہاں دل بھی (جو ہے بقیار) لیت جا

میں نے صرف چند رویتوں سے یہ اشارے کیے ہیں۔ پورے دیوان میں ایسے سینکڑوں شاعریاں اور کوئی غزل
ایسی نہیں جس میں درس و پیام، اخلاقیات، عہد و نصیحت اور عرفان و ایمان کے مضامین نہ ملیں۔ دیوان
کے مطالعے سے میرے اس بیان کی تائید ہو جائے گی۔
نشر صاحب کے اسلوب فکر میں ایک یہ بات بھی مخصوص ہے کہ وہ جس زمین میں قلم اٹھاتے ہیں۔ اُسے قطعاً
پامال کر ڈالتے ہیں۔ اور دوسروں کے لئے گنجائش فکر نہیں چھوڑتے۔ اسکا دستور یہ ہے کہ وہ ایک ایک قافیے کو
بار بار لکھتے ہیں۔ اور اسوقت تک قافیہ کی جان نہیں چھوڑتے جب تک اسے بے روح نہیں کر دیتے۔ مثلاً نظر کہیں
اثر کہیں انکی ایک غزل ہے۔ اُس میں ”نظر“ کے قافیے میں ایک پوری اور سیر غزل لکھ ڈالی ہے اور ”سحر“ کا
قافیہ دوسری غزل میں ۱۱ مرتبہ لکھا ہے۔ غور کیجئے ۱۱ مرتبہ جس قافیہ کو فکر کے کنبے میں کساجائے۔ اُس میں کیا

جان باقی رہ سکتی ہے؟

یہی حال اور غزلوں میں بھی ہے۔ جب تک قافیہ نئے نئے خیالات پیدا کرتا رہتا ہے، نثر صاحب اُسے تختہ مشق بنائے رہتے ہیں اور جب وہ بے روح ہو کر اپنی تخلیقی قوتوں سے محروم ہو جاتا ہے تو اُسے رہائی ملتی ہے۔
نثر صاحب کے کلام میں قدیم و جدید دونوں قسم کا مذاق تغزل پایا جاتا ہے۔ غزل کا گلدستہ مختلف رنگ و بو کے پھولوں سے جیا وہ سجاتے ہیں ہر شخص نہیں بجا سکتا۔ ایک ہی غزل میں کہیں عشق و محبت کا فلسفہ اور تجوہ ہے۔ کہیں معرفت الہی ہے کہیں نثر اب کے شوخ مضامین ہیں۔ کہیں منزل اور مادہ منزل پر تبصرہ ہے۔ کہیں حُسن و وفا کا ذکر ہے۔ کہیں عینت کے مناظر ہیں۔ کہیں حقیقت کے مظاہر۔ کہیں فلسفہ ہے کہیں تصوف ہے۔

پھر کلام میں کہیں گنجشک اور چھپکی نہیں ہوتی۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہر شعر سانچے میں ڈال کر نکالا گیا ہے۔

جنگلو اصرار ہے مجھ سے کہ نہ دوں جا اپنی	وہ ہی جینے کی بنا دیں کوئی صورت جھکو
مجھ سے دُنیا کا کوئی ذکر نہ رنڈ کرے	خوب معلوم ہے دُنیا کی حقیقت جھکو
نم جو کچھ روز دکھاتے نہیں صورت اپنی	زندگی کی نظر آتی نہیں صورت جھکو
غم سے گھبراؤں محبت میں کیوں گھبراؤں	رفتہ رفتہ رہی ہو جاؤ گی عادت جھکو

اسی طرح ہر غزل اور غزل کا ہر شعر صاف ستھری، عام فہم زبان میں ہوتا ہے۔

باوجود احتجاج و انتباہ، ہندوستان کے ۵۰ فیصدی شعرا آج تک اُسی قدیم رنگ تغزل کے دیوانے ہیں، جو اب اپنے محدود موضوعات کی طرح فرسودہ اور کمزور ہو چکا ہے۔ انھیں پرانے برتنوں پر قلعی ہو رہی ہے جو کبھی ظرافت شائسان سخن نے ضرورت زمانہ کے لحاظ سے بنائے تھے اور جو آج سے دو سو ڈہائی سو برس پہلے قابلِ رواج سمجھے جاتے تھے۔ ایسے قدامت پسندوں کو نثر صاحب کے کلام سے سبق لینا چاہیے کہ نثر صاحب اُسی قدیم روش و اسلوب میں بھی اپنی دلنشین طرزِ نگارش سے جَدِ کافی بنا پین پیدا کر دیا ہے۔ کم سے کم اتنا مذاقِ تجدید تو ہو، نثر صاحب کے کلام میں موسیقی بہت زیادہ ہے۔ خصوصاً بڑی بحر میں انھوں نے جتنی غزلیں مسجع یا غیر مسجع کہی ہیں سب کا اسلوب نہایت دلکش ہے۔ شاید اس لئے کہ انھیں موسیقی سے بھی لگاؤ ہے۔ اور اگر وہ خود اچھا نہیں گا سکتے (غالباً) تو گانے کے اتار چڑھاؤ اور گانے کے قابلِ غزلوں کے تناسبِ الفاظ سے وہ (یقیناً)

اچھی طرح واقف ہیں۔ اس کا یہی اور مہارت نے اُن کے کلام میں زیادہ سے زیادہ جرات آفرینی پیدا کر دی ہے۔ اس قدر شوقِ سخن اور سیرِ گوی کے بعد نثر صاحب کو حق پہنچتا ہے کہ وہ دوسرے اربابِ ذوق کی بھی رہنمائی کریں۔ اور جس شاہراہ پر خود کامِ زن ہیں اُن کے سامنے اُن لوگوں کے لئے بھی آسان کر دیں جو اُن کے گرد و پیش بھٹک رہے ہیں۔ اور نثر صاحب کو بھی اُن کے مقامِ بلند سے اپنی پستیوں میں کھینچنے کی ناکام کوشش کئے ہیں۔ شعر کی تعریف میں، میں شاعروں کی رسمی، فرضی، وقتی، اور ہنگامی واہ واہ کا قائل نہیں ہوں، شاعر کے میں تو ہر شعر پر سر ہٹتے ہیں اور زبان کی جنبش سے جو الفاظ بنتے ہیں وہ قریب قریب تحینی ہی ہوتے ہیں۔ شعر کو کاغذ پر دیکھنا چاہئے۔ جہاں اس کی تمام چولیں نگاہِ تنقید کے سامنے ہوتی ہیں۔ اور از اول تا آخر شعر پر غور کیا جاسکتا ہے۔ اس معیار سے جب ہم نثر صاحب کا کلام کاغذ پر دیکھتے ہیں تو ہمیں کہیں جھول نظر نہیں آتا۔ الفاظ کا صحیح محل استعمال۔ محاوروں کی صحت، نصاحت کا رکھ رکھاؤ۔ علمِ کلام کے مظاہرے۔ زبان کی گھلاوٹ۔ فکر کی تازگی۔ طبیعت کی روانی۔ ذہن کا کشادہ۔ شوق کی گنگنی۔ فکر کا سلجھاؤ۔ جذبات کی فراوانی۔ بیان کی عذوبت۔ یکسانی۔ سلاست۔ صلاوت۔ ہمواری۔ چستی۔ بلندی۔ اور گنگنی ہر شعر سے مترشح نظر آتی ہے۔ ساعت ان تمام خصوصیات پر بیک وقت غالب نہیں ہو سکتی۔ شعر کا اصلی جوہر اور وجدانی روپ کاغذ ہی پر نظر آتا ہے۔ میں ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ نثر صاحب کے کلام کی تعریف کروں۔ اس لئے کہ وہ میرا دیکھا ہوا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ میں خود بھی اُن کے کلام سے اکثر متاثر ہوتا رہا ہوں۔ اور اُن کے بعض اشعار میں نے کئی کئی بار پڑھے ہیں۔ کاش وہ میرے ذہن میں محفوظ ہوتے اور میں اپنے معیار کے کچھ اشعار بھی اُن کے کلام سے آپ کے سامنے پیش کر سکتا۔

مگر وہ تمام اشعار آپ کو اسی دیوان میں کہیں نہ کہیں مل جائیں گے۔ اور آپ بھی اُن سے میری طرح اثر پذیر ہوئے بغیر نہ رہیں گے۔

میں نثر صاحب کو اُن کے اُس دیوان کی طباعت و اشاعت پر بھیم قلب مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ اور چاہتا ہوں کہ وہ اُس کے بعد بھی اپنا دوسرا اور تیسرا دیوان چھوڑیں۔ تاکہ ان کے کلام کی تدریجی ترقیاں دینا اُسے ادب کے پیشِ نگاہ رہیں۔ اور قیفاً گواہ رہے کہ ایک وکیل جب ادبی جرح و تہقیر کا بھی ماہر ہوتا ہے تو

زندگی کا کوئی بڑے سے بڑا اور اہم سے اہم پہلو بھی ایسا نہیں تھا جو اُس کی نظر و بحث سے محفوظ رہ جائے۔ پھر معرکوں کی تعداد کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

میرے خیال میں اگر وکیل، شاعر بھی ہو تو وہ وارداتِ مقدمہ اور رد و استغاثہ کے جزئیات ایک وکیل شخص سے زیادہ سمجھ سکتا ہے۔ اس لئے کہ اُس کی نظر وسیع فکر بلند اور ذہن رسا ہوتا ہے۔ وہ معاشرتی اور سماجی معاملات کو نسبتاً زیادہ آسانی سے اور مقابلتاً زیادہ اچھی طرح سمجھا سکتا ہے۔ اس کا داغ فکر کی پیچیدگیاں سلجھانے کا عادی ہوتا ہے۔ اور وہ ہر اہم اور عظیم معاملے کو بھی اپنی ذہنی و فکری شہریت کے سانچے میں ڈال کر زمینِ شعری طرح نرم و ہموار کر سکتا ہے۔

کاش غیر شاعر و کلامک میری یہ آواز پہنچ سکے!

سیماب کبر آبادی

{ قصر الادب - اگرہ
۱۲ اکتوبر ۱۹۳۷ء



تقریب اشاعت

”مکتبہ قصر الادب گڑھ“ کو دلی سرت ہے کہ وہ آج اورئی کے فاضل و قابل وکیل، اور ادب اردو کے محسن سداون جناب منشی ہر گوبند دیال صاحب نشر ہنگامی کا دیوان اپنے اہتمام و نگرانی میں شائع کر رہا ہے۔

آج اردو پریس کے ہاتھوں اردو شاعری کی مٹی جیسی پلید ہے اُس سے کون واقف نہیں۔ شعر کے دیوان جب پریس سے نکل کر پبلک کے سامنے آتے ہیں تو اُن کی مجموعی حیثیت و حالت میں کوئی نظر لگتی نہیں ہوتی کاغذ ہلکا اور کم قیمت، لکھائی غلط اور بد نما۔ چھاپی خراب۔ اور ترتیب وغیرہ نہایت بھدی ہوتی ہے۔ ان تمام باتوں کا اثر مجموعی طور پر ناظر کی نگاہوں پر کچھ اچھا نہیں پڑتا اور کلام کی خوبیاں بھی اُجاگر نہیں ہوتیں۔ نتیجہ ہوتا ہے کہ دیوان کا بازار کی نذر ہو جاتا ہے۔ اور بجائے اشاعت کلام، کلام کی گنہ گاری و فنا اس کا نتیجہ ہوتی ہے۔

تیدا اس مسود مرحوم کے ایک یورپین دوست اُن کے ہمراہ ایک مرتبہ ممبئی کی سیر کرنے گئے تو وہاں انھوں نے تیدا صاحب سے پوچھا کہ ہندوستان کے سب سے بڑے شاعر کا کلام اگر اس دارالسلطنت کے کتب خانوں و کتابوں میں خریدنا چاہتا ہوں۔ تیدا اس مسود انھیں ”بلما روں“ میں ایک کتب فروش کی دوکان پر لے گئے اور اس سے ”دیوان غالب“ مانگا۔ کیونکہ غالب تیدا مرحوم کی نگاہ میں سب سے بڑے ہندوستان کے شاعر تھے۔

کتب فروش نے ”دیوان غالب“ نکال کر دیا۔ جو بوسیدہ کاغذ پر معمولی لکھا ہوا اور چھپا ہوا تھا۔ قیمت

پو بھی تو کتب فروش نے ”ڈہانی آنے“ بتائے۔ اس پر انگریز پبلشر جرت و عبرت کے پیدوں میں ڈوب گیا اور کہنے لگا کہ ”ہندوستان کے سب سے بڑے شاعر کا کلام ۱۱ اور قیمت صرف ۲ روپے“

اُس نے یہ صاحب مرحوم سے کہا کہ آپ کو اس کی بے قدری کی طرف توجہ کرنا چاہئے۔ اور جب اُسے معلوم ہوا کہ دیوان کا حق تالیف محفوظ نہیں ہے تو اُس نے کہا کہ میں خود اس دیوان کو جرمنی میں چھپواؤں گا۔

یہ ہے وہ حقیقت، جس کی موجودگی میں ہم آج مغربی فضیلا اور ارباب ادب کے سامنے اپنے ملک کے مشہور شاعر کا کلام پیش کرنے کی بھی اہلیت نہیں رکھتے۔ ہماری ذہنیت محض تاجرانہ رہ گئی ہے اور ہم میں آرٹ کا ذوق بالکل باقی نہیں رہا ہے۔

”مکتبہ قصر الادب اگر“ نے ہندوستان کے شاعر کے کلام کی اشاعت اپنے ذمہ لے لی ہے۔ یہ دیوان بھی اسی خدمت کا ایک نتیجہ جمیل ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ شاعر کا کلام اُن کے کلام کے مرتبے کے مطابق شائع ہو۔ تاکہ اُس کا مطالعہ ذوق سلیم پر بار نہ ہو۔ اور مارکیٹ میں اسکی قدر کی جائے۔

”نشر کردہ“ مکتبہ قصر الادب کی خیر خدمات کا ایک نمونہ ہے۔ نشر صاحب نے اپنے کلام کی اشاعت طباعت کے لئے ایک مناسب و موزوں رقم خرچ کی ہے اور مکتبہ قصر الادب نے بغیر کسی معاوضے کے اپنی نگرانی میں اُن کا دیوان انھیں کے لئے چھپوایا ہے۔ ہماری خدمات کا صلہ یہی کافی ہے کہ ہم اپنے ملک کے شاعر کا کلام نفیس اسلوب اور جدید طریقہ طباعت کے ساتھ معرض عام پر لا کر اُن کے کلام کی قدر و قیمت واضح اور مسلم کر دیں۔ اور ہماری یہ کوشش شکور ہو۔ تاکہ ملک میں عام طور پر اشاعت کلام کا جو صلہ بڑھے اور جو دیوان پریس کی مشکلات اور ارباب کار کی لاپرواہی سے اب تک معرض گمنامی میں پڑے ہوئے ہیں ان کے لئے ایک نیا سہارا پیدا ہو جائے۔

ہم نے حتی الامکان کوشش کی کہ دیوان میں کہیں کوئی غلطی نہ رہ جائے۔ مگر ”بے عیب صرف“ خدا کی ذات ہے۔ تمام دیوان چھپ جانے کے بعد معلوم ہوا کہ کاتب صاحب نے غزلوں کی ترتیب میں جس نمبر غلط کر دیے ہیں گو اس غلطی کا اثر قص دیوان پر ذرا بھی نہیں پڑتا مگر غلطی پھر غلطی ہے۔ جس کے لئے ہم ”نشر صاحب“ سے اور آپ سے عذر خواہ ہیں۔ ترتیبی نمبروں کا صحت نامہ بنا دیا گیا ہے۔

ہم اپنے محترم اور محبان و جناب نشتر بخنامی کو ان کے اس دیوان کی طباعت و اشاعت پر مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

قطعہ تاریخ اشاعتِ دیوان

منجانبِ ادارہ

شائع ہوا وہ کلام و کلمش اشار ہیں جس کے تیر و نشتر
کیا زور قلم ہے اللہ اللہ جذبات الفاظ سے ہیں باہر
ہے فکر کی دست و بلندی مہارِ شاعرِ نواگر
ہر لفظ نظر نواز اُس کا نقطہ نقطہ نگاہ پرور

لکھنؤ سال اشاعتِ اعجاز

”دیوانِ نشترِ سخنور“

۱۹۳۷ء

اعجاز صدیقی اکبر آبادی
مدیر شاعر ”اگرہ“

تصحیح :-

غزلوں کے ترتیبی نمبروں میں غلطی ہو گئی ہے۔ ناظرین تصحیح فرمائیں۔

صفحہ	نمبر غزل غلط	صحیح
۲۵	۲۰	۲
۱۵۳	۹۶	۹۷
۲۵۷	۷۴	۷۳

اس کے علاوہ صفحہ ۱۲۶ سے آخر تک غزلوں کے نمبر غلط ہیں۔ صفحہ ۱۲۵ کے آخر سے جو غزل شروع ہوتی ہے اس کا ۷۱ کے بجائے ۸۱ ہونا چاہئے اور ۱۳۵ کی آخری غزل پر بجائے ۸۱ کے ۹۱ ہونا چاہئے۔ اسی طرح آخر تک تصحیح کے بعد آخری غزل کا نمبر بجائے ۲۸۲ کے ۲۹۳ ہو جائیگا۔ فہرست میں غزلوں کے نمبر بالکل صحیح ہیں۔



محسن ادب جناب منشی سردار محمد دیال صاحب "دانشتر" هکاسی و کمال اودنی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اے قادر و برتر و توانا
 اللہ سے یہ ترانا
 مجھ کو تو ہے تیری ذات کافی
 کہنا پڑا سب کو آخر کار
 قائم ہے تو، اور نہ جاکے با
 اک جام مجھے بھی آج ساقی
 نکلا ہوں کسی جستجو میں!
 ناکامی طور کا نہیں غم
 افسانہ سنا جو میں تیرا
 کیا سمجھے کوئی فسانہ طور
 مانا کہ ملا نہ زیت میں کچھ
 سب بنگلے اُس کے کام لکھتے
 جس نے اسے کار ساز مانا

مراکت نامان تو عندلیب چمن سے اپنا مکاں اٹھا
 یہاں روز کا یہی روگ ہے۔ یہ ہواں اٹھا وہ ہواں اٹھا
 ہے وہیں کہیں مرا آئیاں جہاں شور ہے کہ دہواں اٹھا
 کوئی بڑھکتے دیکھتے تو لے ذرا۔ یہ دہواں اٹھا تو کہاں اٹھا
 تجھے مژدہ اسے مے جوش غم کہ نہیں ہے فرصت نالہ کم
 کوئی کہہ رہا ہے یہ دمدم۔ ابھی اور لطف نفاں اٹھا
 اسے سوز عشق یہ تو نے دل کو بساہ کر دیا کس طرح
 کہیں آگ تھی نہ شمع تھا۔ نہ لپٹ اٹھی نہ دہواں اٹھا
 مرے درد میں تری شوخیاں ہیں بقدر ضعف نہاں
 جو وہاں تھا تو یہاں اٹھا۔ جو یہاں رکا تو وہاں اٹھا
 یہ حجاب منزل دوست کے مری بکیسی نے بڑھا دیے
 کہ خباہت جادہ بنا رہا۔ مری آہ سے جو دہواں اٹھا
 کبھی تھا نفور اسی درد سے یہی درد آج ہے زندگی
 وہیں اک سکون سا ہو گیا۔ مرے دل میں درد جہاں اٹھا
 نہ وفا میں قدر کمال ہے۔ نہ جفا کی پریشانی ہے
 جو یہی خدا کا خیال ہے۔ تو رواج عشق بتاں اٹھا
 مجھے کر کے خوگر درد دل۔ نہی تو نے بخش دی زندگی

مجھے بتو کی بھی حس نہیں کہ جو درد اٹھا تو کہاں اٹھا
 تری بزم میں تھی چلا چلی۔ ہوا حشر دونوں کا ایک ہی
 کوئی شخص نہیں کے چلا گیا۔ کوئی شخص نوحہ کناں اٹھا
 نہ جہاں میں کوئی کمی ہوئی۔ نہ جہاں میں کمی کوئی
 یہ مرا خیال فضول ہے کہ جو میں اٹھا تو جہاں اٹھا
 تھے شکست تو بہ کیواسطے۔ مرے دل میں سینکڑوں
 کہ خدا کے فضلِ عمیم سے وہیں ابر رقص کناں اٹھا
 ترانا زبجھ سے نہ اٹھ سکا۔ یہ مرے نیاز کا نقص ہے
 میں یہ لاکھ سمجھوں کہ باں اٹھا۔ ملے حق تو یہ ہی کہاں اٹھا
 مجھے دردِ دل کی شکایتیں اس ہی لئے کہ وہ یہ کہیں
 ترادل ہی پاس نہیں ترے۔ تو بتا یہ درد کہاں اٹھا؟
 کبھی نام تیری زبان پر۔ نہیں اسکا بھول کے بے بشر
 جو عطا ہوئی ہے زباں تجھے۔ تو زباں لطف بیاں اٹھا
 وہ جمالِ نشر جلوہ جو ہے محیط دہر میں چار سو
 اُسے دیکھنے کی ہے آرزو۔ تو حجابِ وہم و گماں اٹھا

۱۶

۲۰

ہزاروں باریوں تو صحنِ گلشن میں ہواں اٹھا
 مجھے برباد کرنے تو ہے ناحق باغباں اٹھا
 دہواں تھا وہ ہواں لیکن جو زیرِ آشیان اٹھا
 ترا گھر بچھ جائیگا جو میرا آشیان اٹھا

یہ مانا فصل گل میں باغ چھوٹا آشیاں اٹھا
جہاں لیکر کڑی نظریں چمن میں باغباں اٹھا
اکہی خیر ہو پھر قلب میں درد تہاں اٹھا
کیونکہ کیا خبر کس نگ سے پہونچاں ہونزل تک
ابھی سے تجھ میں کیوں ناریدان خوشی کے
نہ پوچھیں کون کی حالت باغباں جب سخن گلشن میں
جہاں میں خوشی آئی۔ وہ اپنے ساتھ غم لائی
جول میں درد اٹھا ہے تو اٹھ کر تھم بھی جاتا ہے
لگائے کیا چمن میں دل کوئی گلہاں نہیں سے
نہ جانے آگ کو کیا لاگ ہے ان چند نگوں سے
نہیں ہٹا کسی وقت یکساں ہم نہ سکتے تھے
بٹھایا آپ نے محفل میں اپنی کب تلی سے
عجب کیا ہے کہ صبح حشر گرد آلود ہو جائے

نجات اس شہر سے تو ہے دہواں اٹھا دہواں اٹھا
دل پر خوف میں فوراً سوال آشیاں اٹھا
وہ شاید خواب سے برہم نصیب شمن اٹھا
کہا سو یا۔ کہاں جا گا۔ کہاں بیٹھا۔ کہا اٹھا
ابھی حشرے لب فریاد دنیا میں کہاں اٹھا
مرے پہلو سے اک شعلہ قریب آشیاں اٹھا
جو بادل جھوکر اٹھا۔ وہ لیکر سجلیاں اٹھا
ہمارا درد دل ظالم جہاں اٹھا وہاں اٹھا
یہاں ہر پھول گواہ سے پابند خزاں اٹھا
دہواں جب باغ میں اٹھا قریب آشیاں اٹھا
عمل تیرا بھی آخر ایک دن دور خزاں اٹھا
جب اٹھا آپکی محفل سے میں نالہ کناں اٹھا
جو میں صحن چمن سے لیکے خاک آشیاں اٹھا

نہ اٹھا ان کے سنگ آستاں سے اپنا سر نشتر
اٹھانے کو نہ جب تک انکا سنگ آستاں اٹھا

۱۶

۳

جنے کا کچھ اسی میں مزہ ہے تائے جا
میں تجھ کو دیکھتا ہوں تو مسکرائے جا

ظرف آشنا ہے ہمت دل آزمائے جا
رحمت نہ ہو اگر یوں ہی بجلی گرائے جا

مچھوئے دوست ہوں اے شمعِ زندگی
اپنا نہیں مگر مجھے تیرا تو ہوش ہے
دل پر غبار ہے تو نہ اس کا خیال کر
آخر تو ایک روز کھلیں گے تے فریب
ملنے کی اس کے اور نہیں دوسری سبیل
آنے نہ پاؤں ہوشیں اتنا ہے لحاظ
اے دل اب اسکی نرم کے شکوؤں سے فائدہ
آخر معاوضہ بھی تو کچھ چاہئے ہیں
کچھ دیر تک تو ادھیروں ہی جھللائے جا
بچو دا بھی نہیں ہوں مفتی تو گائے جا
اشکوں کا اپنی آنکھ سے دریا بہائے جا
دنیا کو اے محبتِ دنیا بھلائے جا
جب تک ہو، اپنے نقشِ خودی کو مٹائے جا
رکھنا ہے مجھ کو مست تو ساقی پلائے جا
کس نے کہا تھا تجھ سے کہ توبے بھلائے جا
چھینا ہے تو نے ہوش تو جلوہ دکھائے جا

نشر مجھے تو عرض تمنا سے ہے غرض

۱۱

کوئی تری سُنے نہ سُنے تو سُنائے جا

۴

دل میں نے قبول ازل میں کیا۔ ہر طور سے جب دل دیکھ لیا
جب ناز کے قابل دیکھ لیا۔ انداز کے قابل دیکھ لیا
ہاں جن کو قاتل دیکھ لیا۔ ہاں عشق کو سبیل دیکھ لیا
جب شمعِ جلائی، انجام پر وائے محفل دیکھ لیا
کب شوقِ شہادت رکتا ہے جب خنجر قاتل دیکھ لیا
اب پار نہ ہو کشتی کیونکہ کشتی نے ساحل دیکھ لیا
تم اور ستم جو چاہو کرو۔ اس طرزِ ستم سے باز آؤ

ہر بار یہ کیا کہہ دیتے ہو۔ جاہم نے ترا دل دیکھ لیا
 دل نے رازِ فطرت سمجھا۔ اب آساں کیا اور مشکل کیا
 ساحل کو دریا دیکھ لیا۔ دریا کو ساحل دیکھ لیا
 انجامِ محبت جو کچھ ہو۔ مجھ کو تو خوشی اس بات کی ہے
 دنیا نے ترا دل دیکھ لیا۔ دنیا نے مرا دل دیکھ لیا
 ہاں ہمتو پکارے کہتے ہیں ہشیاری سے غفلت اچھی
 ہم نے خوابوں کی بستی میں ہشیار کو غافل دیکھ لیا
 تو لاکھ چھپے سو پرووں میں۔ تو لاکھ نظر سے اوجھل ہو
 محفلِ بنکر ہم نے تجھ کو اسے صاحبِ محفل دیکھ لیا
 جانبازِ محبت ہم ٹھہرے۔ ملتے ہیں قضا سے رونے لگے
 اُس لمحے ہو گئی عید ہمیں جب جلوۂ قاتل دیکھ لیا
 اب کیوں نہ کرے وہ جو روحِ جنا۔ اب کیوں ہو دودِ بنیرِ وفا
 ظالم نے ہمارے سینے میں اک دردِ بھرا دل دیکھ لیا
 اس باغِ جہاں کے گل بوٹے۔ مہا ہیں کن وساعت کے
 اُس نقش پہ کیا مڑنا بیدل۔ جس نقش کو باطل دیکھ لیا
 جب تک حق کا ادراک نہ تھا۔ احساسِ باطل خاک نہ تھا
 جب حق کو حق محسوس کیا۔ باطل کو باطل دیکھ لیا

اب چین نہیں ہے ایک گھڑی آنکھیں میں تصویر انکی
 کیا جانے انکی صورت میں کیا دید کے قابل دیکھ لیا
 اس طرح نہیں ملتی منزل۔ اس طرح نہیں کتنی مشکل
 تو نے اب تک رہ کر غافل اسے طالب منزل دیکھ لیا
 ہے دُور ہی منزل نقص طلب۔ ہم اپنی بیتی کہتے ہیں
 منزل نے دیے خود اپنے پتے جب طالب منزل دیکھ لیا
 دشواری عالم کا رستہ۔ دشوار پسندی سے کاٹا
 اُس کام کے پیچھے پڑ گئے ہم جس کام کو مشکل دیکھ لیا
 جو چاہے کرے انسان کا دل۔ حُجّان بھی ہو شیطان بھی ہے
 تَوَاق اسے ہم نے پایا اور رہبر کامل دیکھ لیا
 بیمار شبِ غم کو شکر۔ یہ صبح کے آثار آئے نظر
 ۱۸ یاد دہنے والے نے سر پر دامنِ ساحل دیکھ لیا

انداز پھر نظر کے ہیں متانہ دیکھنا
 دیر و حرم نہ کبوترِ بختانہ دیکھنا
 ابرِ سیہ کا عالمِ مبتانہ دیکھنا
 مایوسیاں رہیں دلِ ار کی ہی
 اسکے سوا مفر نہیں کے فریب سے
 کرنا نہ پھر کہیں مجھے دیوانہ دیکھنا
 دل ہی میں ہو جلوہ جانا نہ دیکھنا
 آتا ہے وہ اُڑا ہوا میخانہ دیکھنا
 دو دن میں اس مکان کو ویرانہ دیکھنا
 دنیا کو بر طریقہ افسانہ دیکھنا

پھر دیکھنا ہماری طرف یا نہ دیکھنا
 سیکھیں وہ پہلے جلوہ جانا نہ دیکھنا
 کیا بند ہو گیا درِ میخانہ، دیکھنا
 ہو جائے رازِ دوست نہ فائدہ دیکھنا
 اب انقلابِ گردشِ پیمانہ دیکھنا
 ہو گا یہاں مرا افسانہ دیکھنا
 دو چار روز میں نہیں افسانہ دیکھنا
 میخانہ دیکھنا مرا پیمانہ دیکھنا

محل میں بیٹھنے کی اجازت دو وہیں
 ہے جتنے دلہیں جلوہ جانا کی ہوس
 توبہ کی ہر طرف صدائیں بلند ہیں
 اے اضطرابِ قلب نہ مجبور نا لہ کر
 میں بھی ہوں آج بادِ کشوں میں حیرت بھی
 گو کچھ نہیں ہو پھر بھی میں نیا یہ چھاؤنگا
 جو کچھ گذرے ہے من مانے میں اتفاقات
 ساقی کی چشمِ مست سے خورشیدِ دل مرا

نشر بہک چلے ہیں بہت سیکد ہیں آج

۱۵

چھوٹے نہ ہاتھ سے کہیں پیمانہ دیکھنا

۶

اُن کے ستم نہ یاد کرنا زو ادا کو بھول جا
 ایک خدا کو یاد رکھ۔ ہر دوسرا کو بھول جا
 کس نے کہا تھا کہ بشر اپنے خدا کو بھول جا
 اُن سے کہ کتابِ نور۔ اپنی ضیا کو بھول جا
 عشق کی انتہا کہاں۔ فکرِ قضا کو بھول جا
 ہے یہی غایتِ وفا۔ عہدِ وفا کو بھول جا
 آہِ رسا کے نصیب۔ آہِ رسا کو بھول جا

دُھن ہے اگر بناہ کی۔ اپنی وفا کو بھول جا
 اپنی خودی کو بھول جا۔ صبحِ وفا کو بھول جا
 تو جو ہے غم سے نوحہ گر۔ تیری خطا ہی سہی سر
 آج وہ دگر چراغِ قبر آتے ہیں بہرِ فاقہ
 روزِ حیات ہے یہاں روزِ ممات یہاں
 اپنی وفا کا ذکر کیا۔ اپنی وفا کی فکر کیا
 اے دلِ زارِ عشق میں۔ آہ یہ کہ نہ اعتبار

منفعل آل ہو اپنی جفائیں یاد کر
 بلبل نامراد یوں۔ عمر نفس نباہ دے
 و غوی عشق ہے اگر۔ اے دل زار صبر کر
 دار بقا ہے دائمی۔ دار فنا ہے عارضی
 ہمتِ دل جفا طلب۔ فطرتِ دل خلش پسند
 میں میں خطا کیواسطے۔ تو ہے عطا کیواسطے
 ہے جو عطا کا ملتی۔ تجھ کو بھی چاہئے یہی

اہل وفا کہاں ہیں اب۔ اہل وفا کو بھول جا
 صحنِ حسن کو بھول جا۔ اُسکی فضا کو بھول جا
 نوحہ گری سے کر حذر۔ آہ و بکا کو بھول جا
 دارِ بقا یہ رکھ نظر۔ دارِ فنا کو بھول جا
 کیوں میں کہوں جفا نہ کر۔ خجے جفا کو بھول جا
 اپنی عطا پہ کھ نظر۔ میری خطا کو بھول جا
 جس سے ہو جب خطا کوئی۔ اُسکی خطا کو بھول جا

نشر زار واقعی۔ دہر ہے محشر خودی
 کہتے ہیں سب یہاں ہی۔ اپنے خدا کو بھول جا

۱۵

دریا میں ملاہستی اپنی۔ اے قطرے پھر دریا ہو جا
 آخر تو فنا ہونا ہے تجھ۔ پھر قبل فنا ہی فنا ہو جا
 دنیا نہیں رہنے کے قابل۔ کرے اسے ترک فنا ہو جا
 چھوڑ اس خاکی پسہ امن کو۔ اور مائل ملک بقا ہو جا
 میں کچھ نہ رہوں تو سب کچھ ہو۔ کیا تجھ سے کہوں تو کیا ہو جا
 تو دل ہو جا، تو جاں ہو جا۔ یعنی میری دنیا ہو جا
 اے انسان چھوڑ خودی اپنی۔ اور محو ذات خدا ہو جا
 مخلوق میں پہلے یکتا تھا۔ مخلوق میں پھر یکیت ہو جا

یہ بس میں ہے اے انسان ترے جیسا چاہے دیا ہو جا
 یا صورتِ قطرہ ناقص رہا یا کامل بن دریا ہو جا
 جاتی ہے جہان تک میری نظر دُنیا ہے فساد و جنگ کا گھر
 دُنیا میں مجھے رکھا ہے اگر دُنیا سے بھی کہہ دینا ہو جا
 غیروں کا بھروسہ کیا کرنا اپنا ہی بھروسہ سچا ہے
 صحرائے محبت میں اپنا تو آپ ہی راہ منسا ہو جا
 ہو جائے اگر وہ جو میں کہوں تو پہلا کام یہی میں کروں
 صحرا سے کہوں گلشن ہو جا گلشن سے کہوں صحرا ہو جا
 یہ دُنیا اور فریب اس کے پیچا نہ ہمارا چھوڑینگے
 کیا دیر ہے اب کھٹنے میں تھے اے چشمِ حقیقت وا ہو جا
 دُنیا سے غرض نہ جھکونہ رہے دُنیا سے غرض نہ جھکونہ ہے
 ہو جاؤں میں دُنیا تیرے لیے تو میرے لیے دُنیا ہو جا
 رٹ تیری ہے اسکو آٹھ پہر ہر وقت ہے دروازہ نظر
 بیمارِ الم کی بالیں پر ہو جا اے بے پروا ہو جا
 اے غافل بھولے بھٹکے ہی تو نامِ زباں سے لے اسکا
 میں یہ تو نہیں کہتا تجھ سے تو مطلق محو خدا ہو جا
 آلودہ عصیاں ہوں ایسا اب آؤں میں سکے سامنے کیا

اے اشکِ ندامت جوش میں آ۔ اور آنکھوں کا پروا ہو جا
 کرنے دے جو وہ کرتے ہیں جفا۔ کہ ترک نہ تو آئینِ وفا
 تجھ کو اے دل کام ان سے کیا۔ تو اپنے حق سے ادا ہو جا
 ہے تجھ کو کبھی فکرِ دنیا۔ ہے تجھ کو کبھی فکرِ عقبی
 یہ رنگِ دوئی چھوڑاے غافل۔ جو تیرا ہے اُسکا ہو جا
 لگ جائیگی پار کبھی نہ کبھی۔ ایدل یہ ترے عم کی کشتی
 ساحلِ داخل کی فکر نہ کر۔ طوفان سے بے پروا ہو جا
 سننے کے لئے ہوں کان اگر۔ اور دل کو ہو عرفان اگر
 ہر سانس یہ کہتی ہے نشر۔ تو قبل فنا ہی فنا ہو جا

۸

۱۴

ہماری یاد سے اور انکے دلیں اضطرابِ ایسا
 کوئی موقع پڑتا ہے کہیں سوکھا جواب ایسا
 تمہیں نصاف سے سوچو سوالِ ایسا جواب ایسا
 ملا کجختِ دل بھی تو ملا خانہ خراب ایسا
 دکھا کوئی کرشمہ آج تو اے اضطرابِ ایسا
 مقدسے نہ دشمن کے بھی لگو اضطرابِ ایسا
 مراد کیا ہوا ہے اور پھر مجھ سے حجاب ایسا
 نہ رنگِ آفتاب ایسا۔ نہ حُسنِ ماہتاب ایسا

آئی ہو گیا کس طرح اکدم انقلاب ایسا
 ڈرانکے سامنے کیا ہے تجھے چشمِ رُباب ایسا
 مری عرضِ تمنا پر یہ خفا کی۔ اے معاذ اللہ
 نہ گلشن میں قرار سکو۔ نہ صحرا میں سکوں سکوں
 وہ دل تھا جو ہوا تھوڑے گہراؤ چلا آئیں
 ہمارا اضطرابِ دل اے تو بہ۔ معاذ اللہ
 نیکل آؤں گے پڑے سے مجھ سے جلوہ گر ہو جا
 تجھے تشبیہ کس سے دوں کوئی ثانی نہیں تیرا

کتاب رُجہ لکش اور دیا چہ خراب یا
وہ ظالم با حجاب یا۔ وہ کافر بے حجاب یا
قنا کا درخ تیا ہے قنا ہو کر حجاب یا
کیا ہے بخت خستہ نے ہمیں محروم خواب یا

محبت کا یہ قصہ اور غمگین ابتدا ایسی
ہزاروں پروں نہیں نہا۔ نمایاں فتنے سے
مری آنکھوں میں کچھ جاتا ہے نقشہ بے ثباتی کا
انہیں ہم خواب میں بھی دیکھنے کو اب ترستے ہیں

وہ ساتی کا کرم۔ وہ میکہ کی صحبتیں لاشتر

۱۴

۹

نہ اب بزم شراب ایسی۔ نہ اب دور شراب یا

ترا بھی لے دل امیدوار کیا کہنا!
نظر ملی کہ ہوئی دل کے پار کیا کہنا
ہمارا اور مجسم ہمارا۔ کیا کہنا
ہیں اضطراب کے معنی قرار کیا کہنا
کہ جیسے جھوٹے کوئی میسار کیا کہنا
جو پار ساتھے وہ ہیں بادہ خواہ کیا کہنا
مزار آج ہے میرا مزار کیا کہنا
ہمارا اور پھر ابر ہمارا۔ کیا کہنا
ہمارے عشق کے لیل ہمارا کیا کہنا
اجل پکار اٹھے ایک بار کیا کہنا
ہمارا جذبہ بے اختیار کیا کہنا

کسی کے وعدے پہ ہے انتظار کیا کہنا
یہ جذب لے نگہ مست یا۔ کیا کہنا
ہر اک ادا پہ تری دل نثار کیا کہنا
غم فراق و غم انتظار کیا کہنا
یہ رقص مستی ابر ہمارا کیا کہنا
نگاہ مست پہ تیری نثار کیا کہنا
گلوں کے ڈھیر نسیم ہمارا کیا کہنا
چمن حسیں ہے فضا خوشگوار کیا کہنا
کبھی تصویر کیسو۔ کبھی تصویر رخ
اک ایسا دار نظر کا۔ تری نظر پہ نثار
تھارا حسن ملائک فریب۔ اے توبہ

بہار اور خزاں سے کوئی لگاؤ نہیں
 کنا تنگ اسکی جھاؤں کا کیجے شکوہ
 بتاؤ کون نہ مر جائے ایسے مرنے پر
 تمام دن کا وہ اُمید آفریں عالم
 تمھارے غم کو نہ بدلوں نشاطِ عالم سے
 دلِ فسرہ شگفتہ نہ کر سکی **نشر**

۱۴

۱۰

یہ ہے بہار تو اسکو بہار کیا کہنا

کیون جویش رقابت سے دیوانہ نہیں ہوتا
 میخانہ بھی بے ساقی۔ میخانہ نہیں ہوتا
 جو تیری محبت میں دیوانہ نہیں ہوتا
 اس حسن کی محفل میں ایسے بھی کرتے ہیں
 جھڑجھڑ ہوائے ساقی یہ ہوش مرا لیلے
 ختمِ منہ سے لگا بھی ہے۔ او ساقی میخانہ
 اسوقت میں جلتا ہوں سو زپِ فرقت سے
 کیا میرا ہی افانہ ہے سلسلہ ہستی؟
 دیوانگی میں یہاں ہے رازِ محبت کا
 کب میرے قصوں میں نکلیں ساقی کی

پردانے کا دشمن کیون دیوانہ نہیں ہوتا
 جنگ نہ نہ خود ڈھائے پیمانہ نہیں ہوتا
 کچھ اور وہ ہوتا ہے فرزانہ نہیں ہوتا
 جب شمع تو ہوتی ہے پردانہ نہیں ہوتا
 اس شمع کے مارے میں دیوانہ نہیں ہوتا
 اب میرے لئے کافی پیمانہ نہیں ہوتا
 جب شمع نہیں ہوتی پردانہ نہیں ہوتا
 کیوں ختم مے دل کا افانہ نہیں ہوتا
 دیوانہ وہ ہی ہے جو دیوانہ نہیں ہوتا
 کب سامنے نظروں کے میخانہ نہیں ہوتا

دیوانہ وہ ہے جسکو دنیا کے دیوانہ
 ہم جب جدا ہو کر متجانی سے آئے ہیں
 جب تک مری الفت کا ہونا نہیں کر اس میں
 ہوتا ہے کوئی ٹکڑا افسانے کا افسانہ
 جب تک تو نہیں جوتا میخانے میں لے ساقی
 محتاجِ کرم کوئی۔ ممنونِ کرم کوئی
 اس وقت کوئی دیکھے حالتِ مہرِ فرقتیں
 کیا کچھ نہیں جوتا ہے انسان کا پیل بھی
 اس وقت کوئی دیکھے لشکر کی پریشانی
 کیا دل کہیں اُس دل کو جو ٹوٹ گیا لشکر
 ٹوٹا ہوا پیسا نہ، پیسا نہ نہیں ہوتا

۲۰

۱۱

مجھے شوقِ نیازِ ایسا۔ وہ کافر بے نیازِ ایسا
 نہ رکھا چاہئے تجھ کو خدا یا امتیازِ ایسا
 نہ تھے جب تم تو افسانہ کہاں تھا دگدگِ نیازِ ایسا
 درازی روزِ فرقت کی کسی کو کیا تباہیں ہم
 جہاں سر کھدیا ہم نے وہ کعبہ ہو کہ تہخانہ
 تھائے درد میں دو مختلف کیفیتیں دیکھیں
 ادھر التفاتِ ایسا۔ ادھر سے احترازِ ایسا
 کسی کو سرنگوں ایسا۔ کسی کو سرفرازِ ایسا
 نہا پھیکا پھیکا تھا۔ نہ سوزِ ایسا نہ سازِ ایسا
 یقین یہ ہے نہ ہوگا روزِ محشر بھی درازِ ایسا
 پھر اتنا ہی نہیں سجدے ہے شوقِ نیازِ ایسا
 نہ کوئی دلوں آزا ایسا۔ نہ کوئی دگدگِ نیازِ ایسا

نہ جانے کھل گیا دھو میں مجھ سے کون راز ایسا
نہیں تو کام یوں بگڑیں تے اور کار ساز ایسا
مریض غم کہاں سے کوئی لائے چارہ ساز ایسا
گد زنا واقعہ مجھ پر بھی اک افسانہ ساز ایسا
جہیں کو کاش بلجاتا کوئی ایوان ساز ایسا
دکھائے مجھ کو اپنا جلوہ یوانہ ساز ایسا
کبھی کا ہیکو گزرا تھا نظر سے پاکباز ایسا

تعب کیا اگر نقص دوئی مٹ جائے اب نشر
نہیں کچھ دردِ دل اور دل میں باقی امتیاز ایسا

۱۳

میں جو انسان بنا تھا تو پھر اناں ہوتا
تھا گلستاں تو بھر بگ گلستاں ہوتا
مجھ کو آرام تو ظالم کسی عنوان ہوتا
نہ گلستاں کہیں ہوتا نہ بیاباں ہوتا
زخمِ دل کیوں نہ تجھے دیکھ کے خنداں ہوتا
رات دن جسم مرا شعلہ بدماں ہوتا
اس اندھیرے کا بھی کوئی مہتاباں ہوتا
باغباں تیرا گلستاں بھی گلستاں ہوتا

جسے دیکھو مرا منہ تک ہے بزمِ عالم میں
قصورِ ایک تیرے سر خطا تیری ہی ٹھہر گئی
کرے جو درد سے درماں تے دردِ محبت کا
کلیمِ طور کا قصہ دلوں سے محو ہو جاتا
نہ پابندِ حرم رہتی نہ پابندِ صنم خانہ
میں ہو کر سب بیکانہ۔ ترا دیوانہ ہو جاؤں
ذرا دماغ کو دیکھو اسکی تقریریں سنے کوئی

دل میں ہر وقت خیال بُخ جاناں ہوتا
کاش اُن ل میں ترا حسنِ گل افشاں ہوتا
مٹ ہی جاتا جو نہ پورا مرا ارماں ہوتا
سب کر شے تھے مری شاد مئی غم کے۔ ورنہ
چارہ گر تجھ پہ زمانے کو مہنی آتی ہے
تو سکونِ کامرے ضامنِ جو نہ ہوتا اسے ضبط
شکلِ امتدناسیاں نہیں یا یوسی میں
دُخلِ صیاد و خزاں کا جو نہ ہوتا اسیں

کاش دل کو تھے جلووں کے اُجالے ملتے
تو نے چھینے کی اگر دل میں ٹھانی ہوتی
تو نے اچھا کیا صیتا دکھلا نہ مجھے
کم نگاہی نہ اگر حاکم جلوہ ہوتی
اسنے پروں میں تو یہ حال ہوا موسیٰ کا
کاش پابندِ حجابات نہ ہوتا انسان
شکر یہ خوفِ خدا کا ہو کہانتک نشتر

۱۳

۱۵

یہ نہ ہوتا تو مرا کون نگہبیاں ہوتا
جب تک کھلی دلی سب ایک ہی جلو اٹھا
تصویرِ فایں تھا۔ وہ ظلم کا پتلا تھا
کیا دید کے قابل کل۔ محفل میں تماشا تھا
کل کو چہ قاتل میں کیا خوب تماشا تھا
کیا جانے محبت میں انداز مرا کیا تھا
کرنا نہ محبت میں یہ ہو نہیں سکتا تھا
جب تجھ سے محبت تھی۔ کیا وہ بھی رہتا تھا
افس کہ میں تیرا کچھ کام نہ کر پایا
ساتی مجھے دیتا تھا ساغر۔ نہ لیا میں نے

بتخانے میں کعبہ تھا۔ کعبے میں کلیسا تھا
میں عشق سراپا تھا۔ وہ حسن سراپا تھا
میں شوق سراپا تھا۔ وہ ناز سراپا تھا
بہل تھے ادا کے سب زنا م قضا کا تھا
دیکھا جسے حیرت سے وہ منہ مرا نکلتا تھا
کس طرح مٹا دیتا۔ قسمت میں جو لکھا تھا
تو محو تجلی تھا۔ میں محو تماشا تھا
جب تک رہا دنیا میں۔ دلدادہ دنیا تھا
اب سوچتا ہوں مجھ کو انکار نہ کرنا تھا

ہر ذرہ خاکِ دل۔ اک حُسن کی دنیا تھا
 اک بھی تھے دن اپنے اک بھی زمانہ تھا
 دراصل قصور اپنا اظہار تھا
 دریا مجھے قطرہ تھا۔ قطرہ مجھے دریا تھا
 جب میں تھی دنیا تھا۔ اور تو مری دنیا تھا
 حیرت سے مرا نکلا۔ اک اور تماشا تھا
 صحرا مجھے گلشن تھا۔ گلشن مجھے صحرا تھا
 اک درد کی دنیا تھا۔ اک کرب کی دنیا تھا

جلووں سے تھا جب معمور دل عاشق
 اک ہاتھ میں غرتھا۔ اک ہاتھ میں تل تھی
 ناکام نہ ہم ہوتے اُلفت میں کیا ہوتے
 ہر رنگ سے تھا ذوقِ نظارہ مجھے حاصل
 ایمان سے کہہ تو ہی کیا لطف کسکتی تھی
 محفل میں جہاں کی کچھ اور تاشے تھے
 تھے شادی و غم یکساں تخصیص نہ تھی کوئی
 قسمت سے ملے مجھ کو دل اور جگر ایسے

اکبار نہیں نشر سو پار کا قصہ ہے

۱۵

محفل سے جب اٹھا ہوں لٹٹیا جاتا تھا

۱۴

ہلکے سے ایک زخم کو ناسور کر دیا
 جو جس کے دل میں آیا وہ شہو کر دیا
 سارے جہاں کو جلوہ گہ طور کر دیا
 جو وقت جو انہیں ہوا منظور کر دیا
 اُس کے قریب لاکے ہیں دور کر دیا
 ساقی کی اک نگاہ نے مجبور کر دیا
 منزل سے میری اور مجھے دور کر دیا

غم نے یہ عالم دل رنجور کر دیا
 تم نے جو اپنی حُسن کو مستور کر دیا
 جب اُس نے اپنے جلووں معمور کر دیا
 دل سے کبھی قریب کبھی دور کر دیا
 ہم کو ہمارے زہد نے مغرور کر دیا
 وہ سب محاذ و پاس نہ جانے کہاں گیا
 وہم و فرب منزل مقصد نے بارہا

توبہ کے ٹوٹنے میں سنا تھا کہ لطف ہے
 بیٹھے بٹھائے لیلیا رخصت کا نام کیوں
 لبریز تھا امید سے ایسا سُل مرا
 کارِ ثواب میرے گناہوں کا دیکھئے
 ایدل وہ مجھ سے ویں ہی تھو فہرت بدگماں
 سب فوج و شوق دید مرا سر ہو گیا
 اے چشمِ مست باقی ہستنا نہ مرجا

نثر ہم اور جذبہ شہرت غلط غلط
 گستاخیوں کے شوق نے مشہور کر دیا

۱۵

۱۵

میر بھی عشق کیا مرے پروردگار تھا
 اک سمت زندگی میں عم رو رہا تھا
 اب کیا کہوں جو حال شب انتظار تھا
 الزام یہ غلط ہے کہ میں بادہ خواہ تھا
 باغِ جہاں میں پہنے گزاری کچھ سطح
 اس دن کی محبت بھی نصیب نہ دے مری
 تو کلفشاں نسیم تھی جس قبر پر ابھی
 لذت مجھے خدا کی قسم ہجر میں بھی تھی

مجھ کو تمام عمر غم انتظار تھا
 اور اک طرف یہ جسم یہ منت غبار تھا
 دل کو قرار تھا نہ جگر کو قرار تھا
 پی لی تھی جو ازل میں بیکا خار تھا
 تھی ہیبتِ خزاں خیالِ بہا تھا
 تم میرے سامنے تھے مجھے انتظار تھا
 اُس کے قریب ہی تو ہمارا مزار تھا
 بیزار زندگی سے بظاہر ہزار تھا

ناحق تلاشِ یار میں کی زندگی خراب
 تھا دونوں پہلوؤں میں شبِ ہجر درد کیوں
 اے عشق اب بہا میں نگِ خزاں سے کیوں
 اب بڑے ہو ہیں زمیں میں بے ہوئے
 مجھ کو تو یہ خوشی ہے کہ مرنے کے وقت بھی
 تو نے جدہ نہ بھول کے محفل میں کی نظر
 افسوس زندگی میں نہ معلوم ہو سکا
 میری طرف نگاہ نہ محفل میں تنہا کی
 نیزنگیاں وہ یاد ہیں یام وصل کی
 ممکن نہ تھا کہ عشق میں موتانہ کامیاب
 سو مرتبہ یہ عشق میں مجھ پر گذر گئی
 ہکو تو ہر خوشی سے ہمکنار کی رنج کی
 ہوتا ہیں چین سے بچھڑنے کا رنج کیوں
 ہر ہر قدم پہ یاسِ محبت میں تھی مگر
 پھر کیا ہوا خبر نصیبِ بعدِ دواعِ دوست
 سمجھا جسے نشاط وہ تہمد رنج تھی
 ان کسلندیوں پہ نہ جائے کوئی مری

دیکھا تو اپنے ہاتھ میں مانِ یار تھا
 کیا دونوں پہلوؤں میں دلِ بیکار تھا
 پہلے خزاں میں کیوں مجھ کو لطفِ بہا تھا
 احساں بھی جنگی خاطر نازک پہا تھا
 میری زبان پہ نامِ ترا بار بار تھا
 اُس سمت بھی کوئی ترا امیدوار تھا
 جو نقشِ تھا جہان میں ناپائدار تھا
 میں بھی تو اک نگاہ کا امیدوار تھا
 میں بیکار تھا مرے دل کو قرار تھا
 پہلوئے شوق میں دلِ امیدوار تھا
 کہ نا پڑا وہ ہی جو مجھے ناگوار تھا
 جس پھول پر نظر پڑی ہم رنگِ خار تھا
 پہلو میں دل بھی ایک طرح کی بہار تھا
 کیا کیا اُننگ پر دلِ امیدوار تھا
 میں شکارِ ادھر وہ ادھر اُتکار تھا
 سمجھا جسے بہارِ فریبِ بہار تھا
 دنیا کبھی شربِ تھی میں بادِ خواہا تھا

نشر خوشی سے چھوڑ کے دنیا کو چل دیا

۲۷

۱۶

صدہ ہوا انھیں کو جنھیں اس سے پیار تھا

اس سے جب آگے بڑھائیں تھا خدا پاک تھا
بیچ اگر پوچھو تو لطیف عاشقی کیا خاک تھا
وہ ادھر آئے ادھر عاشق کا قصہ پاک تھا
دیکھتے ہی دیکھتے جل بھن کے ظالم خاک تھا
آرزو میں تھیں کہ ابدِ خوش خاشاک تھا
دوُن کی لیتا تھا گو صرف ایک مشت خاک تھا
خاک میں ملنے سے پہلے بھی یہ ناس خاک تھا
جب تک آئیں آئیں وہ عاشق سپرد خاک تھا
آنکھ اٹھی جس طرف اپنی فدا ہو پاک تھا
کوئی جوت تھی یہاں نہ خدائے پاک تھا

دور تھا خالق سے جب تک بستہ اور اک تھا
سو زلفت سے جگر صد بارہ، دل صد جاگ تھا
کس غضب کا تھا سماں کیا وقت حسرتِ ناک تھا
ادعائے عشق پروانے سے کیا کرتا کوئی
زفتہ رفتہ میں نے ان سے صاف دل کو کر لیا
کچھ مجھے آتا تھا رونا کچھ مہی انسان پر
کیوں کسی کی موت پر آخر یہ شیون یہ بکا
کب گوارا تھا کہ دستِ حُسن گرد آلود ہو
ہم سمجھا ہم نے جہنم سے باطنِ دہر کو
غم ملا تو خوش ہے، خویا ملیں خوش ہے

کل عجب انداز سے جاتے تھے نشرِ شام کو

۱۲

۱۷

آئینِ نکلی ہوئی تھی اور گریباں چاک تھا

سو بھی نہ اور کچھ تو میں یہ چال چل گیا
ذکرِ بہار کر لیا اور دل بہل گیا
ہاں نام آگیا تو کبھی ذکرِ چل گیا

میش کے وقت غصہ محشر سے ٹل گیا
نچ قفس میں یوں بھی مرا کام چل گیا
مرنے کے بعد کون کسے پوچھا ہے پھر

کچھ کہہ ہاتھ کچھ سر منہ سے نکل گیا
 آئین انقلاب ہی شاید بدل گیا
 محفل سے کون بے سہرا نکل گیا
 یعنی وہ اندر آئے میں باہر نکل گیا
 تھا دلوں کو کچھ سکون مگر پھر مچل گیا
 تم کیا بدل گئے کہ زمانہ بدل گیا
 وقت آچکا تھا خیر یہ گزری کٹل گیا
 ہم جس ڈگر پہ چلنے لگے کام چل گیا
 منزل کی دُھن میں جو تھا اُلو نکل گیا
 زنداں سے جو نکل گیا اچھا نکل گیا
 گلشن سے دل پھر لے لے نکل گیا
 پیچھے کبھی رہا کبھی آگے نکل گیا
 مرنا سنا کسی کا مراد م نکل گیا
 آیا بکام زیت، بکام اجل گیا
 پروانہ سوز غم سے سر سبز جل گیا
 دو آنوؤں سے خیر میں سب کام چل گیا
 دامنِ فوکیا تو گریبان نکل گیا

میرا کہا سنا نظر انداز کیجئے
 آتے ہیں انقلاب تو ہوتا نہیں اثر
 کیوں فی سونی سی نظر آتی ہی نرم آج
 آئے وہ میر دلیں تو جاتے ہے عوس
 کیا چلتے چلتے اُسے خدا جانے کہدیا
 برہم نظر ہے سب کی زمیں ہو کہ آسما
 بوجھے نہ کوئی ہم سے شبِ غم کی واردا
 شمع سے دوستی نہ کلیا سے دشمنی
 تقدیر کو رساکوں یا نارساکوں
 رہنے کی یہ جگہ نہیں دُنیا حقیقتاً
 یوں ہی گزار دی غمِ فرقتیں زندگی
 منزل نہ آئی عمر میں پیش میں کٹی
 ہمدردیوں کا حال مری تھا یہ عمر بھر
 انسان کی یہ آمد و شب بھی عجیب ہے
 انسان ہو کے جھیل رہا ہے تپِ فراق
 اتنی سی بات کے لیے اتنا ملال تھا
 اسالِ پناہ جو ش جنوں میں حال تھا

مانا کہ ہوش میں نہ رہے حضرت کلیم
ارمان دید یار تو شکر بکھل گیا

کیا پھر قریب آگیا موسم بہار کا
فصل خزاں میں لطف نہیں ہے بہار کا
حافظ ہے اب خدا دل بے اختیار کا
سینے میں دل ضرور ہے اک بادِ خوار کا
میری خزاں میں رنگ ہے فصل بہار کا
پہلو انہیں سے کوئی ملیگا تار کا
پہلا سبق نہیں یہ مرے انتظار کا
اب ہم کہاں کہاں وہ ماسا بہار کا
ہر شلخ گارہی ہے ترانہ بہار کا
خرمن جلادیا مرے صبر قرار کا
سب رنگ لیچلا ہے چمن سے بہار کا
ہوتا تھا پیشتر یہ زمانہ قرار کا
قائم ہے جو رنگ چمن میں بہار کا
اتیک نشان پائوئیں ہے نوک خار کا
اک عکس ہے وہ میرے دل داغدار کا

کچھ رنگ اور ہی ہے دل بیتار کا
انداز کیا بتائیں غم روزگار کا
کوسوں پہ نہیں ہے شکیب قرار کا
میں بادِ خوار حضرت و عطا بھی کہاں
ہے نامردیوں میں جو امید کی جھلک
ہونگی سکوں مال ہی بمقار یاں
کیوں نظارہ و قیامت میں ڈروں
مدت ہوئی نفس سے ہیں نکھیں لڑی ہوئی
بیٹھا ہوں بجلیوں کے تڑپنے کا منتظر
لے برقِ حُسن یار کیا ستم کیا
سیا کچھ خبر بھی تجھے ہے ترا اسیر
ابو بہار آتے ہی بڑھتا ہر در و دل
سیا و جھکو شوق سے لیچل چمن کے دور
صحرا نور دیوں کو زمانہ گذر گیا
جس بارغ پر ہے ناز تجھے باغِ بہت

بچ و خوشی میں دیکے ہیں لطف ایک سا
 نئے جو ہر صنف تو نالوں کا لطف تھا
 اہل قفس یہ کون کرتا ہے بجلیاں
 فصل خزاں میں جو تجھے رکھا، شاد شاد
 و اماں دُستین کے رفو ہو سکے نہ چاک
 امید تھی سویا س سے وہ بھی بدل گئی
 دکھا تھا پاؤں بزم میں نشر کہ لٹ گیا
 آیا تھا دل میں لیکے خزانہ ہزار کا

۲۳

۱۹

اسے کب حقیقت کا عرفان ہوگا
 وفا کی اگر، دل پریشان ہوگا
 اگر حشر میں دل پریشان ہوگا
 اگر دل میں تیسرا نہ ارمان ہوگا
 ہے لازم توازن و فاد جہاں میں
 اگر کفر ہے عشق کیشی ہماری
 وفا وجہ احسان نہ اب ہو سیکلی
 قناعت نہ دلیں سما کی جب تک
 نہیں کھیل دنیا میں انسان ہونا
 نہ جانے کب انسان انسان ہوگا
 جنہاں کئے جاؤ احسان ہوگا
 مرے ہاتھ محشر کا میدان ہوگا
 یہ انسان ہرگز نہ انسان ہوگا
 حساب انکا اک روز نادان ہوگا
 تو یہ کفر دنیا کا ایمان ہوگا
 جفا کیجے گا تو احسان ہوگا
 یہ ارمان ہوگا وہ ارمان ہوگا
 کوئی ایک لاکھوں میں انسان ہوگا

قدم ضبط کے دلیس جس روزائے
 پڑیگا برا وقت محشر میں ہم پر
 خیر اس کو مرنے کی میرے نہ دینا
 وہیں تک تو دردِ محبت بڑھیکا
 وہ میری گزارش کر آپ مینگے پھر
 یوں ہی ہوتا آیا ہے روزِ ازل سے
 جہاں بچے اونچے محل دیکھتے ہو
 کہاں تک کئے جائیں ارمانِ ظالم
 کبھی بھی دن ہوگا آدمی و حشرِ دل
 جو ترکِ محبت کا حامی ہوتا صح
 جھکے گا تری یاد میں نفسِ سرکش
 کوئی دم کا ہماں ہے بیمارِ الفت
 محبت کو کتنا ہی کوئی چھپائے

جسے کفر دنیا سمجھتی ہے نشر

۲۳

۲۰

یہی ساری دنیا کا ایمان ہوگا

تمکیل و قامت کو ایدل نہ سمجھا
 آسان نہ ہو دل کو جسے "دل نہ سمجھا"

منزل یہ نہیں ہے اسے منزل نہ سمجھا
 اس آدمی کو عشق کے قابل نہ سمجھا

عاشق کیلئے عشق میں فرض ہے پہلا
منزل سو کبھی خود ہی میں ٹ جانا ہوا اپنی
جلنا ہے مسل ابدی سود ہے میرا
دیوانہ منزل جو نہ منزل کے لئے ہو
عاشق کے لئے عجز کی معراج ہی ہے
ہر حویج کا تارہ مہ کامل نہیں ہوتا
اک روز یہ پہنچا سگی منزل یہ یقینی
کیا جانے کہا دہو ٹہرتے پھرتے میں کیا کیا
لا سگی تھیں کھینچ کے کٹنا ہی کچھو تم
دہو کے میں منزل مقصد میں بہاروں
تھے رستے میں اس لئے ٹھہر اہوں میں

ہو کتنی ہی شکل اُسے شکل نہ سمجھنا
اس کو مری مگر ابھی منزل نہ سمجھنا
انسان ہوں پر دانہ محفل نہ سمجھنا
زہنا را سے طالب منزل نہ سمجھنا
اپنے کو کبھی آپ کے قابل نہ سمجھنا
ہر آدمی کو رہبر کامل نہ سمجھنا
بیکار مری حسرت منزل نہ سمجھنا
عشاق کو آوارہ منزل نہ سمجھنا
تائیر سے خالی کشش دل نہ سمجھنا
ہر گرد کو گردِ رہ منزل نہ سمجھنا
دیر اور حیرم کو مری منزل نہ سمجھنا

عشق ان سے کیا ہے تو کرو شوق سے نشر

۱۲

دل کو مگر اب اپنے کبھی دل نہ سمجھنا

۲۱

جب علم نہ تھا مجھ کو تیر میں کیا تھا
اک جذبہ فطری تھی مری قیدِ نفس بھی
اُن میری محبت کا یہ انجام صدافوس
کیا رگی وہ دیکھ کے بھرنے لگے آہیں

پھر زور مری کوشش تدبیر میں کیا تھا
میتا دمرے پاؤں کی زنجیر میں کیا تھا
تھا خواب میں کیا خواب کی تعبیر میں کیا تھا
یہ رنگ مے عالمِ تصویر میں کیا تھا

ہم نے تو محبت کسی اُمید پہ کی تھی
قاتل ترے ہاتھوں کی صفائی پہ مر ہوا
وہ آئے تو پھر آگئی قالب میں نہی جان
اس پیکر خاکی میں اگر جان نہ ہوتی
سب بھول گئیں تو بے مے کی بہن باتیں
کیوں آج مرا حال محبت میں یہ ہوتا
انجام محبت کا گلہ کس سے کروں میں
طرز سخن میر پہ سب لوٹ ہیں نثر

وابستہ صیاد تھا دراصل میں نثر
بس نام کی زنجیر تھی زنجیر میں کیا تھا

۲۲

۱۳

خواہش صل پہ ہوں میں پٹیاں کیا کیا
داغ کیا کیا مرے پہلو میں ہیں اماں کیا کیا
ہیں نگاہیں مری کچھ روئے جہراں کیا کیا
رنگ لایا ہے بہاروں میں گلستاں کیا کیا
اہل بیداد جو یہ آج نظر آتے ہیں
ہم گلستاں میں اسیری کے وہ دن بھول گئے
تیری رنگینوں اور اپنی ادا سی پہ نثار

تھی کس کو خبر رد و تفرید میں کیا تھا
یوں تو وہی شمشیر تھی شمشیر میں کیا تھا
سب جانتے ہیں عاشق و لکیر میں کیا تھا
تصویر ہی تصویر تھی تصویر میں کیا تھا
کیا جانئے ساتی تری تقریر میں کیا تھا
لے کاش خبر ہوتی کہ تقدیر میں کیا تھا
کیا سوچا تھا اور مری تقدیر میں کیا تھا
کھٹا نہیں طرز سخن میر میں کیا تھا

وابستہ صیاد تھا دراصل میں نثر
بس نام کی زنجیر تھی زنجیر میں کیا تھا

لطف دیتا تھا الہی عنہم جاناں کیا کیا
لیکے نکلا ہوں تری بزم ہوساں کیا کیا
رد و دل سے نہ جانے ہے نمایاں کیا کیا
بلبلیں باغ میں ہوں غرغرواں کیا کیا
دیکھا حشر میں کل ہونے پشماں کیا کیا
یاد آتا تھا اسیری میں گلستاں کیا کیا
عشق میں کچھ لئے باغ و بیاباں کیا کیا

اپنے ہاتھوں سے ہوئے چاک گیاں کیا کیا
دکھو بھی دیکھ کبھی اسیں ہے پنہاں کیا کیا
ورنہ ترغیب یا کرتے ہیں ارماں کیا کیا
دہر میں تیری ترقی کے ہیں میڈاں کیا کیا
سامنے رہتے تھے میرے سر ساماں کیا کیا
غنجہ و گل سے مرتب تھا گلستاں کیا کیا
لے آیا تھا تری بزم میں ارماں کیا کیا
ابر شاداب فضاؤں پہ ہیں قصاں کیا کیا
جمع ہوں مل جنوں بے سر ساماں کیا کیا

یاد میں کچھلی بہاروں کے وہ انداز جنوں
مارا پھرتا ہے زمانے میں کیوں اے انسان
میں ہی ایسا ہوں کہ جزا نہیں کہتا کوئی
اے بشر ہے تری کوتاہی ہمت - ورنہ
ہائے وہ دن کہ محبت تھی کسی سے جھکو
کیسے پر کیف زمانے میں چٹھام سے چمن
ایک ارمان بھی کجبت نہ نکلا دل سے
رسم تو بہ شکنی آج ادا ہو جائے
آستینوں کا پتہ ہے نہ گریباؤں کا

عمر بھر دل سے نکلتے ہیں مگر اے نشر
پھر بھی رہ جاتے ہیں انسان کے ارماں کیا کیا

۱۷

۲۳

پھر بھی یا یوں کجبت مراد دل نہ ہوا
لاکھ چاہا اسے ہوئے مگر دل نہ ہوا
تجھ سے اتنا بھی کیدن کشش دل نہ ہوا
میرا دل ہو کے محبت میں مراد دل نہ ہوا
کوئی اس آہ میں آسودہ منزل نہ ہوا
اک مذاق آپ کے نزدیک ہوا دل نہ ہوا

کون سا آپکا وعدہ تھا جو باطل نہ ہوا
بعد کوشش بھی تو دل آپ کے قابل نہ ہوا
کھینچ لاتی انھیں بالیق مرض غم کی
میری مرضی کے خلاف اسکی رہی برقرار
دل نا اہم قدم عشق کی منزل میں رکھ
رات دن لکھتے ہو رہو گویا ہا بھی ہے

منزل عشق بھی دراصل عجب منزل ہے
بے نیازی سے تری عشق و محبت کا مزہ
پاس منزل کے پہنچ کر یہ پلٹنا میرا
خوف کیا بحر محبت سے کہ پیر اک ہیں ہم
تھا وہ ہی آپ کے دیدار کا سچا حقدار
مجھ سا غم دست زانے میں ہو گا کوئی
قابلِ فخر مے دلی یہ بات رہی
ہوئیاری ہے محبت میں لیلِ غفلت

بعد مرنے کے فکر کسی کی نشتر
کوئی جو سندھ خاکِ شتر محض نہ ہوا

۱۵

۲۴

یہ رات دن غم انتظار کیا ہو گا
شبِ فراق کی تنہائیاں - معاذ اللہ
شمار سے کہیں باہر گناہ ہیں میرے
ابھی سے فکر جنوں میں حال ہے اپنا
یہی جو روزِ فزونِ بقاریاں ہیں تری
سبب کو ڈھونڈ رہاں - یہی عالمِ باب
جسے تلاش تھی زندگی میں شہرت کی
ہے اگر یہ ہی لیل و نہار کیا ہو گا
یہاں یہ حال ہے زیرِ مزار کیا ہو گا
یہ ڈر رہا ہوں کہ روزِ شمار کیا ہو گا
چمن میں آئیگی جس دن بہار کیا ہو گا
تو آگے چلے دل بے قیادت کیا ہو گا
جو اضطراب نہ ہو گا فساد کیا ہو گا
پس فنا سے سنگِ مزار کیا ہو گا

یہ تو بہ اور یہ ابر بہار کیا ہوگا
تھاری طرح کوئی پردہ دار کیا ہوگا
جوشہ یہ ہے تو اسکا خا کیا ہوگا
رہا یونہی جو ترا انتظار کیا ہوگا
جو تیر ہی نہ لگے گا تو پار کیا ہوگا
کہ یوں بھی یہ مرانت غبار کیا ہوگا
سمجھ لیا ہے مجھے اعتبار کیا ہوگا
یہ بقرار ازل جو قرار کیا ہوگا

خدا کے ہاتھ ہے اب بچھیں کی بات ہے
ہزار پروین عاشق سو چھپ کے بیٹھے ہو
عجب شراب جوانی ہے آدمی کے لئے
شب فراق بنا تو سہی ہمیں ظالم
وہ خاک عشق کرے جسکے دلیں درہنیں
کسی کے کام ہی آجائے تو غنیمت ہے
وہ جھوٹو وعدہ بھی کرتے نہیں میں کچھ دین
کئی دل مرے ہاتھ رکھکے یوں کہنا

نہیں وہ غیرت ابر بہار جب نشتر
تو پھر یہ جام مے خوشگوار کیا ہوگا

۱۶

۲۵

رہبر کوئی تقلید کے قابل نہیں ملتا
سب چھان لی خاکستر محفل نہیں ملتا
جب ہاتھ سے جانتے تو پھر دل نہیں ملتا
کوئی انھیں بیداد کے قابل نہیں ملتا
بیچارہ وہ پروانہ محفل نہیں ملتا
پھر آج مزاج مہ کامل نہیں ملتا
ملتی ہے جہاں آنکھ وہاں دل نہیں ملتا

افسوس سراغ رہ منزل نہیں ملتا
کیوں اے نگہ دوست کہیں دل نہیں ملتا
بے حد نہ ستا و اسے مانو مرا کہنا
بیدار مجھی پر نہ کریں وہ تو کریں کیا
اے شمع بتا تو ہی اگر تجھ کو خبر ہو
دید ہی ہے رخ یار سے تشبیہ جو اس کو
اس لفت ناقص سے بھی اللہ بچائے

دیکھ تو کوئی دھتیں میں بزمِ جہاکی
ہم آنکھ ملانے کو ترستے رہے پہلے
کیوں روزِ ازل لیکے دل آفت میں سے ہم
منظور تماشا ہے تو دریا میں اتر جا
آغاز میں دریاے محبت نہیں کچھ بھی
اپنا تو ہے یہ قول کوئی کچھ بھی کہے جائے
ہو فرق دلوں میں تو کبھی دل نہیں ملے
پورا نہیں ہوتا کبھی اربابِ شہادت
منزل کے نہ ملنے میں تصور اسکا نہیں ہے
جب دل سے کوئی راہی منزل نہیں ہوتا
پروانہ محفل کے سوا اور کسی کو
کیوں سائے نہ ملنے کے ستم میں کے دل پر

ڈھونڈا ہی کرو صاحبِ محفل نہیں ملتا
آنکھ اُن سے ملائی ہے تو ابُل نہیں ملتا
سننے ہیں کہ بے مانگے وہاں دل نہیں ملتا
دریا کا تلاطم لبِ ساحل نہیں ملتا
کچھ روز میں کجخت کا ساحل نہیں ملتا
منا نہیں کچھ عشق میں جبُل نہیں ملتا
ساحل سے کبھی دوسرا ساحل نہیں ملتا
جب تک کہ گلے خنجرِ قاتل نہیں ملتا
منزل کو کوئی طالبِ منزل نہیں ملتا
منزل کا پتہ سینکڑوں منزل نہیں ملتا
کیوں عالمِ خاکِ سترِ محفل نہیں ملتا
کیا اور ستارے کو تھیں دل نہیں ملتا

مرضی نہیں ہوتی ہے اگر اسکی تو نشر
دو ہاتھ قریب آ کے بھی ساحل نہیں ملتا

۲۰

۲۶

ہو کسی کی آنکھ کا آنسو مے دہن میں تھا
ایک پتہ بھی ہر پہلے کہیں گلشن میں تھا
تار کوئی ایک بھی باقی مے دہن میں تھا

یہ طریقہ تھا مگر جب تک میں اس گلشن میں تھا
پتی پتی پر ترا احساں ہے اے ابر بہار
چاہے جس سے پوچھ لو جب شمعِ حشر تھا مجھ

قید میں بھی تھا یونہی جس طرح میں گلشن میں تھا
یوں بھی آخر تفرقہ ہر وقت روح و تن میں تھا
پھول جو کل شاخ پر تھا آج وہ دہن میں تھا
اب نہیں تو کیا ہوا۔ میں بھی کبھی ہرن میں تھا
چاک دہن میں کیے تھے اے دہن میں تھا
چار دن نڈاں میں تھا میں چار دن گلشن میں تھا
سارا راز عاشقی یہاں اسی چوٹ میں تھا
دیکھنے والا بھی تو یہی وادی امین میں تھا
بند کر لی آنکھ جب میں نے بھر گلشن میں تھا
نقص جو کچھ تھامری کو تاہی دہن میں تھا
چاک اکدن ایشیں میں ایک دن دہن میں تھا

یاد ہے مجھ کو جمن سے وہ بچھڑنے کا سماں

۱۵

ایک شام سا نشر ہر طرف گلشن میں تھا

مگر جو دل سے نہ ڈھونڈتو ہاں نہیں ملتا
بڑی تلاش سے بھی باغیاں نہیں ملتا
کیسکو چین تہ آسماں نہیں ملتا
مگر وہ مالک ہر دو جہاں نہیں ملتا

منظر گلشن تصور میں تھا ہر دم سامنے
جان نہ دیتا نہ گرا عاشق تو کیا گرتا غریب
ہمتو یونہی دیکھتے آئے ہیں گلشن کا رنگ
رنگ کیا اپنا دکھاتے ہیں جو انان چمن
میں بے یوں قائم کیا تھا رشتہ انانیت
مل سکا لطیف اسیری کچھ نہ کچھ لطیف چمن
ہائے وہ آغاز الفت ہائے وہ پہلی نظر
حضرت مہدی تو اک پڑہ تھے ذوق دید کا
میری آزادی میں مل کب ہوئی قیدیں
تیری بخشش کی تو کوئی حد تھی مگر کریم
اب کے فصل گل میں تھا جو شبنم گل پر

۲۷

کہاں وہ شوخ نہیں ہے کہاں نہیں ملتا
عجب حال ہے اس گلستانِ عالم کا
تہ زمیں کی خدا کو خبر ہے۔ وہ جانے
لگا رہا ہوں میں دونوں جہان کے چکر

مرزہ جو ضبطِ محبت میں ہے کسی میں نہیں
مجھے یہ رنج کہ سنتے نہیں کبھی وہ مری
بڑے جو ہوتے ہیں ملتے نہیں چھوٹوں سے
نشاطِ دہر کے دہو کے انھیں کو ہوتے ہیں
کوئی جو بھاگ کے جائے بھی تو کہاں جائے
تلاش اسکی ہے ایدل تو ڈھونڈھ اپنی میں
کسی کی موت پر روتی ہے کائنات تمام
ترے چمن کی بہارِ بق چاروں کی ہیں
فضول اس کے نہ ملنے کا ہے گلہ سب کو
ہو دل شگفتہ تو ایسا نہیں مقام کوئی
زمین والوں کو کج بخت کھائے جانا ہے
مرزہ یہ ہے وہیں شے کو چاہتا ہے دل

جو آدمی بھی ہے نشتر تو آدمی وہ نہیں

۲۸

۱۴

جسے سرورِ غم جاوداں نہیں ملتا

پاس ہی میر سہی لیکن ضرور اتنا تو تھا
تھا قصور امکان میں میر ضرور اتنا تو تھا
جرم تھے احساسِ رحمت پر قصور اتنا تو تھا
اور تھا کچھ یا نہ تھا مجھکو شعور اتنا تو تھا

یہ ہے ضرور کہ لطفِ فغاں نہیں ملتا
انھیں یہ غم کہ کوئی بے زباں نہیں ملتا
زمین سے جھک کے کبھی سماں نہیں ملتا
جنھیں تھا راعنم جاوداں نہیں ملتا
زمین کہاں ہے جہاں آسماں نہیں ملتا
وہاں تلاش ہے ناحق جہاں نہیں ملتا
کسی کو بعدِ فنا نوحہ خواں نہیں ملتا
مگر مزاج ترابا غباں نہیں ملتا
تلاش اسکی وہاں جو جہاں نہیں ملتا
قدم قدم پہ جہاں گستاں نہیں ملتا
اس آسماں کو کوئی آسماں نہیں ملتا
جہاں غبارِ پس کارواں نہیں ملتا

جسے سرورِ غم جاوداں نہیں ملتا

پاس ہی میر سہی لیکن ضرور اتنا تو تھا
تھا قصور امکان میں میر ضرور اتنا تو تھا
جرم تھے احساسِ رحمت پر قصور اتنا تو تھا
اور تھا کچھ یا نہ تھا مجھکو شعور اتنا تو تھا

میں نے یہ مانا کہ تھا وہ میرے دلیں جلوہ گر
 جب زیادہ ہو گئے ہیں ظلم - فرمایا ہے رحم
 منحرف بادہ کشی سے عمر بھر واعظ رہا
 زندہ رہ کر عشق میں جلنا ہے تہذیب و فا
 ہو گئی دنیا پہ کس زوری نگاہوں کی عیاں
 میں نے مانا کچھ نہ تھا بادہ کشی میں واعظ
 اور اگر کوئی نہ تھی میرا خطا میرا قصور
 کیوں نہ ہوتا مستحق رحمت پروردگار
 وادی امین میں آنا ہی پڑا آخر تجھے
 اپنے دل پر وادی امین کا رہتا تھا یقین
 سب مجھے بھولے ہو تھے رنج و آلام جہاں
 کاش تو تھوڑی سی توفیق اور دیدیتا مجھے
 ہکو تیری بات ہی رکھنی تھی کوہ طور پر
 تھا کرم اُسکا نہ آئی آج مجھ پرور نہ آج
 منظر تھا میں ترا بیشک یہ تھا میرا قصور

خیر مانا میں نے نشر کچھ نہ تھا میرا قصور
 میں قصور اُسکا سمجھتا تھا - قصور اتنا تو تھا

مجھ کو پابندِ سوز و ساز کیا
کیوں نہ تم نے کہا نہ کچھ ہم نے
مُفت حیرانِ امتیاز کیا
بیخودی ہم تجھے نہ بھولیں گے
کیوں مجھے مائلِ مجاز کیا
موت و عشق ایک تھے دونوں
ہم نے کیوں نہیں امتیاز کیا
جب دنیا کا حال تھا یارب
کیوں دُنیا سے بے نیاز کیا
موت بھی محتر زہی اُس سے
جس نے جینے سے احتراز کیا
فاسق میرا نہ کوئی راز ہوا
میں نے جب تک فاسقِ ازار کیا
عشق میں بیخودی کا قایل ہوں
جینے مرنے سے بے نیاز کیا
اک اکرک ہوئی ضرور ہمیں
جب کبھی عاشقی پہ ناز کیا
ہو مبارک و فاکے بندوں کو
حُسن نے عاشقی پہ ناز کیا
آدمی آدمی نہیں جس نے
مرنے جینے میں امتیاز کیا
جب چھپانے کی میں کوشش کی
فاسق آنکھوں نے میرا راز کیا
جب کی اُس نے تازہ کی بیداد
ہم نے قسمت پر اپنی ناز کیا

مہرِ محشر نے آخر اسے
میری تردا منی سے ساز کیا

ہوا ہوں بتیاب دیکھنے کو۔ میں جب رنج بے حجاب تیرا

ہواے شوق نظر نے میری اُلٹ دیا ہے نقاب تیرا
 بلا کی حکمت۔ غضب کی قدرت۔ ستم کا یہ انتظام دُنیا
 ہوا ہے کوئی جواب تیرا۔ نہ ہوگا کوئی جواب تیرا
 رکھا ہے اے ہوش تو نے ظالم۔ نہ اس جہاں کا نہ اُس جہاں کا
 پھنسا دیا آنکھوں میں مجھ کو۔ بُرا ہو خانہ خراب تیرا
 بہت بھروسا تھا میرے دل کو تیری عنایت کا حشر کے دن
 کہاں دیا آگے تو نے دھوکا۔ بُرا ہو چشمِ رُباب تیرا
 نہ چھوڑ واعط تو و غطا اپنا۔ نہ چھوڑوں میں اپنی بادہ نوشی
 زمانہ دیکھے گا حشر کے دن۔ عذاب میرا ثواب تیرا
 نہ اسکے پھندے میں پھنس تو ایدل۔ نہ اسے ہواک گھڑی بھی مل
 نہ یہ ہوا ہے کبھی کسی کا۔ نہ ہو جہاں خراب تیرا
 جو صبح سے بقیار یوں کا تیری یہ عالم ہے قلب مضطرب
 ابھی تو دن بھر بڑا ہے ظالم۔ کر گیا کیا اضطراب تیرا؟
 نہ جانے کیا پیش آتی ایدل۔ تھا زندہ رہنا بھی تیرا مشکل
 اگر نہ بٹ جاتا برق و سیلاب میں غم و اضطراب تیرا
 کسی کی خوشیوں کی حد نہیں ہے۔ کوئی تر جا رہا ہے غم سے
 ستم بھی ہے بے پناہ تیرا۔ کرم بھی ہے بے حساب تیرا

مجھے تو رہ رہ کے رونا آتا ہے تجھ پہ واعظ قسم خدا کی
 یہ ہجومے رات دن کی تیری۔ یہ دورِ عہدِ شباب تیرا
 عجیب غم دست کر دیا ہے۔ جنائیں کر کر کے۔ دلو تو نے
 ستم میں لطیف ستم نہیں ہے۔ کرم ہے لیکن عتاب تیرا
 اُسی نے ممکن ہے لیلیا ہو۔ وہ ہی بتائے گا تجھ کو دل
 سوائے ضبطِ الم کے تھا کون۔ دشمن اضطراب تیرا
 ہماری فہم و فراست اتنی کہاں کہ سمجھیں رموز تیرے
 تمام یہ انتظامِ عالم، ہے اک مطول کتاب تیرا
 مریضِ الفت کی نفس پر وہ۔ کسی کا بیتاب ہو کے کہنا
 کہاں گیا آج مرنے والے۔ وہ عالمِ اضطراب تیرا
 محبت اور عاشقی میں نشر سکوں کو تو موت جانتا ہے
 چُھٹے گا شاید نہ تیرے ہاتھوں سے دامنِ اضطراب تیرا

۳۱

کوئی ابھی ابھی ہیں دیوانہ کر گیا
 مانا یہ ہم نے جان سے اپنی گذر گیا
 تیرنگاہِ نازِ جگر میں اُتر گیا
 پیری کی ہے نمود۔ دل بے خبر بھل
 ہم اور سکونِ قلب کی خواہش کریں۔ غلط
 یہ بھی نہ دیکھ پائے کہ ظالم کدھر گیا
 پروانہ عاشقی میں مگر نام کر گیا
 ابل بھی لاپتہ ہے نہ جانے کدھر گیا
 پانی کا بھی خیال ہے؟ سر سے گذر گیا
 انسان مر گیا ہے جان ل ٹھہر گیا

۱۵

دریا تھا اک چڑھا ہوا آخر اتر گیا
وہ بقیار یوں کا زمانہ کدھر گیا؟
آیا نہ بھول کر بھی ادھر جو ادھر گیا
افسوس ہے تو یہ کہ یقین نظر گیا
سو مرتبہ ہمیں پہ یہ قصہ گذر گیا
اس کا یہ حال ہے ادھر آیا ادھر گیا
تیسرے بھی اعتبار نسیم سحر گیا
تو میری ہی نگاہ میں تھا میں جدھر گیا
میں بھی ادھر گیا ہوں نہ مانہ جدھر گیا
مدت گذر گئی ہے زمانہ گذر گیا
وہ پاس پار سائی و توبہ کدھر گیا
اب کوئی اُن سے پوچھے کہ پردہ کدھر گیا؟
سو بار آ کے ہجر میں بے چین کر گیا

کس طرح گذرا عہد جوانی نہ پوچھے
معلوم ہو تجھے تو بتائے سکون قلب
یار ب عدم میں کونسی ایسی ہنیم بیاں
ناکامی کلیم کا افسوس کچھ نہیں
کیا واردات سن کر میں کوہ طور کی
کم ہے شباب سے بھی زمانہ بہار کا
اب تو بھی میر دوت کی لاتی نہیں خبر
اندھے ہنچ سجے نہ محیط جہاں کہیں
ہوتی نہ کیوں مانے کو مجھ سے موافقت
کج بخت بھولتے ہی نہیں واقعات عشق
ساقی کی چشم مست نے کیا سحر کر دیا
جلو میں نکلے طور ہے اور ہم ہیں سامنے
ابر سیاہ کو بھی ہے کچھ ہم سے دشمنی

اللہ جانتا ہے جو حالت ہے ہجر میں

۱۹

جب میری دعاؤں کا نشر اتر گیا

۳۲

کس کو سنار ہا تھا اور کیا سنار ہا تھا
تم محو دستاں تھے اور میں سنار ہا تھا

وا غط سے ذکر ساقی، کیا لطف آ رہا تھا
وہ وقت اور وہ عالم ہر وقت ہے نظر میں

ہے خوب یاد مجھ کو، جب تم تباہ تھے
 تم خوب وقت پر کل آئے قسم خدا کی
 کیا لطف زندگی تھا۔ کیا دن تھے زندگی کے
 بھولوں خدا کو کیونکر جب کی تھانہ حامی
 جب ہے عشق تیرا۔ کوئی نہیں ہے میرا
 وہ کاوش شب غم، بھولی نہ مجھ کو بھولے
 یوں جاوے وفا میں اک محویت تھی طاری
 کیا دیر سے غرض تھی کیا واسطہ حرم سے
 اے ضبطِ عشق تو نے کیا کر دیا یہ جادو
 نادان کوئی مجھ سا، کیا عاشقی میں گنا
 خالق پہ چھوڑنا تھا، بحرِ جہاں میں سب کچھ

ہر ذرہ اس میں کا مجھ کو ستارہ تھا
 ورنہ مریضِ غم میں باقی ہی کیا رہا تھا
 جب میں تڑپ رہا تھا۔ تو آزار رہا تھا
 اُس وقت ساتھ میرے میرا خدا رہا تھا
 ہاں ل ضرور کچھ دن دردِ آشنایا رہا تھا
 تو یاد آ رہا تھا اور میں بھلا رہا تھا
 جس سمت جا رہا تھا۔ اُس سمت جا رہا تھا
 آغاز میں طلب کے کچھ دن کو آ رہا تھا
 کس لطف سے میں بیٹھا آنسو بہا رہا تھا
 میں ظلم جانتا تھا وہ آزار رہا تھا
 میں ہاتھ پاؤں اپنے ناحق چلا رہا تھا

وہ انتشارِ فرقت، اب کیا تاؤں نشر

اک رنگ آ رہا تھا، اک رنگ جا رہا تھا

۳۳

۱۶

دھوکا کا آخر وقت پہ ظالم نے کیا دیا
 رحمت کا سبقت مجھے اپنی بنا دیا
 آنکھوں کو کسے حُسنِ دو عالم دکھایا
 جب کچھ نہ بن پڑا تو اُنھیں جان نہ پئی

بدلہ تمام عروفت کا چکا دیا
 اچھا کیا جو تو نے مذاقِ خطا دیا
 کسی نے حجابِ میری نظر سے اٹھا دیا
 چلتے چلاتے اور ثبوتِ وفادیا

نظروں سے مجھ کو شک کی صورت گرادیا
 چاروں طرف کی دھڑنے ہو کر تھکا دیا
 جب کچھ نہ بن پڑا، دل عاشق بنا دیا
 جس کے لئے تمام جہاں کو بھلا دیا
 رکھتا تھا جس کو یاد اُنسی کو بھلا دیا
 کچھ ابشار اور ہمارا بڑھا دیا
 ہمدیوں اور مرض کو بڑھا دیا
 دل کو ہارے اُدی امین بنا دیا
 تو نے اگر انھیں نہ کہیں راسخا دیا
 پہلے ہی تو نے کیونچ ذوق خطا دیا
 اُن بقیاریوں ہی نے آخر مزا دیا
 میں اٹھا دیا کہ اُنھوں نے اٹھا دیا
 محفل میں انجی رنگ ہمارا جما دیا

انسا کا یہی تھا الفت افسانہ تھیں کہو
 منزل کہاں کہ اب نہیں منزل کی فکر بھی
 مقدار غم کو دیکھ کے قدرت نے غالباً
 لی اُسے بھول کر نہ ہماری کبھی خبر
 پر اُسے تُو زیت میں ہمنے کبھی نہ کی
 دُکھ کے اُنکے کیا کہیں تسکین درکنار
 بیمار کو خدا پہ مناسب تھا چھوڑنا
 جلو و کل تیرے شکر کہاں تک ادا کریں
 آمادہ فساد ہیں اشک آج، ضبطِ غم
 اب مجھ سے باز پرس خطا کا سوال کیا
 جن بقیاریوں سے کبھی تلخ تھی جیتا
 پردہ نہیں بانگامرا، یہ خبر نہیں
 ہم بسکی کا شکر کہاں تک ادا کریں

نشر نگاہ ناز نے اُس کو بھی لے لیا

دل رہ گیا تھا ایک گرہ میں لبِ دیا

بیابانی دل تو نے مجھ کو۔ ہر طرح سے رسوا کر نہ دیا
 کجخت محبت کو میری۔ دُنیا میں تماشا کر نہ دیا

لے چارہ گرداب جاتے ہو۔ بالیں مریض غم سے کہاں
 دعوے تھا اچھا کر نیکا۔ پھر تم نے اچھا کرنے دیا؟
 اب حضرت دل بس دیکھ لیا۔ محشر ہی کا ایک بھروسہ تھا
 وہ بھی نظریں صوفیہ کا تھیں۔ کرنا تھا تو دعوے کرنے دیا
 ہم کہتے نہ تھے ارمان وفا۔ دنیا میں نہیں ہوتا اچھا
 بربادی دل کا سب ساماں ظالم نے ہٹا کر نہ دیا
 ہم نے نہ کہا تھا دیکھ اسے دل۔ انجام تمنا ٹھیک نہیں
 کر کر کے تمنا میں تو نے، بربادی تمنا کرنے دیا
 لے یاں اسی دن کی خاطر۔ دن رات میں تجھ سے ڈرتا تھا
 رفتہ رفتہ تو سنے آخر۔ بس نہ ارتمنا کرنے دیا
 ہم کہتے نہ تھے لے چارہ گرد۔ یہ درد علان پذیر نہیں
 آخر تم نے ضد سے اپنی۔ درد اور زیادہ کرنے دیا
 کتا ہی رہا میں روز ازل مجبور تمنا کرنے مجھے
 مجبور تمنا کر کے مجھے۔ بربادی تمنا کرنے دیا
 ہر روز میں تم سے کتا تھا۔ بیتاب نہ یوں ہر دم رکھو
 اپنے کو رسوا کرنے لیا۔ آخر مجھے رسوا کرنے دیا
 لے داغ جگر سینے سے تجھے۔ ہر وقت لگاے رہتے تھے

تو نے بھی شبِ فرقت لیکن، دم بھر کو اُجالا کر نہ دیا
 ہم کہتے نہ تھے اک روز یہی ہونا ہے محبت میں نشتر
 نوٹنے نہ سنی میری آخر - اپنوں کو پرایا کر نہ دیا

۳۵

۱۱

انقلابِ آسمان - جو زمیں ہوتا رہا
 اپنے رونے کا کبھی شامِ غم کیا دیں ثبوت
 درحقیقت میں اسی دھوکے میں مارا گیا
 دل ترا گھر تھا مگر تو نے نہ لی اس کی خبر
 خوب کی چارہ گردِ رات دن چارہ گری
 تیرے عاشق کی جگہ خالی پڑی ہوا جنگ
 یہ ہماری سادگی تھی ابدِ عشق میں
 ہوشِ مثل کا ہیں ہے بھی تو اتنا ہی فقط
 ہم نے جنتِ میں کی پرائے حبیبِ آیتیں
 تو شفا جس دُک کو دیکر گیا تھا چارہ گر
 سوا چھی ہے کہ اب کہتے تو ہیں مجھ کو یاد
 سوچا ہوا اب کہ دن اچھے ہی تھے عشق کے
 چکیاں آئیں آتی ہی رہیں پھر تباہ
 میری تنہا جان پر کیا کیا نہیں ہوتا رہا
 جو گرا آنسو وہ جذبِ استیں ہوتا رہا
 آپ جو کہتے ہے مجھ کو یقین ہوتا رہا
 جو چلا آیا وہی اس میں کیس ہوتا رہا
 درد تھا لیکن جہاں میں ہیں ہوتا رہا
 دُور ہر وحشی کا کوئی جان نہیں ہوتا رہا
 تجھ کو خوش سمجھا کئے تو خشکیں ہوتا رہا
 خوب شورِ آفریں صد آفریں ہوتا رہا
 جو ہوا وہ حال حبیبِ استیں ہوتا رہا
 وہ تو ظالم تیرے جانے پر وہیں ہوتا رہا
 زندگانی میں تو اتنا بھی نہیں ہوتا رہا
 جب تری ہر بات کا مجھ کو یقین ہوتا رہا
 ہونے ہو چرچا ہمارا کل کہیں ہوتا رہا

میرے اور اغیار کے سجد نہیں نشترِ فرق تھا

۳۶

۱۲

میں نے جو سجدہ کیا نقش جس میں ہوتا رہا

اب ہماری رات کیا۔ دن کیا۔ سحر کیا۔ شام کیا
جان ہی لے لیگا میری لے دل ناکام کیا
پھر نہ رات آگئی ایدل۔ پھر نہ ہوگی شام کیا؟
چار دن کی زندگی میں نام کیا۔ بدنام کیا
یہ ہوس کیسی ہے لے دل۔ یہ خیال غلام کیا
گردِ شِ نقتدیر کیسی۔ گردِ شِ آیام کیا
صبر تو چلتا ہوا اکبر کہ میرا کام کیا
موت ہی آئی مر بیضِ غم کی، آئی شام کیا
تیری بزمِ وعظ میں واعظ ہمارا کام کیا
بھول جاتے ہو یہاں سے اٹھکے میرا نام کیا
اور مجھ کو کام کیا تھا اور انھیں تھا کام کیا
ہمنے سوچا سب آگے لیں کسی کا نام کیا!
حشر تک نہ ہی رہیگا اب ہوگی شام کیا
آگیا دل میں غم جاناں اب اسکا کام کیا
مرگ بے ہنگام کیا۔ اور مرگ باہنگام کیا
جذب میخانے کا میخانہ کریگا جسام کیا

کیا سمجھتے تھے محبت کا ہوا انجاسام کیا
بیتقراری سو غرض ہے۔ صبح کیا اور شام کیا
ایک دن کی بات ہو تو شوق سے رہ بیتقرار
اے جنوں عشق بے پروائے دُنیا کر مجھے
پھنس کے دنیا میں ہے مجھ کو آرزوئے وصلِ دست
ہو اگر ہمت تو ہے ان پر بھی اپنا اختیار
اب خدا حافظ ہے میرے دل و فرقت کی رات
شام آئی تھی کہ سمیٹا محبت چل پیا
ہم کو لے چلنے پہ کیوں اصرارِ ناق ہے مجھے
بھول کر بھی پھر نہیں لیتے ہوں میری خبر
کیوں کرتا میں فائیں۔ کیوں وہ کرتے ستم
حشر میں حرفِ شکایت لب پر آکر رہ گیا
روزِ فرقت روزِ محشر سے بڑھا جاتا ہے آج
کوئی کمد تیا یہ خوشیوں سے کہ اپنی راہ لیں
موت انساں کے لئے جب ہے یقینی ایک دن
دکو ہوتی ہی نہیں سیری نگاہوں سے تری

تم کو انا ہے تو آجاتے نہیں کیوں ایک روز
ایک گئے جب عشق کے ہاتھوں تو یہ نیا کہاں
کیوں نہیں موتیں عایں سحر کی شب مستجاب
زندگی جس طرح بھی کٹ جائے نشتر ٹھیک ہے

۲۰

۳۷

چار دن کی بات ہے تکلیف کیا آرام کیا
شراب پی کے بھی مست شراب ہو سکا
کبھی خیال کہیں تھا کبھی خیال کہیں
تھکے دلو جو پر اضطراب کر دیتا
کسی کو خانہ خرابی کا رنج ہے اپنی
جو بے حساب گناہوں کا مرکب تھا میں
ہزار حسن کا پتلہ ہوا مستجاب۔ مگر
ہے اصل میں ہی خانہ خراب نیا میں
ہزار رنگ سے دنیا پہ ہو گیا ظاہر
وہ عقل کیا جسے پینے سے اعتبار ہا
کس رزوکو میں کھوں کے فنا کردوں
جلوں میں کروں کیا تمہاری محض میں
نہ اپنی جان سے اسکے لئے دل مضطر

رہن منت کیف شباب ہونہ سکا
شب فراق غرض محو خواب ہونہ سکا
وہ اضطراب مرا اضطراب ہونہ سکا
کیکو غم کہ میں خانہ خراب ہونہ سکا
تو حشر میں کوئی انکاحاب ہونہ سکا
تھکے حسن کا ابتک جال ہونہ سکا
جو تیری راہ میں خانہ خراب ہونہ سکا
جمال یار اسیر حجاب ہونہ سکا
وہ ہوش کیا جو نثار شراب ہونہ سکا
تمام عمر کیا انتخاب ہونہ سکا
تنگے ہو گئے میں بار یاب ہونہ سکا
کبھی کیا جہان خراب ہونہ سکا

تمام مٹ گئے آ کے انقلاب یہاں
وفا بھی کر کے کوئی روز دیکھ لے ظالم
نہ جانے کس شب غم میں نے حکمتیں کیا کیا
ہماری خواہش عصیان ایک دن غالب
جوابِ خشک دینا تھا تجھ کو محشر میں
ہماری نچی نگاہوں نے لیلیا میدان
تھکے دلیں کوئی انقلاب ہو نہ سکا
تراستم تو وفا کا جواب ہو نہ سکا
کسی طرح بھی تو کم اضطراب ہو نہ سکا
خدا کا شکر ہے، خوفِ عذاب ہو نہ سکا
ذرا سا کام بھی چشمِ پر آب ہو نہ سکا
عتاب پر وہ تلے تھے عتاب ہو نہ سکا

ہیں جو رنجِ اسیری میں ہے تو یہ نثر
کہ ایک روز بھی شغلِ شراب ہو نہ سکا

۱۹

۳۸

کب میں غمِ باغبانِ برقی تاباں میں نہ تھا
آج کا مجھ کو نہ سمجھ اس گلستاں میں کوئی
کر دیا کچھ اور ہی میری نگاہِ شوق نے
آشنا و بارغ و صحرا اُس نے سے ہوں میں
قد میں بھی باغ سے میرا تعلق تھا وہ ہی
فصلِ گل کی تھیں مٹائیں جب آئی فصلِ گل
یادِ مہجِ شِ جنوں کی وہ جنوں انگیزیاں
بوئے میں تھا فقری کے فقیروں کو جو لطف
آشناؤں کی یہ حالت کیونکر آخر ہو گئی
امن کہتے ہیں جسے میر گلستاں میں نہ تھا
میں گلستاں میں تھا جب کوئی گلستاں میں نہ تھا
یہ مزہ پہلے نگاہِ نازِ جاناں میں نہ تھا
جب چمن میں گل نہ تھی کا شاہیاں میں نہ تھا
دلِ مر گلشن میں تھا، گو میں گلستاں میں نہ تھا
خوبیِ قسمت سے میں خود ہی گلستاں میں نہ تھا
تا زنا بت ایک بھی جیٹ گریاں میں نہ تھا
وہ سیلہاں کو مزہ تختِ سیلہاں میں نہ تھا
جب گری بجلی تو کیا کوئی گلستاں میں نہ تھا

پی رہا تھا اور کوئی فرق ایساں میں نہ تھا
کفر وہ کیا تھا جو دخل سراپاں میں نہ تھا
اب کہاں دن مزہ جب پہناں میں نہ تھا
سوئے گلشن ایک بھی سوراخ زباناں میں نہ تھا
یہ غنیمت تھا کہ میں صحن گلستاں میں نہ تھا
جو مزہ تھا دروہناں میں نمایاں میں نہ تھا
جو مزہ زباناں میں تھا وہ گلستاں میں نہ تھا
دل سے میں شاید سرخ کوئی جاناں میں نہ تھا
جب میں فکر آرزوئے دید جاناں میں نہ تھا
جو بیاباں میں مزہ تھا وہ گلستاں میں نہ تھا
کچھ گلستاں میں نہ تھا جب تو گلستاں میں نہ تھا
جدبہ انسانیت افسوس انساں میں نہ تھا

ہا کہ ساتی کی نظریں اور وہ مینوشی مری
دن محبت کے نہ بھولے ہیں نہ بھولیں گے کبھی
ہے نشانہ دو جہاں اب دروہناں پر نشا
ہم ہو آ گلستاں کو بھی ترس کر مر گئے
فصل گل میں جوشِ حُشْت جانے کیا ڈھاتا ستم
آہ و نالہ میں تھا جو ضبطِ غم میں لطف تھا
رفتہ رفتہ ہو گیا جب خوگر قیدِ نفس
کوئے جاناں کے نہ ملنے سے پتہ مجھ کو چلا
آرزوئے دید جاناں کب ہوئی پوری مری
قیدِ نگہ بوسے بہتہ تھی کہیں آوارگی
جب ہا ہو کر میں آیا اہل گلشن نے کہا
اور رب مخلوقِ فطرت کے اشاروں پر چلی

ماہِ تاباں سے شناسائی ہماری جب سے

۲۲

داغ بھی جس وقت نشتر ماہِ تاباں میں نہ تھا

۳۹

برق کا کھٹکا کبھی کھٹکا کبھی صیت ادا کا
رنگ کچھ بدلا ہوا سا ہے مرے صیتا د کا
اب نہ مانیں گے کبھی کہنا دل ناشاد کا

کیا اٹھائے لطف کوئی گلشن ایجاد کا
ہو نہ ہو کچھ ہو چلا اُس پر اثر فریاد کا
ہم کو عادی کر دیا کجخت نے فریاد کا

یو فاول کی ترقی۔ باو فاول کا زوال
ہم نے سمجھا عمر بھر اپنا اسے، اپنا مگر
قید ہونے میں بھی ہے مجھ کو خوشی اس تا کی
کس بُرے وقت آپ نے بیا د اپنی ختم کی
آج دیکھا میں نے اتنی عمر غفلت میں کٹی
جب سے ہم آئے، انہیں آئی ہو گلستاں
وہ مجھ بھو ہوئے ہیں میں ہوں جنکی یاد میں
یہ طریقہ بھی ترا ہوتا تو ہو جاتی بسر
دیکھئے جس کو اُسی کے دلیں ہے اسکی جگہ
قید میں رہنے کا تو کچھ غم نہیں مجھ کو
آج سنتے ہیں اسیر جو رنے لی اپنی راہ
اُگیا کیا قید ہو کر خود جہان رنگ و بو
آدمی ہوتا ہے جب زندانِ عالم میں سیر
کتے آتے ہیں زل سے لوگ کھدکھتے نہیں
کیا بتائیں ہم نے کیوں کوشش ہائی کی شکی
کوئی یہ صیاد سے کدے رہے وہ ہوشیار
اس طریقے سے تو شنوائی نہ کچھ اے دل ہوئی

انتظام اُلٹا ہے اب کچھ عالمِ ایجاد کا
ایک پتہ بھی نہ نکلا گلشنِ ایجاد کا
کوئی کھٹکا تو نہ اب باقی رہا صیتِ ادا کا
جب مرزہ لینے لگا دل آپ کی بیداد کا
ایک نقشہ دل میں بھی تھا عالمِ ایجاد کا
رُخ کد ہر بدلہ ہوا ہے خانہ صیتِ ادا کا
کاش میں بھی جانتا ہوتا بھٹلانا یا د کا
ایک دن لطف و کرم کا ایک دن بیداد کا
کیا مقدر ہے تمہارے خانماں برباد کا
نہ نہ دکھا دیتا کوئی مجھ کو مرے صیاد کا
کون سا در کھل گیا تھا خانہ صیاد کا
آج ہے کچھ اور عالم خانہ صیتِ ادا کا
پوچھئے وہ کون موقع ہے بُبار کباد کا
کچھ ٹھکانہ ہے ہمارے عشق کی روداد کا
کچھ طبیعت لگ گئی کچھ پاس تھا صیاد کا
اب مری خاموشیوں میں نگ ہے فریاد کا
اب طریقہ اور ہونا چاہئے سرِ یاد کا

وائے قسمت لگ گئی مہر خموشی حشر میں
میں کہیں بھی ہوں مرا سکن ہے شہر لکھنؤ

میں تو سو جاں سے کروں فریادِ نشتر رات دن

۲۳

سننے والا بھی تو کوئی ہو مری فریاد کا

۲۰

وہ دیکھتے تو ویسے مت پھر سحاب اٹھا
سحر فروز جو مشرق سے آفتاب اٹھا
تمہارا عشق میں جو خانہاں خراب اٹھا
نگاہِ مست کی ساتی ادھر بھی ایک جھلک
وہ ماہِ چاند ہم وہ ہماری وصل کی رات
یہ کیا حجاب کہیں ہے کہیں حجاب نہیں
نہ پوچھ مجھ سے محبت کا میری افسانہ
ہوا کے ایک تھپیڑے نے کر دیا مہم دم
خدا کی واسطے رونے سے باز آ ظالم
باطل سمع ہوئی ہم ہوئے کہ منہ ناز
نہ آتے دیر لگی کچھ نہ دیر کچھ جاتے
شبِ فراقِ قیامت کی رات تھی ظالم
گذر گئی جو گذرتی تھی طور او مجھ پر

ابھی نہ سامنے سے ساغر شراب اٹھا
گماں ہوا کہ رخِ حسن سے نقاب اٹھا
میرے خیال میں دنیا سے کامیاب اٹھا
نہیں بزم سے میں تشنہ شراب اٹھا
غروب چاند ہوا اور آفتاب اٹھا
ہے شوقِ جلوۂ نوبانندی حجاب اٹھا
مرا فسانہ ملے گا کوئی کتاب اٹھا
نہ جانے کتنی انگوس تھا حجاب اٹھا
قیامت آئی نہ لے دیدہ پر آب اٹھا
اٹھا جو آپکی محفل سے وہ خراب اٹھا
اٹھا یہ تھی کہ صیغہ حجاب اٹھا
غروب چاند ہوا اور نہ آفتاب اٹھا
ہزار شکر ترا گوشتہ حجاب اٹھا

نہیں موت ہی سب کچھ جہاں میں دی غافل
یہ لاکھ پرویں اک پردہ حجاب اٹھا
ترپ کے نشہ دیدار مرنے جائے کہیں
اٹھا اٹھا رخ پر نور سے نقاب اٹھا
تھاری جلوہ نمائی بھی اک قیامت تھی
نہ ماتھاب اٹھا پھر نہ آفتاب اٹھا

ہزار پردوں سے نشتر وہ آئیں گے باہر
جو شوق بن کے کبھی دشمن نقاب اٹھا
۴۱

۱۶

میں کب نہ گیا محفل میں تری، گو جب بھی گیا ناکام گیا
میں نہ کو گیا، میں شب کو گیا، میں صبح گیا، میں شام گیا
ہم دل کے جانے میں اپنے کیا دیر بتائیں اسے ہمد
”اب دل کا جانا ٹھہر گیا۔ یہ صبح گیا یا شام گیا“
دل صبر کا جانا تھا شکوں، اسے آج سے وہ بھی منع ہیں
آرام ذرا مل جاتا تھا، اب آج سے وہ آرام گیا
اسے ضبط ترے آجانے سے، اگر یہ ہے تو فرصت، لیکن
اشکوں کا نکلنا بند ہوا، لیکن گئی آرام گیا
محفل میں نہ جانا تھا تیری، دل لیکے مجھے ای دشمن دل،
اب سوچ یہی ہے شام و سحر، کیوں لیکے دل ناکام گیا
یہ بات محبت میں ہمد۔ ہم نے تجھ کو اچھی دیکھی
جو کچھ بھی کیا اچھا کہ برا۔ سب عشق کے سہ لزام گیا

دل عشق میں تم کو دے ہی چکا، اب جان کے لالے ہیں مجھ کو
 نازل یہ ہوئی اک اور بلا، انعام گیا اکرام گیا
 کیا تجھ سے کہوں ہمد میں نے، کیا عشق و محبت میں پایا
 دُنیا میں ہوئی رسوائی مری، ہاتھوں سے دل ناکام گیا
 ہر وقت کسی کی یاد میں تھے، کیا لطف سے عشق میں کٹی تھی
 وہ قصہ روز و شب نہ رہا، وہ شغل صبح و شام گیا
 اے واعظ ناداں تو بہ پر، ناحق ہے مری اصرار تجھے
 اُس روز سمجھ لے میں بھی نہیں، جس روز یہ شغل جام گیا
 یوں جانے کو سب جاتے ہیں، دنیا سے اچھے اور بُرے
 ہے جانا اصل میں اُس کا ہی، جو لیکر تیرا نام گیا
 اے عشق ترے رائے میں کبھی، تکلیف میں حتمی تھی
 جس دن سے مری تکلیف گئی، اُس دن سے مرا آرام گیا
 جب تک سمجھا میں سب کچھ ہوں، سچ بات یہ ہے میں کچھ بھی تھا
 سب کچھ خدا نکلا میں ہی، جس دن یہ خیال خام گیا
 تقدیر سے شکوہ ہے نشتر، افسوس ہے نقص گردش پر
 ہنگام وطن اجداد کا تھا، اور میں نہ کبھی "ہنگام" گیا

اے قصہ ہنگام ضلع رائے بریلی۔

۴۲ یوں دُنیا جو سمجھے سمجھے اپنا تو عقیدہ ہے **نشر**
 ناکام محبت جو نہ گیا، دُنیا سے وہی ناکام گیا ۱۵

سوز بکرو دلیں آ، یا ساز بکرو دل میں آ
 دیکھ تو کیا دلکی حالت ہو گئی ہو، دل میں آ
 یوں تو وہ اس زندگی میں راستے پر آچکا
 کیا کرے آخر خیال کا بھی کیا مقبول
 آرزو میں گھٹ رہی ہیں دلیں ان سے دے بجا
 آرزو میں پوچھ لے، اکدن، دلِ ناشاد کی
 ہیں یہاں شواہیاں، آسائیوں کی ذمہ دار
 کوئی مجھ سا بھی نہ ہو گا، رازِ دل سے بیکھر
 آمدِ پروانہ سوز و رفتنِ پروانہ وصل
 تیری لذت کوئی میرے دلے پوچھے عشق میں
 لے خیالِ یاریوں آنیکا میں قابل نہیں
 وسعتیں تنی کہاں بائیکا تو اے دردِ عشق
 اذغمِ جاناں حقیقت کیا کوئی سمجھے تری
 تیرے جلووں سے نگاہِ منتظر خیرہ نہ ہو
 ترنماے محبت میں ہیں سو سولہ لذتیں

تیری منزل ہے کسی صورت سے اس منزل میں آ
 پھر خدا را اپنی اس جڑی ہوئی محفل میں آ
 تو ہی لے منزلِ رومِ گم کردہ منزل میں آ
 دیکھے جب کو وہ ہی کہتا ہی میرے دل میں آ
 بن میرے احساس کی تسکین کے دل میں آ
 یا بلا محفل میں اپنی، یا میری محفل میں آ
 خواہشِ سانی کی ہے تو خیرِ مشکل میں آ
 جو مر دلیں ہے، اس کے کہہ پاؤں دل میں آ
 تو بھی ایسے ہی بھری محفل سے جا، محفل میں آ
 تجھ پہلِ قربانوں کی بفراری دل میں آ
 نام جانے کا نہ لے، اس طرح میرے دل میں آ
 تجھ کو آنا ہو تو میرے ہی جہانِ دل میں آ
 میرے دل کو قدر ہے تیری، تو میرے دل میں آ
 ہو کے تو ایک دن اس طرح بھی محفل میں آ
 کس میں کہوں چلی جا کس کے کہوں دل میں آ

آج وہ شوق شہادت ہے کہ نشر الماناں

۱۶

تیغ قاتل سے کوئی کمدے کف قاتل میں آ

۲۳

لیکے اپنے ساتھ اک خیر خیال آہی گیا
مچھو محضوں دیکھ کر آخر مال آہی گیا
زخم ہا کول کا وقت اند مال آہی گیا
جسکے آنیکا تھا اکثر حمال آہی گیا
چاند جب پورا ہوا اس میں مال آہی گیا
اپنی رُو داؤ گد شتہ کا خیال آہی گیا
آج پھر لیکن وہ تو کچھ سوال آہی گیا
میں تو جب ترپا ہمارا زنگیں حال آہی گیا
جب ہو میں تنہائیاں تیر خیال آہی گیا
اب تو نظروں میں مری اسکا مال آہی گیا
دلکے آئینے میں تو خرا یک بال آہی گیا
یہ جہاں میں کہ تو بہ پر زوال آہی گیا
آنکھ چھکی تھی کہ روز انفصال آہی گیا
اس میں میں نام ہر کو بندہ مال آہی گیا

لیجے وہ نشر آشفہ مال آہی گیا
آج انھیں بھلی محبت کا خیال آہی گیا
ہجر کی سب کٹ گئی تو مال آہی گیا
لیجے پھر آج ظالم کا خیال آہی گیا
ہے کمی ہونا بھی تم کیل محبت کی دلیل
دو لوں کا اختلاف باہمی دیکھا جہاں
ہم سمجھتے تھے کہ اب اعطائے پھر لگا ہیں
کون کتا ہو نہیں مٹی ہو دلکو دل سے راہ
او محبت ہو نہ ہو تو ہے مری جزو حیات
اب دنیا کیوں لیے جاتی ہو ہو کے راندن
تو کہاں آگئی او بدگمانی عشق میں
بادہ خواری کو گٹھاؤں سو مقرر ہے لگاؤ
دے کے کفارہ عصیان بد مرگ بھی
لفظ نشر نے چھپا رکھا تھا نشر اپنا راز

عرصہ محشر میں نشر کون تھا اپنا شریک

وہ تو یہ کہنے خیال انفعال آہی گیا

جب تک یہ خراب غمِ جاناں نہ ہوا تھا
 اس طرح کبھی دل بیروں میں نہ ہوا تھا
 یہ عشق کی میں کس نئی منزل میں ہوا یا
 جسطرح مٹکا ہیں میں تری جان کی طالب
 جب تک تھی تری چشمِ کرمِ ظرف پہ میرے
 کیا عشق میں ارماں کبھی ہوتا کوئی پورا
 اب آج جو حالت ہو مرضِ شبِ غم کی
 ہے خوب ہمیں یاد کہ جینا بھی تھا دو بھر
 پھر مجھ کو وہ ہی دن ہو عطا، عصمتِ فطرت
 افسوس اگر غم میں ترے کیف تھا اتنا
 جب تک مجھے بھولی ہوئی تھی یادِ گلستاں
 کیوں جاگے نہ سب قبر میں رام سے سوتے
 اب داغِ غمِ عشق و محبت کی نہ پوچھو
 تھی موسمِ گل میں نہ ادا موسمِ گل کی
 کہ ترکِ محبت کی نہ تلقین مجھے ناصح
 تھا داغِ محبت کا مکے دل میں فروزا

دل میرا غمِ عشق کے شایاں نہ ہوا تھا
 پہلے یہ کبھی رنگِ گلستاں نہ ہوا تھا
 اب تک تو مرا حال پریشاں نہ ہوا تھا
 اس طرح کوئی جان کا خواہاں نہ ہوا تھا
 میں شاکِ کوتاہی داماں نہ ہوا تھا
 ارمان کے مفوم میں ارماں نہ ہوا تھا
 کل تک تو کوئی فرق نمایاں نہ ہوا تھا
 مرنا بھی کبھی عشق میں ساں نہ ہوا تھا
 جب ل مرا آلودہ عصیاں نہ ہوا تھا
 کیوں پہلے ترے غم کا میں اہاں نہ ہوا تھا
 زنداں کبھی میرے لئے زنداں نہ ہوا تھا
 تھا کون جو دنیا میں پریشاں نہ ہوا تھا
 پہلے یہ فسرہ تھا نمایاں نہ ہوا تھا
 جس سال مرا چاک گریباں نہ ہوا تھا
 تھا عشق نہ جب تک مجھے انساں نہ ہوا تھا
 جب مہِ تاباں، مہِ تاباں نہ ہوا تھا

ذہنیتِ ناقص نے کیا مایلِ تخریب
ہستی کا نہ تھا میری نظر میں کوئی مصرف
لے ضبط نہ آئو ہیں، نہ اب آہ و فغاں ہے
اللہ محبت کی وہ میٹھی مری نیندیں

۲۵ اُس وقت سے ہمارا نگلِ دلالہ ہوں نشر
جس وقت گلستاں بھی گلستاں نہ ہوا تھا

۲۱

سلامت ہے چاکِ روزن کیسا
گٹھاؤں کے کدو ذرا کھل کے بریں
زیں کو نہ ٹھکرا کے چل چلنے والے
کے جائے دنیا یہ میرا وہ میرا
نہ کیوں واسطہ روز اک حشر ہے ہو
مری شام ہے شام گیسو کسی کی

۲۶ مٹائیگا اپنا نشیمن بھی نشر
جو ویراں کر گیا نشیمن کیسا

قاتل بنا دیا کبھی بسملِ بنا دیا
اُسکا بھی کچھ خیال جو بیٹھا ہے نہ رنگوں
آخر مری قناعت کُفواں فریب کے
ساحل کو بحر، بحر کو ساحل بنا دیا

۶

یہ کام تو نے خجہ قاتل بنا دیا
جب کچھ نہ بن پڑا مہِ کامل بنا دیا
جس نے ہلال کو مہِ کامل بنا دیا
منزل نہ بھی جسے میری منزل بنا دیا
تہائیوں کو کیوں میری محفل بنا دیا
ہر مژگے تن کو جس نے، مراد دل بنا دیا
نقد دینے عبور کے قابل بنا دیا
تیرے کرم نے عفو کے قابل بنا دیا
پھراس سے جس کے دید کے قابل بنا دیا
آیا جو وقت دید تو غافل بنا دیا

نثر کردہ یہ نگاہِ کرم تیری اے کریم

۱۲

تو نے ہلال کو مہِ کامل بنا دیا

یا سر سے پاؤں تک مجھ اک دل بنا دیا
تم نے بگڑ بگڑ کے مراد دل بنا دیا
ہر ہر قدم کو ضعف نے منزل بنا دیا
قصہ تو میرا کہنے کے قابل بنا دیا
اچھا کیا جو آپ نے غافل بنا دیا

بگڑا ہوا تھا خونِ محبت کا اعتدال
کیسے تیرے ممکنِ نقش کی قدر تے کوشش
کر دیا میرے عشق کی تکمیل بھی وہی
لے ذوق جستجو، کچھ یوں چھوڑنا نہ تھا
گھیر کر ہوئے کیوں مجھے دیرات آرزو
اتو چشمِ مستِ حُسن وہی اک نگاہِ گرم
دریائے عشق آپکا تھا بحرِ بیکراں
سُناتا تھا کون حشر میں تو تکِ غم مری
پر د کی تکیوں بھی ضرورت نہیں کی
کیا یہ مالِ شوق تجھ لائے حُسن تھا

۲۷

اپنی نگاہِ ناز کا بسمل بنا دیا
لطف و کرم میں بات یہ ممکن تھی کبھی
لے اشتیاقِ منزل مقصود المدد
تم نے ستم کئے کہ جفا کی، گلہ نہیں
آنکھوں کو تاب یوں بھی تھی سمر گئی

اے نافذائے بحر جہاں، تُو نے وقت پر
ساحل جہاں تھا وہیں ساحل بنا دیا
مختر سے کم نہیں شبِ فرقت کی یاد
مشکل کو جس نے اور بھی مشکل بنا دیا
اے عشق تو نے کر کے فنا اپنی راہ میں
میری فنا کو زیت کا حاصل بنا دیا
کس طرح اُن کے جور کا شتر گلہ کروں

۴۸

۹

احسان ہے کہ جور کے قابل بنا دیا

دل کے ویرانے میں اُڈت تو نہاں نکلا
ہم نے صحرا جیسے سمجھا تھا گلستان نکلا
باعثِ زیت ہمارا غم نہاں نکلا
درو سمجھے تھے جسے درد کا درماں نکلا
جس کو جس کی رہی دیر و حرم میں بھکو
صورتِ شوق و دل میں مے نہاں نکلا
ہم نے جس کو درِ جاناں نہ کبھی سمجھا تھا
چشمِ باطن سے جو دیکھا، درِ جاناں نکلا
میں تو انساں اُسی انساں کو ہمیشہ سمجھا
کام پڑنے پہ بھی انسان جو انساں نکلا
کیا کہیں کیسی کٹی جوشِ جنوں میں اپنی
جو زکو کر لیا دامن تو گریباں نکلا
رکھ ہی لی بات مری خشر میں اُسکو لے کرے
میں تو سمجھا تھا مر با تہ سے میداں نکلا
تیری مرضی پہ ہے تو جس کو بنا دے جیسا
یہی انساں کبھی انساں کبھی شیطاں نکلا
ٹوٹے اُسکو نہیں دیرِ در ابھی لگتی
میری توبہ سے بھی نازک تر اپیاں نکلا
تھی مجھ جان بھلنے میں کچھ ایسی راحت
میں یہ سمجھا کہ ترے تیر کا پیکاں نکلا
اُنکو بیمار نے دیکھا کہ ہو میں آنکھیں بند
جان ادھر نکلی، ادھر دید کا ارماں نکلا
تھی وہ ہی بزمِ تری ایک، تو پھر آخر کیوں
کوئی گریباں کوئی خند کوئی حیراں نکلا

کس کی فرقت میں ہے یہ حضرت نشتروخت

چاک دامان بھی ہوا اور گریبان نکلا

کی یاد نہ اُس کی جیتے جی، اب حشر میں اے دل کیا ہوگا
 جینے کا نتیجہ کچھ نہ ہوا، مرنے کا حاصل کیا ہوگا
 اُن کے کفن سے پی بھی لے، تھوڑی سی اے دل کیا ہوگا
 اصرار سے اُن کے پی لینا، پینے میں داخل کیا ہوگا
 خود شوق شہادت ہے دل میں، پھر مرنا مشکل کیا ہوگا
 کیا ہم کو ضرورت قاتل کی، اب خنجر قاتل کیا ہوگا
 آئے ہیں کہاں سے علم نہیں، جائینگے کہاں معلوم نہیں
 ہم سا بھی زمانے میں کوئی، بیگانہ منزل کیا ہوگا
 راحت نہ ملی مرنے پر بھی، یہ کنج کھد میں منکر رہی
 جب محشر میں وہ بنکے جواں، آئیں گے مقابل کیا ہوگا
 شرمندہ گناہوں پر اپنے ہرگز نہیں بلکہ نازاں تھیں
 عصیاں سے رہا جو بے بہرہ، وہ عفو کے قابل کیا ہوگا
 دُنیا سے غافل ہو جانا، ہے عین دلیل ہشیاری
 جو غافل اپنے سے نہ ہوا، دُنیا سے غافل کیا ہوگا
 کیا مجھ کو خبر تھی روزِ ازل، کبخت قیامت ڈھائیگا

ورنہ میں ادب سے کہہ دیتا، دل مجھ کو نہ دو، دل کیا ہوگا
 اس باغ جہاں کے گل بوٹے، دیکھ تو کوئی اللہ غنی!
 جب محفل کا یہ سماں ہے، تو صاحب محفل کیا ہوگا
 جو منع مجھے عصیاں سے کریں، اتنا تو ذرا دلیں ہو ہیں
 جو عفو کے نافرمان ہوگا، وہ عفو کے قابل کیا ہوگا
 پردوں سے نگاہ شوق کیسے، رک کر ناجز رہ سکتی ہے
 مجنوں کی نگاہوں کا پردہ، یہ پردہ ٹھس کیا ہوگا
 اُٹھتے ہی نہیں اب میرے قدم، اور شوق بھرا ہر گنگ میں
 ایسے میں نہ پہنچا میں جو کہیں تو دوری منزل کیا ہوگا
 آغازِ محبت ہی میں جب، تو یوں سودا درد اماں ہے
 اور آگے چل کر حشرِ ترا، اے دیوانے دل کیا ہوگا
 شک ان کی محبت میں کرنا، اے دل ہے دلیل نادانی
 جو خود نہ ہوا پہلے بسمل، وہ بعد میں قاتل کیا ہوگا
 بچھڑا ہوا میں اس دنیا کا، جب تجھ سے ملو گناہِ عشر میں
 اُس وقت ترا دل کیا ہوگا، اُس وقت مرادل کیا ہوگا
 میں یوں ہی فراقِ جاناں میں، ہزار ہوں اپنے جینے سے
 جب مجھ کو جینا مشکل ہے، مر جانا مشکل کیا ہوگا

۵۰ یہ میرے ناقص ہی آخر کر دینگے مری تکمیل اک دن
جو آج نہیں ناقص نشتر، آئندہ کامل کیا ہوگا

کچھ اور کہیں ظالم منہ سے نہ سُنا دینا
سوؤنگا تھکا ماندہ، شاید نہ اٹھا جائے
رو کو نہ ہمیں ہمتو دیدار کے طالب ہیں
تم وعدہ فراموشی کرتے ہو کئے جاؤ
کچھ طرف اندازہ پنیے میں نہیں رہتا
افسوس زل میں وعدہ نہ لیا ان سے
کتنی ہی باں و کیں کتنا ہی چھاپیں ہم
ہم فرض محبت قاصر ہیں کیوں اپنے
لے حضرت دل ناحق کیوں خسروئے ہو
حق ازلی تھا جب یہ ذوق فنا میرا
آغاز چپا چھپا تھا، انجام بھی اچھا ہو
ہم وار کو کیا جانیں، اوچھا ہر کہ پورا ہو

۵۱ کیوں ہم کو شکایت ہو، کیوں ہم کو گلہ نشتر
جو ان کو ستم کرنا، وہ ہم کو بھلا دینا

۱۳

جب تک میں غم عشق سراپا نہ ہوا تھا
ہستی کا کوئی نقش ہویدا نہ ہوا تھا

گھبراہی گئے عرصہ محشر میں ہم آخر
کم ظرفی ہماری تھی کہ بچا اسے سمجھے
اب آج جو حالت ہو مریض شب غم کی
کیا خاک سراغ رہ منزل مجھے ملتا
اے فصل خزاں تو نے دکھایا مجھ کو یہ دن
اب میری تنہا کے نکلنے میں کہاں دیر
اللہ کے تنہائی شام شبِ فرقت
جلوس تے موجود تھے ہرمت ہزاروں
لاکھوں میں چھاتھا ہزاروں میں بہتر
تھی لذت دیدار میں محویتِ کامل
کہنا وہ مری عرضِ تنہا پہ کسی کا
کس وز مجھے یاس نے گھیرا نہ شبِ غم
افسوس مریہوش نے دھوکا دیا مجھ کو
دلدادہ بھرا تھے کبھی عشق میں ہم بھی
جب میں نے بچا کہ ہوا ختم تماشا
بنیاد تھا اسی شخص کا، مرنا بھی اسی کا
مکمل تنہا کی مجھے عشق میں تھن تھی

پہلے کا ہمارا کبھی دیکھا نہ ہوا تھا
ظلم آپ کا کوئی کبھی بچا نہ ہوا تھا
کل تک تو سنا یہ ہے کہ اچھا نہ ہوا تھا
میں پی ہی ہستی سے نہ بیگانہ ہوا تھا
گلشن مجھے ہم معنی صحرا نہ ہوا تھا
اتک مجھے احساسِ تنہا نہ ہوا تھا
اتنا میں بھی تک کبھی تنہا نہ ہوا تھا
میں خود ہی کبھی محو تماشا نہ ہوا تھا
جب تک مجھے احساسِ تنہا نہ ہوا تھا
بہوش میں ہنگامِ تماشا نہ ہوا تھا
ایسا کبھی پہلے مجھے سودا نہ ہوا تھا
کس روز مرا خونِ تنہا نہ ہوا تھا
اور میں بھی مصروفِ تماشا نہ ہوا تھا
ایک تیس ہی دیوانہ صحرانہ ہوا تھا
اسوقت تک آغازِ تماشا نہ ہوا تھا
دنیا میں جو وابستہ دُنیا نہ ہوا تھا
اور میں کبھی مجنونِ تنہا نہ ہوا تھا

پہلے بھی ہوا تھا اگر اتنا نہ ہوا تھا
جب تیرا بھی نشہ صبا نہ ہوا تھا
دُنیا میں تو کوئی بھی کیسا نہ ہوا تھا
تنہائی میں بھی میں کبھی تنہا نہ ہوا تھا
تجھ کو بھی ہوا تھا مجھے تنہا نہ ہوا تھا
درِ صل ارادہ ہی ارادہ نہ ہوا تھا

اُس وقت کے ہم خوگر بیداد ہیں نشر

۲۵

جب چرخِ ستیگار بھی پیدا نہ ہوا تھا

لیجے پھر انجمن سے ایک دیوانہ گیا
لاکھ روکا سب نے اپنی راہ دیوانہ گیا
ابرِ مسجد کی طرف سے سوئے میخانہ گیا
اب وہ افسانے کہاں، وہ لطفِ افسانہ گیا
لطفِ مے نوشی گیا، وہ لطفِ میخانہ گیا
آج کیوں مسجد سے ٹھکڑے سوئے میخانہ گیا
مدتیں گزریں کہ وہ پنیے کا پیمانہ گیا
ورنہ سن رکھو کہ میرے ساتھ افسانہ گیا
پھر ہمارے ساتھ کہہ اور تجنا نہ گیا

اب شدتِ دردِ دل ناشاد نہ پوچھو
کیوں غلطی محض میں اٹھالے ہیں لوگ
اب گورِ غریباں میں بھی میچیں ہر کیا رنگ
اللہ محبت کے وہ دن رات کہاں ہیں
جس عشق پہ اب روزِ ستم ہیں ہر لاکھوں
کیا خاک پہنچا درِ جاناں یہ میں نشر

۵۲

شمع پر پھر دے کے اپنی جان، پڑا نہ گیا
جان سے جانا مفت در تھا تو پروا نہ گیا
ہمنے لاکھوں مرتبہ دیکھا ہے زاہدِ انگہ سے
عشق تک محدود تھا میرے فسانوں کا مزہ
جس ساقی کی نگاہوں میں نہیں ہے پھیر چھاڑ
نیری مسجد میں گر کچھ بات تھی زاہدِ تو ابر
خُم لگائے منہ سے، اب ساغرِ ساقی واسطہ!
جس کو سنا ہوا بھی سن لے وہ افسانہ مرا
ابتدا میں ہم گئے تھے دیر و کعبہ کی طرف

شمع روشن ہوئی بزم وفا میں دیر تھی
دل کی بتابی کی کوئی حد نہیں کچھ دیر سے
بڑھتے بڑھتے انکی نظریں میرے جانب لگ گئیں
موت ہی ہوتی ہے شاید آتشِ غم کا علاج
ہے یہ نیا کا تعلق صرف کچھ گورتاک
حضرت اعظم کو میخانے میں کیوں نے دیا
کیوں نہ جاتا شمع پر اس میں خطا کی نہ تھی
میرے ہوتے اسکو جانوڑی کا حق حاصل نہیں
جو یہاں آیا وہ لایا ایک فسانہ اپنے ساتھ
اپنے دل سے اپنے دیوانے کو کیوں گئے ہو دور
پھر نہ جانے ایک دونوں ہو گئے یا کیا ہوا
مجھ کو ان کی بزم میں نیکایوں نبوس ہے

پھر تو اک پروانہ آیا ایک پروانہ گیا
اب ہمارے ہاتھ سے شاید یہ دیوانہ گیا
آتے آتے آج میرے ہاتھ پیمانہ گیا
جان ہی کے ساتھ آخر سویر پروانہ گیا
اس سے آگے ساتھ پھر اپنا نہ بیگانہ گیا
آج میخانے کے باہر رازِ میخانہ گیا
اپنے سویر عشق سے مجسبو، پروانہ گیا
مار ہی ڈالوں گا محفل میں جو پروانہ گیا
جو گیا وہ ساتھ لیکر ایک افسانہ گیا
دل سے دیوانہ گیا، دنیا سے دیوانہ گیا
شمع تک ہم نے بھی یہ دیکھا کہ پروانہ گیا
مثل پروانہ نہ لوٹا، مثل پروانہ گیا

اب کہاں شتر وہ میری بادہ چائی کے دن

ساتھ ان ہونٹوں کے میرا دور پیمانہ گیا

۵۳

۲۲

تیرے در سے ہاتھ خالی میں کیا
وہ نہیں آتے تو ہم مرجائیں کیا؟
ہم سراپا آرزو ہو جائیں کیا

بھیک کے خوگر ہیں پھر شرمائیں کیا
کیوں لئے لیتا ہے دل بختِ جان
آرزو میں چھڑتی ہیں کیوں ہمیں

منکشف جب ہو گیا دُنیا کا راز
 راہ لے نامح خد اکیواسطے
 حشر میں محرم رحمت رہ گیا
 یہ شب غم اور یہ دردِ فراق
 خود اٹھائے لیتے ہیں ہم آشیان
 فطرنا دونوں ہیں کچھ مجھ سے
 دل ہماری عشق میں سُنتا نہیں

اب اسے خاطر میں اپنی لائیں کیا
 جو نہ سمجھے ہم اُسے سمجھائیں کیا
 جس نے یہ سوچا کہ ہم شہرِ بایں کیا
 کیا کریں مایوس اب ہو جائیں کیا
 بجلیوں کو آئے دن تڑپائیں کیا
 وہ ہیں یا ہم اُنھیں سمجھائیں کیا
 ایسے دیوانے کو ہم سمجھائیں کیا

عاشقی اور اُس میں عزمِ خود کشی

۱۱

۵۴

کر رہا ہے تو یہ شہرِ بایں کیا!
 اُن پھول کی طرح جو چمن سے نکل گیا
 دل رفتہ رفتہ رنج و محن سے نکل گیا
 کم قسمتی بادہ گساراں تو دیکھئے
 ہونگے خوشی بھی جنکو ملی ہوگی عشق میں
 اب ہم ایک خاک کا تو وہ ہے بہرِ مرگ
 وہ ابر جس کا ایک برس سے تھا انتظار
 محفوظ ذہن میں ہے خیالِ وطن ہنوز
 اشد فاکساری میں کتنا عروج تھا

والہن آؤنگا جو وطن سے نکل گیا
 اگر گمن میں چاند گمن سے نکل گیا
 بادل چمن پہ آئے چمن سے نکل گیا
 اپنا تو کام رنج و محن سے نکل گیا
 اشد کون تھا جو بدن سے نکل گیا
 کترا کے آج صحنِ چمن سے نکل گیا
 کیا ہو گیا اگر میں وطن سے نکل گیا
 اونچا کہیں میں چرخِ گمن سے نکل گیا

پوشاک پائے تھی خنجر و زاک نہی
 پھول لکھی ہو، پھول ہو، لکھا ہوئی ہو
 ترک چمن پہ کیوں مجھے الزام ہے کوئی
 رخت میری کیوں غلش اہل باغ کو
 خطر چمن کے خطرے نہ تھے میرے واسطے
 کہلا گئے ہیں باغ کے کیوں کج برگ و بار
 کیا موسم بہار کا تھا مختصر قیام
 اہل چمن نے بھی مجھے دل سے بھلایا
 کیونکر چلا سکو نگا اسے روزِ حشر تک
 روز ایک تار بھی جو کفن سے نکل گیا

خطرے ہزار طرح کے نشر ہیں رات دن

اچھا رہا وہی جو چمن سے نکل گیا

۵۵

۱۸

نشر مراد دل بیل میخانہ رہیگا
 جب تک کہ رسم سانی میخانہ رہیگا
 پینے کا جو تیرے ہی پیمانہ رہیگا
 پروانہ ہر اک حال میں پروانہ رہیگا
 مانا کہ میں فانی ہوں ہو نگانہ ابد تک
 تحقیر سے میخانے کو یوں دیکھ نہ زاہد
 پیمانہ ہے، ہم فطرت پیمانہ رہیگا
 ہاتھوں میں چمکتا ہوا پیمانہ رہیگا
 کیا تیرا ٹھکانہ دلِ مستانہ رہیگا
 جو ہوش سے آزاد ہے دیوانہ رہیگا
 دنیا کی زباں پر مگر افسانہ رہیگا
 مسجد نہ رہیگی تری میخانہ رہیگا

کتنا ہی مے دکوہ بھائیں، دل تو
 لے راہ خدا کے لئے دل سے غم دنیا
 یوں بھکو غم دہر سے فرست ملیگی
 عقل و خرد و ہوش سے کمزور سدا رہیں
 جادو بھی نگاہوں میں تمہاری ہر تصویر بھی
 ہو جائیگی رسوائی ترے سوز کی اگر سمع
 امان جینو تکے بھی اب لمیں رہیں گے
 افسانے میں کر انکی جواؤں کا نہ آئے
 کیوں جان و ن میخانے کو میں چھوڑ کے دنیا
 محفوظ خزاؤں ہندو گستاں کوئی ایدل
 اک روز وہ آئیگا کہ مٹ جائیگی دنیا
 پھر شمع ہوئی ہے نئے انداز سے روشن
 دہر لو مرے سامنے تم اپنی زباں سے
 کیوں اہل چمن سے میرے بچھڑنیکا کریں غم
 آباد کیس ہو تا ہے ٹوٹا ہوا دل بھی
 وہ دن بھی کبھی ہونگے آئی کہ نہ ہونگے
 ہنستے ہیں دیوانے یہ وہ خوب سمجھ لیں

دیوانہ تھا، دیوانہ ہے، دیوانہ رہیگا
 اب آج سے اس میں غم جانا نہ رہیگا
 اب آج سے ممکن مرا میخانہ رہیگا
 اب ساتھ فقط یہ دل دیوانہ رہیگا
 جو آئیگا اس پھر میں دیوانہ رہیگا
 جلنے سے جو باقی پر پروانہ رہیگا
 کعبہ ہے جہاں پروہیں تجا نہ رہیگا
 احسان ترا کاتب آفانہ رہیگا
 دُنیانہ رہیگی مرا میخانہ رہیگا
 کب تک چمن دہر پہ دیوانہ رہیگا
 باقی فقط افسانہ ہی افسانہ رہیگا
 زندہ کوئی اب کا ہیکو پروانہ رہیگا
 یوں یاد نہ تم کو مرا افسانہ رہیگا
 گو میں نہ رہو نگا، مرا افسانہ رہیگا
 ویرانہ جہاں ہو گیا ویرانہ رہیگا
 جب لمیں ہمارے غم جانا نہ رہیگا
 ہشیار جو ہو گا وہی دیوانہ رہیگا

ہو جا سکی جل جانے سے تبدیلی ہوتی
 انسان سمجھنے کو سمجھتا رہے کچھ بھی
 سچ پوچھے مجھ سے تو فائدہ مرا اچھا
 کعبے میں بٹھاؤ کہ کلیسا میں بٹھاؤ
 لے دل شب تاریک کا خوگر بھی کبھی ہو
 کیوں گرمی محشر سے مجھے خوف ہو نشر
 یہ حد سے سوا بلوہ کشتی عیب ہے نشر
 پینے کا بھی آخر کوئی پیمانہ رہیگا؟

۵۶
 ہم ڈھونڈ چکے خوب، ترا گھر نہیں ملتا
 جو گھر میں ہے آرام وہ باہر نہیں ملتا
 غافل حرم و دیر میں دلبر نہیں ملتا
 بھیل اچھی طبیعت سے نکالیں شب غم
 گمراہی ہماری بھی ہے دنیا سے نرالی
 کیا شعلہ فریاد کو حاصل ہوئی مزاج
 ملتا جو نہیں وہ تو تصور میں ہے اپنا
 دل ہی نہیں ملتا تو خدا ہم کو ملے کیا
 اربابِ زمین پر جو گذرتی ہے وہ جانیں
 یہ اور مصیبت ہے کہ رہبر نہیں ملتا
 کتنے ہی مہین کیجئے نشر نہیں ملتا
 جو گھر میں ہو موجود وہ باہر نہیں ملتا
 ہر شخص کو آرام برابر نہیں ملتا
 گھر سے کبھی نکلے نہیں اور گھر نہیں ملتا
 کیوں آج سراغ نہ و آخر نہیں ملتا
 اپنی غلطی ہی سے وہ اکثر نہیں ملتا
 گھر لے کا کیا ذکر ہے جب گھر نہیں ملتا
 آرام تہِ چرخ تو دم بھر نہیں ملتا

اُس روز کے پنیے کو سمجھتا ہوں میں پنا
انصاف کی امید کروں ریت میں کیونکر
باور جو کیا ہے اُسے وعدہ باطل
سو جاتی ہوں نیا کی فضا میں بھی کبھی وقت
دولت کے تو نگر تو ہوں نیا میں ہزاروں
کیوں پئے انداز ہمارے، ہر شب روز
میں جانے سے جب چلے مجھے گھر نہیں ملتا
بے جان دیئے عرصہ محشر نہیں ملتا
پھر آج مزاجِ دل مضطر نہیں ملتا
کیوں تجھ کو سکوں ازل مضطر نہیں ملتا
افسوس کوئی دل کا تو نگر نہیں ملتا
کیا اور کوئی چینِ مستحکم نہیں ملتا

محرمی قسمت نہ کہوں میں نے کہوں کیا

۱۶

وہ دل میں ہے لیکن مجھے شتر نہیں ملتا

۵۷

یہ اپنی یاد بھی غفلت شعار لیتا جا
خیالِ یار بھی زیرِ مزار لیتا جا
تہ مزارِ غم روزِ کار لیتا جا
خدا کی واسطے غمِ آشنا چھوڑے
جو بقیہ کیا ہے تو بکلمہ کر دے
کسی کے پاس سے جاتا ہے یوں کی اٹھ کر
سنا ہے ان سے مذاقِ فنا بگڑتا ہے
اُسی کا ذکر شبِ غم بچائے گا تجھ کو
نہیں بہارِ فتنہ تک جو ساتھ جا سکتی
مجھے نہ دیگی گھڑی بھر قرار لیتا جا
کہاں ملے گا وہاں غمِ کار لیتا جا
چمن سے پھول لئے ہیں خار لیتا جا
دلِ حزیں ہے محبتِ شعار لیتا جا
کچھ اور دلیں ہے باقی قرار لیتا جا
کہا تھا تجھ سے یہ کس نے قرار لیتا جا
خدا کی واسطے صبر و قرار لیتا جا
اُسی کا نام شبِ انتظار لیتا جا
تو اپنے دل میں خیالِ بہار لیتا جا

ہمارے قومی مناتے ہیں سب بہار اور دل
جو لطف بزم اٹھانا ہے تو نہ جانتا
کسی کے منہ سے نہ نکلا حیف و زل
جہاں قرار لیا ہے ہمارے ظالم
جو تو نہیں ہے تو کیا مجھ کو وسط اس
مرا سکوں، مرا ضبط و قرار لیتا جا

میں دلوں چھوڑ کے محفل میں چل دیا نشر

۵۸

۱۵

وہ لاکھ کہتے رہے بار بار لیتا جا

بچ شکستگی سے توبے نیاز ہو جا
دنیا کو ترک کر دے اور بے نیاز ہو جا
جب ہر قدم پہ نیاز ہے بے نیاز تجھ سے
یہ کیا کہ درد دے کر کرتا چارہ سازی
یا تاب دے نظر کو، یا استدر کرم کر
محشر میں منحصر ہے، دو آنو توں سب
ہونا تھا تجھ کو جو گرج بے نیاز ہو جا

جو ٹوٹنا نہ جانے لے دل وہ ساز ہو جا
مست نیاز تو بھی مخمور ناز ہو جا
دنیا سے تو بھی ایدل کٹ بے نیاز ہو جا
یا درہمی مجھے یا چارہ ساز ہو جا
اے جلوہ حقیقت تو بھی مجاز ہو جا
یا سزنگوں بنارہ، یا نشر از ہو جا
تجھ سے کہا تھا کس نے تصویر ساز ہو جا

کیا دیکھتا ہے نشر موقع یہ کب ملے گا

۵۹

۸

سہراے دوست پر دکھ اور سرفراز ہو جا

کیونچا دن کو دُنیا کرنے خراب آیا
جب ساتھ چھوڑنا تھا پھر کون شایا

بچپن کو روندنا جب عہد شباب آیا
 پھر دلیں چکیاں سی لینے لگا ہوا کوئی
 جب وقت موت آیا زندہ رہا نہ کوئی
 جلوس کے اُکے خالی دنیا ہی نہ دم بھر
 سونے نہ پائے تھے ہم اک غلُ ہوا یکایک
 مرنیکے بدوہ بھی سوتے ہیں کس مرنے سے
 لوستیاں مبارک، بدستیاں مبارک
 محروم دیدنا قسمت سے رہ گیا میں
 دیا ہے کیا زبانی دیکھیں پیام قاصد
 جب عشق تھا کسی سے ہکو خبر کہاں تھی
 غصے پہ اُنکے غصہ آئے مجھے نہ کیونکر
 انسان کی زندگی میں کُل انقلاب آیا
 شاید انھیں تبسم زیر نقاب آیا
 سونا ہے امر لازم جب وقت خواب آیا
 اک آفتاب ڈوبا اک ماہتاب آیا
 ”روزِ حساب آیا“ روزِ حساب آیا
 دُنیا میں نام کو بھی جنکو نہ خواب آیا
 جامِ شراب لیکر کافر شباب آیا
 تیری بھی یہ خطا تھی، کیوں کج حجاب آیا
 صورت تو کہہ ہی ہے، ناکا میاب آیا
 کب آفتاب نکلا، کب ماہتاب آیا
 جب آئے وہ مرے گھر یہ ہر کب آیا

ہیں ملک عشق کی بھی شتر عجیب باتیں

۱۳

جس نے شکست کھائی وہ فتح یاب آیا

۶۰

آپ نے کیوں مجھے بہوش سر طور کیا
 تجھ پہ ٹٹنے کے لئے کچھ تھی طبیعت مجبور
 دل سی شے نذر ہی کر دینی پُری آخر کار
 تھا میں مجبور محبت یہ خبر کیا مجھ کو
 پیار سے پاس بلایا تھا تو کیوں دُکریا؟
 اور کچھ تیری ادائوں نے بھی مجبور کیا
 عشق نے زو زو یا حسن نے مجبور کیا
 کس نے مجبور کیا، کیوں مجھ کو مجبور کیا

آج ناراض ہیں کیوں تذکرہ خور کیا
اور اگر ابرنے آ کر مجھے مجبور کیا؟
جانے انکار کیا اس نے کہ منظور کیا
دل نے جو مجھ سے کہا میں وہ منظور کیا
بچ بچ دے دے کے مجھے عشق میں مگر کیا
اک نگاہ غلط انداز نے محمور کیا
اس نے ہی خیم جگر کو مرے ناسور کیا
دل مرا پہلے ہی کیوں عشق سے مغمور کیا

روز جیلہ خنکی کا اٹھیں کچھ کر لینا
مے سے توبہ ہے کہنے سے میں لوں دعا
عرض مطلب نہیں کرتا ہوں مل نہ دیتے
سب خرابی تو محبت میں سی ہا کی تھی
غم میں پیدا کئے اتار خوشی کے تو نے
آنکھ بھر کر کہیں دیکھو تو نہ جانے کیا ہو
بے نیازی ترسی بھولی ہے نہ بھولی کبھی
مجھ کو ناکام محبت تجھے رکھنا تھا اگر

میں کہاں اور کہا عشق و محبت نشر
اک نگاہ غلط انداز نے مجبور کیا

۱۳

۶۱

بستیان باد میں لاکھوں مردل کے قریب
روز رکھ دیتا ہوں پناہ دل ترکوں کے قریب
وہ تو پھر ہونے لگا ظالم میں دل کے قریب
جو نکلتے بھی ہیں رہ جاتے ہیں دل کے قریب
درد ہی بن کر رہو، لیکن درد دل کے قریب
اور کر لیتا ہوں اپنے درد کو دل کے قریب
شام ہی سے درد کے آٹا میں دل کے قریب

جب سے رہتا ہے تصور انکی محفل کے قریب
کیا عجب سخی کشش آجائے حاصل کے قریب
چارہ گر جس درد کی تو نے ابھی کی تھی دوا
ہو گئے ہیں تیرا دل سے مانوس اس قدر
دل سیرے دور ہوئی نہ تم کو کشش کرو
جب ٹپ میں کچھ کمی محسوس ہوتی ہے مجھے
رات یہ کیونکر بسر ہوگی انہی کیا کروں

ہاتھ بھولے سے نہ رکھ دینا کہیں دل کے قریب
اسکے ہوتے حسرتیں آتی نہیں دل کے قریب
ایک دنیا بس گئی گویا مے دل کے قریب
چاروں کورہ جگر میں چاروں دل کے قریب
کیا کئی دل اور پیدا ہو گئے دل کے قریب
دیکھتا ہوں زخم سے چاروں نظر دل کے قریب
دل میں جوتا ہے کہ ہوتا ہے کہیں دل کے قریب
ہو سکے تو اور دل رکھ دے مر دل کے قریب
ور دین جاتا ہے جو اتنا ہی دل کے قریب
بیٹھے بیٹھے پھر چپک چپک لگی دل کے قریب

ہو گئی تسکین تو یہ سمجھو کہ ہم مر ہی گئے
نا اُمیدی میں جہاں عیب ہیں خوبی یہ ہے
اللہ اللہ یہ ہجوم صد ہزاراں آرزو
رحم کر دونوں پہ یکساں درِ دل بہرِ خدا
یہ تڑپ یہ درد یہ سوزِ مسلسل الایاں
ایک ہی تیرنگہ ناز کھایا تھا مگر
درد کا احساس اتنا بھی نہ اب باقی رہا
چارہ گراب درد کی کثرت ہے گنجائش طلب
وہ دوا ہو یا کوئی مرہم کہ دست چارہ گر
کیا چکنے کو ہے بجلی کیا گھٹا اٹھنے کو ہے

لاکھ ہوں نظروں سے اوچل لاکھ ہوں محو حجاب

دُور اُسے کیونکر کہوں نشرِ جو ہے دِل کے قریب

۶۲

۱۸

آگیا اے شوق کیا میں کوئے قاتل کے قریب
پست ہمت ہے جو رہنا چاہے ساحل کے قریب
کچھ تاک لازی میں ماہِ کامل کے قریب
دُور منزل سے نہ کوئی ہی نہ منزل کے قریب
تو قدم اٹھتے ہی پہنچا تھا نہ منزل کے قریب

تیرا محسوس جوتا ہے رگ دل کے قریب
چھوڑ کر آسائیاں تہا ہوں مشکل کے قریب
دلِ غم آخر کیوں ہوں چاروں طرف لگے قریب
اپنی ہی منزل پہ سب آوارہ و آسودہ ہیں
باریابِ منزلِ مقصود اترتا ہے کیسا

تیغ قاتل کے قصوے میں ماماہوں شہید
 و ہم منزل پھر مجھے گمراہ کیوں کرتا ہے تو
 دیکھنا ہو جن کو انجامِ محنت، دیکھ لیں
 دل جگر کے پاس لکھو مگوئی فطرت کے بھول
 پانوں بآگے نہیں ٹھٹھے نہ بڑھتی ہے نظر
 منزل مقصود تک خود نہ مل جائے مجھے
 حیرتِ نظارہ ہیں کچھ آئینے کچھ جلیاں
 جو نہ ہو عاصی، وہ ہو قہدارِ رحمت کس طرح
 سوئے جاوہ شوقِ منزل پھینک دیا ہر جھو
 ہے کبھی امید کا عالم، کبھی طوفانِ یاس
 شوق بے پایاں منزل، تو سلامت چاہو
 مگر یہ میر ہے منزل آشنائی کی دلیل
 سایہ دیوارِ محفل بھی نہیں رہتا وہاں
 تل ہی جائیگی کبھی منزل جو یہ زقار ہے
 سیرِ طوفاں کر رہے ہیں، ورنہ ہم چاہیں اگر
 ایک ہی منزل کسب ہو میں، اتنا فرق ہے
 حضرتِ سیما ب میر کیا کوئی ہوتا جواب

وہ شہادت کیا کہ سر ہو تیغ قاتل کے قریب
 دل گواہی دے رہا ہے میں ہوں منزل کے قریب
 نعلین پرانہ پڑی ہے شمعِ محفل کے قریب
 کوئی رکھتا ہے کہیں بیل کو بیل کے قریب
 ہونہ ہو ہم ہیں کہیں سوقتِ منزل کے قریب
 کس کو سمجھوں دور سمجھوں کس کو منزل کے قریب
 آگیا میں آج یارب کسکی محفل کے قریب
 جو نہ ہو گمراہ کیا پونچھے وہ منزل کے قریب
 لوٹ جاتا ہوں میں، خود آ منزل کے قریب
 دورِ ساحل سو کبھی ہو، نگاہِ ساحل کے قریب
 دورِ قہتا ہوں نہیں، ہوں تباہی منزل کے قریب
 جب کبھی بھٹکا ہوں، آنکھلا ہوں منزل کے قریب
 بیٹھ جاتا ہوں جہاں دیوارِ محفل کے قریب
 ہر قدم لیجا رہا ہے مجھ کو منزل کے قریب
 ایک کشتی کیا ہے، بحرِ آج و ساحل کے قریب
 دور ہے منزل سو کوئی، کوئی منزل کے قریب
 رہتے ہوئے آپ اگر گو بند منزل کے قریب

اہلِ ساحل سے کہو نشر نہ اترائیں بہت
ایک دن ہم بھی پہنچ جائیں گے ساحل کے قریب

دل کہوں میں اپنے دل کو یا جانِ مضطرب
حقیقت ظلم ہی تیرے ہیں جانِ مضطرب
کنے والے پہلے پیدا کر زبانِ مضطرب
اب سکوں میں بھی مگر تہی و شانِ مضطرب
ایک نئے سکوں ہے اک جہانِ مضطرب
تو کہاں پڑتا ہے ناحق درمیانِ مضطرب
مے گئے بدلے میں مچھو اک جہانِ مضطرب
آج تک بیٹھے ہوئے ہیں حوضِ خانِ مضطرب
میں سناؤ نکاجب اپنی داستانِ مضطرب
اب سکوں بھی ہو تو ہوتا ہی گمانِ مضطرب
جب بیاں سے ہو گئی قاصر زبانِ مضطرب
ساتھ لائی ہیں رایتیں اک جہانِ مضطرب
مضطرب لکھیں ہے، دل مکانِ مضطرب
جان لے ہے مضطرب او دل ہے جانِ مضطرب
کہہ ہی ہے وہ بھی اپنی داستانِ مضطرب

اپنے پہلو میں لیے ہے کاروانِ مضطرب
تھے نہ یہ جب تک نہ تھا نام و نشانِ مضطرب
کون کہہ سکتا ہے میری داستانِ مضطرب
بقیاری میں بھی رہتا تھا کبھی مچھو سکوں
میر انکے دلیں ہے فرق زمین و آسمان
لے سکوں قلب تجھ کو میر دل سے کیا غرض
جب گئے وہ لے گئے میرا سکوں میرا قرار
کیا ہمارے دل کو تکیں ہو نوید وصل سے
ایک ہل چل سی جہانِ عشق میں پڑ جا سکی
مضطرب لیں گدڑی ہے جو ساری زندگی
آنسوؤں کے حال دل نکھیں بیاں کرنے لگیں
انتظارِ یار کی راتوں کی کیفیت نہ پوچھ
فرق دونوں میں بہت ہے، اور دونوں یک ہیں
اک عجب انداز سے دونوں نہیں قائم ربط ہے
راز بجلی کے ترپنے کا مجھے معلوم ہے

یہ زمین آسماں عاشق کو کیا آئیں پسند
 بجلیاں بھری ہیں غم نے قلب مضطرب میں
 کیوں شبِ غم کو نہ دیں تزیینِ روزِ صبح
 اب سکونِ ضبط سے کدِ مری دلہین آئیں
 ایک بجلی تھی کہ ٹپنی اور ٹپک چھپ گئی
 برق کی تخلیق سے اُنکا نہ تھا مقصد کچھ اور
 بعد مریکے بھی عاشق سے یہ عذرِ جناب

دل میں رکھنا اضطراب ہے نشرِ زندگی
 موت کیلئے صرف اک خوابِ گراں اضطراب

۲۳

۶۴

کون جاتا ہے خزاںِ یادِ گلستاںِ قریب
 پھر بہار آگئی شاید چمنستاں کے قریب
 اہل گلشن کا تڑپنا کوئی دیکھے اُس وقت
 میری اُمید رہائی کے کرشمے دیکھو
 مدتِ العمر اسیری کا نتیجہ، توبہ
 ہمصنفِ ان چمن اب تو ارادہ یہ ہے
 کووندے لگتی ہے جب چاہتی ہو برقِ تیاں
 لطف آجائے اگر برق کو ہو جائے یہ حکم

کہیں جاتے ہیں بشرِ سیکرِ بجاں کے قریب
 چاک سے کچھ نظر آتے ہیں گریباں کے قریب
 برقِ جرمِ وقت تڑپتی ہو گلستاں کے قریب
 دُور بکریوں گلستاں سے گلستاں کے قریب
 لوٹ جاتا ہوں میں آگے گلستاں کے قریب
 کہ کبھی بھول کے پھٹکیں نہ گلستاں کے قریب
 کیا ہیں گھر ہے کہیں سا گلستاں کے قریب
 نہ گلستاں میں گرے اور نہ گلستاں کے قریب

کیا قیامت ہے سماں کی ہے ہندو سے گریز
کیا بُرا تھا جو تو اے برق وہاں گر پڑتی
و اے قسمت درجاناں نہیں ملتا مجھ کو
آج تک صفحہ دل سے نہیں ٹٹتا وہ خیال
دیکھ کر رنگِ گلستاں، یہ روش ہے اپنی
واقعی سمجھے ہوئے دل سے بھی استہجائے

اور کچھ دیر اگر آنکھ نہ کھلتی نشر
۶۵ میں پہنچ ہی تو گیا تھا درجاناں کے قریب

کہاں سے دلیں چلے آئے غم خزاں کی طرح
زمین جلنے لگی مجھ سے آسماں کی طرح
وہ اپنا سر نہ اٹھائے جو خیریت چاہے
غمِ فراق میں گزرا شباب کا عالم
ہزار کوئی بھلائے وہ آشاں کے مزے
مزه یہ ہے کہ اثر اُن کے دل پہ ہو جائے
نہ جانے کیا یہ ہوا چل ہی ہو عالم میں
ہماری جان کو کیا کم تھے آسماں کے ستم
کبھی بلند خیالی نہ ترک کی ہم نے

۱۲۷ غریب پھول ہاتھ یاہ گلستاں کی طرح
ہمارے مجھ کو ستانے لگی خزاں کی طرح
جو اٹھا بیٹھ گیا اگر دِکارِ داں کی طرح
ہمارے عمر بھی آئی مگر خزاں کی طرح
فقس میں رہ نہیں سکتا میں آشاں کی طرح
فغان کی شوق ہے ایدل تو کرفاں کی طرح
ہمارے بارغ میں آتی ہے اب خزاں کی طرح
زمین کیوں کچی جاتی ہو آسماں کی طرح
ہے زمین پہ لیکن ہم آسماں کی طرح

کبھی بہار کی صورت، کبھی خزاں کی طرح
 سناتے پھرتے ہو کیا سب کو دانتوں کی طرح
 کہ یہ بہار چلی جائیگی خزاں کی طرح
 زمین پیٹنے لگتی ہے آسمان کی طرح
 زبان رکھ کے گزار دو جو بے زباں کی طرح
 کہ صبح و شام ہوں چکر میں سماں کی طرح
 بہار سے نہیں ڈرتا کوئی خزاں کی طرح
 جو امتحان مرا تو امتحان کی طرح
 قفس کو دیکھنے لگتے ہیں آئیاں کی طرح
 قفس میں لگ گیا جی میرا آئیاں کی طرح
 قفس میں رہنے لگا جب میں آئیاں کی طرح
 ہو سیر موسم گل موسم خزاں کی طرح
 اب آئیاں کو نہ دیکھیں گے آئیاں کی طرح

عجیب حال ہے دل کا تری محبت میں
 روزِ عشق و محبت چھپائی جاتی ہیں
 تو اس بہار پہ اسے فائز بہار پھول
 خدا کرے کہ خدا کا کسی پہ ہتھ نہ ہو
 زباں اُسی کی ہے بیشک زباں اُسی کی جو
 عجیب حال محبت میں ہے ممتد رکا
 خوشی میں غم ہے جو نہاں، نظر نہیں آتا
 یہ آزمائشِ روزانہ، نامناسب ہے
 بہت تاتی ہے جب یادِ آئیاں ہو
 اذیتوں سے نکلتا ہے صبر کا پہلو
 مجھے نکال رہا ہے قفس سے خود میتاد
 غم بہار سے بچنے کا یہ طریقہ ہے
 قفس میں نہ اٹھائے ہیں آئیاں کے بہت

میانہ دور ہے دنیا میں عمر بھر نشر

نہ ہم زمین کی طرح تھے نہ آسمان کی طرح

۲۳

۶۶

کون رہ سکتا ہے اپنے روبرو میری طرح؟
 کون ہے بزمِ وفا میں سرخو میری طرح؟

کون ہے آئینہ دارِ آرزو میری طرح
 کون آنکھوں سے بہاتا ہے امو میری طرح

میں کسی کی یاد میں رہتا ہوں غرقِ بحرِ اشک
منزلِ مقصود یوں ملتی ہے دنیا میں کہیں
آرزو میری طرح کرنے سے ہی سکو گریز
یوں تو ہونے کو ہوئے ہیں آرزو الے بہت
تھک رہے فکرِ جفا ہر دم مجھے فکر و فنا
ایک جاتی ہے تو دوسرے جو دہو جاتی ہیں وہ
اک جہانِ آرزو ہر وقت میرے دل میں ہے
آرزو آئی جہاں دلیں مجھے آئی ہنسی
روز و آفتابِ ندامت کے بہا کر آئندہ سے
میری بیانی کا کچھ انداز مل جائے تجھے
بے سبب گردش میں کب ہوں قافلہ ہاتھاب
دشت گلشنِ بنگلے تقلیدِ رنگیں سے مری

کون پڑتا ہے نمازیں با وضو میری طرح؟
کوئی آوارہ ہو پہلے چاروں میری طرح
چاہتے سب ہیں کہ نکلے آرزو میری طرح
کس نے کھائے ہیں قریب آرزو میری طرح؟
الغرض تیری طرح میں نہیں نہ تو میری طرح
ہو نہ دشمن بھی شکار آرزو میری طرح
کون ہو گا آرزو ہی آرزو میری طرح؟
کون اڑائے گا مذاق آرزو میری طرح؟
کون کر سکتا ہے دلکشت و شو میری طرح؟
کاش میں تیری طرح ہو جاؤں میری طرح
کر رہے ہیں یہ بھی تیری جستجو میری طرح
جکوپ دیکھو ہے اسیر رنگ بو میری طرح

پھر کرے رشک آرزو کو مری لاشتر کوئی

پہلے ہو لے کامکار آرزو میری طرح

۱۵

۶۶

بے نیازِ نالہ و آہ و فغاں ہونے کے بعد
لطفِ ملتا ہے گلے کا بے زباں ہونے کے بعد
فائدہ کیسا حملہ برقِ طپساں ہونے کے بعد

ساری دُنیا جمع ہو جائے دُھواں تونے کے بعد
 خوگرِ مہر وفا پہلے ہی تم نے کیوں کیا
 ہے ستم نامہربانی، مہرباں ہونے کے بعد
 میرے دل کا حال سب آنکھوں نے اُن سے کہیا
 نامناسب تھا یہ ان کو راز داں ہونے کے بعد
 جو میں اُن کے کمی ہوتی نہیں ہے نام کو
 یہ سلوک اور مجھ سے، لاکھوں مٹھانے کے بعد
 خوگرِ قیدِ قفس سے کیوں پھڑتے ہیں قفس
 وہ بھی قطعاً بے نیازِ اشیاں ہونے کے بعد
 حشر تک روئِ گی شبنم اُس چمن کے حال پر
 جو بیا باں ہو گیا ہے گلستاں ہونے کے بعد
 پہلے سو سو و سو سے آتے ہیں ل میں قدرتا
 دل کو ہوتا ہے یقین وہم و گمانِ تپنے کے بعد
 کیا یہی رسمِ وفا ہے، اسے وفادارِ من تباہ
 اس قدر نامہربانی مہرباں ہونے کے بعد
 آرزو میں کم ہیں جب تک ہو رہی ہے روک ٹوک
 لوٹتا ہے پھر کہیں پانی رواں ہونے کے بعد

آئیں گے مسجد بھی ہینچانے سے لے دھنڑا نہ روک
 ہم وہاں بھی جائیں گے لیکن یہاں ہونے کے بعد
 کیوں مصیبت سے چرائے کوئی اس دنیا میں دل
 پھولتا ہے باغ، بربادِ خزاں ہونے کے بعد
 قابلِ انوس ہے اُس رہرو منزل کا خواب
 جو اٹھے بانگِ درائے کارواں ہونے کے بعد
 اس تنِ خاکی سے کر لے خدمتِ اہل جہاں
 پھر ہے کس مصرف کی مٹی رائیگاں ہونے کے بعد
 اور ہی نظروں میں ہو جاتی ہے قدرِ آشتیاں
 اک در اٹیر ہی نگاہِ باغباں ہونے کے بعد
 آرزو میں لطفِ دیتی ہیں جہانِ عشق میں
 کچھ جواں ہونے سے پہلے کچھ جواں ہونے کے بعد
 آنکھ میں نیو ہیں جب تک، ضبط کا امکان ہے
 پھر کہیں تہمتے ہیں یہ ظالم رواں ہونے کے بعد
 قہر ہے نشترِ چمن کا چھوٹا انسان ہے
 وہ بھی مانوس نشاطِ آشتیاں ہونے کے بعد

ہے نظر ہر شخص پر ہر شخص کا دل دیکھ کر دم بخود ہوں محفلِ واندازِ محفل دیکھ کر

جانے کیا کیا ان سے ہم کہنے گئے تھے بزم میں
 باغباں برہم نہ ہوا ہم کو چمن سے کیا غرض
 ہم ہی خود ہیوش ہو جائیں تو جلو دل کا قصور!
 ایک ساز بے نوا ہے جھک ساری کائنات
 اک شکر کو وفا پسہ اِنانے کی ہے فکر
 پتہ پتہ ہے چمن کا بے وفا و بے ثبات
 ہم تو دعوے خون کا محشر میں گئے سو ہے
 اب تو کچھ دل میں نظر آنے لگا تاج ہمیں
 صورتِ انساں اک آئینہ ہے اُسکے قلب کا
 یوں بھری محفل میں تیا ہے کسی پر کوئی جان
 لے دل آرا دو گھڑی کو محفلِ دلیں بھی آ
 غم نہیں برباد ہو جانے کا راہ شوق میں
 عرش بھی فرشِ زمیں سے پست آتا ہے نظر
 کچھ نکایت آپ کے جو رفراواں کی نہیں
 فیض سے تیرے پہنچ جانا کوئی مشکل نہیں
 غم میں اپنے غرق رکھ لے بحرِ ناپیدا کنار
 زلیت سے بیزار تھا ہی موت سے بھی ہوں نفور

مُنہ سے کچھ بھی تو نہ نکلا رنگِ محفل دیکھ کر
 آگے تھے گرمی شورِ عفتِ دل دیکھ کر
 کیا کرے دریا جو ہم لوٹ آئیں ساحل دیکھ کر
 آج میں اُٹھا ہوں یارب کسکی محفل دیکھ کر
 کام جو کرتا ہوں میں، کرتا ہوں مشکل دیکھ کر
 اشیاءِ پناہاں رکھیں عدا دل دیکھ کر
 تم نہ بول اُٹھنا کہیں تصویرِ بسمل دیکھ کر
 لوٹے منزل سے کیا آثارِ منزل دیکھ کر
 قعرِ دریا ہم سمجھ لیتے ہیں ساحل دیکھ کر
 دیکھ پروانے ذرا آدابِ محفل دیکھ کر
 دنگ ہو جائیگا اب تو اپنی محفل دیکھ کر
 خود سنبھالے گا کوئی بربادِ منزل دیکھ کر
 آ رہا ہوں آج میں یہ کسکی محفل دیکھ کر
 ہے پریشانی مجھے کو تا ہی دل دیکھ کر
 استطاعت سے سمجھ لینے کی منزل دیکھ کر
 کشتیِ دل بیٹھتی جاتی ہے ساحل دیکھ کر
 زندگی ہی زندگی مرنے کا حاصل دیکھ کر

اے دل پر شوق یہ ہے کوئے جانا الوداع
مضطرب دل لیکے جاتا ہوں یکگی بزم میں
منزل مقصود یوں ملنی بہت دشوار ہے
میں نے آخر فکر منزل سے کنارہ کر لیا
تسلی محفل بنکے پہلے تو جلا ڈالا ہمیں
اب وہ گوبند منزل ہے نہ وہ نشر کا دل

کوئی لوٹا ہے کہ ہم لوٹیں گے محفل دیکھ کر
جذب محفل کاش میں ہو جاؤں محفل دیکھ کر
وہ مراد بہر ہو جو آیا ہو منزل دیکھ کر
گم رہی کی شورشیں منزل بہ منزل دیکھ کر
اب کھڑے پختا ہے ہن خاک محفل دیکھ کر
آپ جیسے جلدیے گو بند منزل دیکھ کر

اپنی اپنی عافیت کی سب کو نشر فکر ہے

۲۵

۶۹

اک کنارے ہو گیا دریا بھی ساحل دیکھ کر

اُسے پائے گا تو دیوانہ بن کر
کہیں انجمن میں ہے تسلی فروزاں
جو ہنسا میں عاشقوں میں تھا ہے
یونہی وحشتِ دل جو بڑھتی رہیگی
نہ کردوں میں برہم جہاں کو تو کتنا
محبت سے اپنی نہ تھی یہ توقع
رہا ربط دل کا جو آنکھوں کی آنکھی

وصال اُس کا ہوتا ہی بیگانہ بن کر
کہیں جل رہا ہے وہ پروانہ بن کر
تمہیں دیکھ لیتے ہیں دیوانہ بن کر
رہیں گے کسی روز دیوانہ بن کر
مکمل تو ہو میرا افسانہ بن کر
کہ رہ جائیگی ایک افسانہ بن کر
رہیگا یہ پیمانہ میخانہ بن کر

۱۵ مراد مکان مصنف سے ہے۔

۱۶ یہ اشارہ گوبند منزل میں حضرت مولانا سیاب اکبر آبادی کی پہلی تشریف آوری کی طرف ہے۔

کہو عقل سے میرا دامن نہ پکڑے کہ ہے لطف جینے کا دیوانہ بنکر
 قسم ہے تجھے دو دواہ منسل ذرا چھاتو جا ابرِ منیٰ نہ بنکر
 میں بجن کے کام کا ہو گیا ہوں محبت میں دنیا سے بیگانہ بنکر
 میں صد تے تری مست نظروں کے سانی جہاں رہ گیا صرف میخانہ بنکر

شہادت کی دُھن میں جھومتے ہیں نشر
 وہ ہی لوٹ آتے ہیں پردانہ بنکر

۱۲

پھر اُس نے اک نظر بھی ڈالی بہار پر جس کی ٹہری نگاہ دلِ داغدار پر
 کھائیگا کون ترس مے حال زار پر تکیہ ہے صرف رحمت پروردگار پر
 ہر وقت تاک میں ہے فلک بھی زمین بھی کس کی نظر نہیں می مُشتِ غبار پر
 آئے نہ ایک بار جو بھولے سے جیتے جی بیٹھے ہیں سر جھکائے وہ لوحِ مزار پر
 یہ بیکلی۔ یہ سوز نصیبی۔ یہ اضطراب سو بجلیاں نثارِ دلِ بقیار پر
 وحشت میں نہکِ آبلہ پائی نہ پوچھے سو پھول کھل گئے تھوہر اک نوکِ خار پر
 صیاد بکسی پہ مری کچھ تو رحم کر کیا تیرے کام آئینگے میرے یہ چادر پر
 ایک لکِ ذرہ اس کا ہے صدیہ صد ہا لے آسمانِ جامِ می مُشتِ غبار پر
 اب چاہے وہ بناے مجھے یا کر و خراب اب تو نگاہِ جم ہی گئی چشمِ یار پر
 سب کے لئے عودن ہے ہر جلد یا بے آتی ہے ایک روز خزاں بھی بہار پر
 جو آجکل ہے امن کہاں تھا بہار میں تزیجِ فے رہا ہوں خزاں کو بہار پر

آنا رکھ ہے ہنسی و انحصارِ زیت
 تیرے ستم پہ میرے دل بقیار پر
 کیا کچھ بد لگیا ہے مزاجِ نسیمِ صبح
 کچھ پھول نکلتا ہوں میں اپنے مزار پر
 لے آبروئے عشق یہ تو میں ہے تری
 وہ ہنس ہے ہنس گریہ بے اختیار پر
 تھا آج اتہامِ تماشائے کائنات
 لیکن نگاہِ رگ گئی تصویرِ یار پر
 دی تھی جو تو نے جانِ صلہ اسکا مل گیا

۷۱

۱۶

نشر وہ دیکھ آئے ہیں تیرے مزار پر

دور ہے کہ بن نہ جائے دل بقیار پر
 سواقتیں ہیں یک مری جانِ زار پر
 تھا فرضِ توبہ توڑنا ہر بادِ خوار پر
 بارِ شکستِ توبہ ہے ابر بہار پر
 نیرنگِ موسمِ گلِ ولالہ نہ پوچھے
 گل درکنار، خار میں پوری بہار پر
 آنکھوں میں مسموم اور انھیں نے عاری ہو
 ہر سانس بار ہے دلِ امیدوار پر
 انساں خدا کا نام بھی لیتا ہو اس طرح
 احسان جیسے کرتا ہو پروردگار پر
 یارب مجھے نتیجہ فرما دل گیا
 دلگیر ہیں وہ آج کے حالِ ار پر
 نکلتی تھی تو نے قیدِ جب مر لے
 پھر کیوں عطا کئے مجھے پروردگار پر
 آتا ہے صبح و شام کوئی بہرِ فاتحہ
 سو جنتیں نثار ہائے مزار پر
 کیونکر گذر رہی ہے ہماری مزار میں
 کیا جانیں آینوالے ہائے مزار پر
 انسان ہے تو خدمتِ انساں کر و بشر
 ہے اسکو فوقِ خدمتِ پروردگار پر
 اب ہم ہیں مرگوشہ نشینی و خاموشی
 وہ دن کہاں کہ بند نہ تھے ہم ہزار پر

بھولا ہوا ہے موت کی ساعت کو آدمی
 پروانے بھکویا دلاتے ہیں ہم دست
 پوچھے کوئی ہمارے دل بقرار سے
 جن کو ہوا یقین محبت نہ جیتے جی
 یہ بتقاریاں تھیں شبِ وصل میں کہاں
 میرا سکون خاک میں کس نے ملا دیا
 شاید یہ میرے آخری خط کا جواب ہی
 اتنا غرور زندگی میں تھا پر
 گرتے ہیں ٹوٹ ٹوٹ کے شمع مزار پر
 جو کچھ گذر رہی ہے دل بقتل پر
 وہ سترنگوں کھڑے ہیں ہائے مزار پر
 دیتے ہیں ہم تو جان شب انتظار پر
 کس نے یہ پھول رکھ دیے میرے مزار پر
 کچھ لکھ گئے ہیں مرے نگ مزار پر

نشر نہ دیکھ داغِ جگر کی فسر دلی

۴۲
 آئیگا یہ چمن بھی کسی دن ہمارے پر
 فکرِ دنیا میں پڑا ہوں فکرِ عقبی چھوڑ کر
 اسے دلِ نا آشنا محوِ تمنا چھوڑ کر
 فکرِ کعبہ چھوڑ کر فکرِ کلیسا چھوڑ کر
 ہم تمھارے در پہ آ بیٹھے ہیں دنیا چھوڑ کر
 غم کی آگ جاگدلیں دی صبر و شکیب
 دہر فانی کی حقیقت اُسکے دل سے پوچھئے
 کچھ تو ہو صحرانوحی کچھ تو ہو گلشنِ معین
 چھوڑ دیگی تجھ کو یہ دنیا مقرر ایک دن
 ۱۹
 تشنہ یک قطرہ فانی ہوں دریا چھوڑ کر
 جلد یا طالم کہاں تو مجھ کو تنہا چھوڑ کر
 بیٹھ کر کوئی عافیت میں ساری دنیا چھوڑ کر
 ہم سے اکدن ہم سخن ہو جائیو اچھوڑ کر
 بیٹھنا پہلو میں لیکن غم کا رستا چھوڑ کر
 جا رہا ہو جب کوئی دنیا سے دنیا چھوڑ کر
 برق گرتی ہے یہاں امانِ صحرا چھوڑ کر
 عقل ہو مجھ میں تو ملے تو بھی دنیا چھوڑ کر

یوں نہیں کھتا فریب ہستی ناپائیدار
 جکی محتاجِ کرم دُنیا بھی ہے اور میں بھی
 آرزو مند نشاطِ دہر اس دُرسے نہیں
 عیشِ بے پایاں ہم رہے کہاں دُنیا کا عیش
 ساتھ کیا کیا لے چکے اسکا نہیں بکھو خیال
 جو بھلائے تم کو ایسا رنگِ بوکس کام کا
 مستی بہستی میں دمِ غلط شاعرانہ ربط ہے
 تونہ ہو اور اہلِ دنیا جی سکیں ممکن نہیں
 آپکے جاتے ہی سنتے ہیں کہ آنکھیں پھریں
 سُشتِ ثوبوں گناہوں کی نہ میر ہوئی
 آپکے پیچھے یہ دُنیا دوڑتی ہے کس طرح
 کوئی گھرا لے دیکھیں اور نا اُمیدیاں
 لے بھکاری مانگ کر اتیک بھجے کیا ملے گی
 بعدِ مرنِ اک جہاں زر ہے میر ساتھ
 شامِ غم و لیں بایا انجی زلفوں کی خیال
 بھوکا کھائے گا کیوں اس دُنیا کو دل
 ہر قدم پر اب نظر آنے لگے اہماؤ سے

رنگِ ہنس دُنیا کا غافل دیکھ دُنیا چھوڑ کر
 کیوں ہو جاؤں کسی دین دُنیا چھوڑ کر
 غم چلا جائے ترا، دلو مبادا چھوڑ کر
 آبِ بستہ کون لگا آبِ دریا چھوڑ کر
 ہے خیال اسکا چلے دُنیا کی کیا چھوڑ کر
 سوتے گلشنِ مابین کیوں صحرا سو چھوڑ کر
 زندگی کچھ زندگی ہو جامِ صہبا چھوڑ کر؟
 مچھلیاں زندہ کہیں رہتی ہیں دریا چھوڑ کر
 آپ جس ہمار کو آئے تھے چھا چھوڑ کر
 دیکھنا ہو ابدن آنکھوں دریا چھوڑ کر
 آپ دیکھتے تو کبھی دامنِ دُنیا چھوڑ کر
 یہ مرا بھولا پھلا پارِ غمت چھوڑ کر
 دیکھ کچھ دنِ لعنتِ عرضِ تنہا چھوڑ کر
 ایک دُنیا لیچلا ہوں، ایک دُنیا چھوڑ کر
 دوسرا سودا لیا سر، ایک سودا چھوڑ کر
 زہر کوں پیسا غافل جامِ صہبا چھوڑ کر
 پہلے کیا کیا خوش تھے ہم گلشن میں چھوڑ کر

پھر یہ ہے پوچھے کیونکر گیا پہلو سے دل
قدرواں اپنا نظر آتا نہیں کوئی یہاں
چشمِ ظاہر بند کر لو چشمِ باطن کھول لو
کاش انساں چھوڑ دیتا زندگی ہی میں ہے
ساری دنیا کی ہے ساری خدائی اُسی ہے

آج راحت ہے یہاں تو کل مصیبت وہاں

۳۱

نشر آسودہ کبھی ہو جایہ دنیا چھوڑ کر
سترِ اقدمِ ملال کی تصویر دیکھ کر
آزاد فطر تا ہوں کچھ اسکا ہے لحاظ
قیدی تمہارے لطیفِ اسیری میں ہوں سیر
نالے بھی وہ ملے ہیں بفضلِ خدا تجھے
اتنی جفائیں آپ کی اتنے قصود پر
بر بادِ خانہاں ہوئے مدتِ گذر گئی
کیونکر کوئی خطاؤں سے مُنہ اپنا مو لے
پوری جو آرزو ہو وہ کرتے ہیں آرزو
دُہندلی سی ہے نظر میں شبیہِ مہِ تمام
تیرِ نظر کو دلیں نہ رکھ لوں تو کیا کروں

۴۳

دلگیر ہو گئے مجھے دلگیر دیکھ کر
پہنا بیگنا پاؤں میں زنجیر دیکھ کر
کرتے ہیں زورِ طاقت زنجیر دیکھ کر
جو بھاگتے ہیں صورتِ تاثیر دیکھ کر
تغزیر دیجئے مریِ تقصیر دیکھ کر
قُتلتے ہیں اب بھی برق کی توبہ دیکھ کر
رحمتِ خدا کی لوٹ ہے تقصیر دیکھ کر
ہم دیکھتے ہیں خواب بھی تبیر دیکھ کر
اُتری ہوئی سی آپ کی تصویر دیکھ کر
دل اختیار ہی میں نہیں تیر دیکھ کر

سب کی نظر ہے، ہاری طرح بھی ہو۔ ہلکا سا اک ادھر بھی کوئی تیر دیکھ کر
جز ترک آرزو مجھے نشر مفر نہ تھا

۷۲

ہر آرزو کو پاؤں کی زنجیر دیکھ کر

۱۲

کیا بات ہے کیا ہو گئی کچھ میری نظر اور
آتش تو کرم مجھ پہ کراے دیدہ تر اور
ہو جائے جو دل عشق سے مانوس تر اور
قائم جو رہا حال یہ دو چار پہر اور
تم لاکھ یقین مجھ کو محبت کا دلاؤ
جس نے مجھے بیگانہ کونین کیا تھا
کچھ اور تھا وہ اپنی محبت کا زمانہ
بندہ ہوں قناعت کا مجھے ان نہیں کام
سویا کی بتی ہوئی ہم کہتے ہیں اپنی
کافی نہیں اب درد کو دل ایک جگر ایک
دشمن کی عنایت ہو کہ ہو خوبی قسمت
تو پاس ہے اور دیکھ نہیں سکتے تجھے ہم
تم زخم جگر کے، نہ بہت غور سے دیکھو
دل مانگ رہا ہے ترا درد اور زیادہ

تم آئے تو اب کچھ نظر آنے لگا گھر اور
جوان کی نظر اب ہے وہ ہو جائے نظر اور
جو چشم تماشیاں یہ بام اور یہ در اور
بیمار کا انجام پھر آتا ہے نظر اور
آگاہ ہوں، ہوتی ہے محبت کی نظر اور
ممکن ہو تو اک ویسی ہی دزدیدہ نظر اور
دن رات ہی وہ اور تھے، وہ شام سحر اور
اب حرص ہو اسے کہو دیکھیں کوئی گھر اور
تھی تیری نظر اور تو تھی سب کی نظر اور
مل جائیں آبی مجھے دل اور جگر اور
کچھ روز سے ہم دیکھتے ہیں انکی نظر اور
ہو کاش میسر ہیں تو سب نظر اور
گھرے کہیں ہو جائیں نہ یہ زخم جگر اور
آتی ہے جگر سے یہ مدد درد جگر اور

کچھ دن سے نظر اور نظر آتی ہے اُن کی
 کیوں پر حرم میں تجھے خالص ہے دل
 کیا دیکھتے جذبات شہادت کا ہوا بجا
 اب ہجر کی شب اس کی دُعا بھی نہ کرینگے
 گو میں سمجھتا ہوں ابھی دل ہے مع انحر
 اُس بزم سے اُنھنے کو طبیعت نہیں ہوتی
 یا ہو گئی کج بخت ہماری ہی نظر اور
 کیا کوئی ادھر اور ہے نادان ادھر اور
 قاتل کی نظر اور ہے سبیل کی نظر اور
 ہم مبنی کشش کرتے ہیں مچتی ہو سحر اور
 ٹپتے ہیں گر خون بھرے اشک، خبر اور
 جی چاہتا ہے دیکھ لوں پھر ایک نظر اور

کافر ہو جو عاجز ہو غم عشق سے نشر

۲۱

ہم اور بھی لیلیں، ہو غم عشق اگر اور

جو کرتے نہیں وہ جو رکے قابل ہو کر
 جب بھی آئے ہیں مری بزم میں مل ہو کر
 لوٹ آنا تو روا ہی نہیں اُس محل سے
 یک بہ یک منزل مقصود کہیں ملتی ہے
 طو کی طرح نہیں، ہوش میں رکھ کر مجھ کو
 نہ ملی منزل مقصود تو غم کیا اسکا
 ماہ نو کے ہی تیور ہیں اگر کچھ دن اور
 چھوڑتے ہی نہیں رنج و غم فرقت مجھ کو
 اللہ اللہ یہ دردِ دل و آلامِ فراق
 قتل کرنا نہیں آتا انھیں قاتل ہو کر
 سر پاتک بخدا آئے ہیں ہم دل ہو کر
 بزم میں جائے پروا نہ محفل ہو کر
 ہجر کا ملنا ہے رستہ سر ساصل ہو کر
 مجھ سے اک بات کسی روز مقابل ہو کر
 ابھی نکلے ہیں کہاں طالبِ منزل ہو کر
 دیکھ لینا یہ رہ گیا مسہ کامل ہو کر
 رہ گئے ہیں مری تقدیر میں شامل ہو کر
 زندگی رہ گئی ہے موت کا حامل ہو کر

ہو گیا ناز کے قابل دل صد چاک مرا اُن کے تیز نگہ ناز سے بسمل ہو کر
چھوڑ کر کون تری یاد کو دنیا میں پھنسے کون ہو جائے ستارہ مہِ کامل ہو کر

پھینک دوں دل کو کہیں چہرے پہلو نشتر
کام میرے نہیں آتا یہ مراد دل ہو کر

۷۶

۱۳

تارِ مکت و ترک ہے مراد دل ترے بغیر یہ آساں ہے، بے مہِ کامل ترے بغیر
چلتا نہیں ہے کام کچھ ایدل ترے بغیر کچھ بھی نہیں ہے عشق کا حاصل ترے بغیر
میٹھی پلید تھی مری ایدل ترے بغیر ہوتا ہی کون عشق کے قابل ترے بغیر
ٹڑپا کیا ہے رات کو قاتل ترے بغیر کرتا ہے کون پریش بسمل ترے بغیر
اللہ آ کہ ہجر میں جینا تو درگستار مرنا محال ہے سبھے قاتل ترے بغیر
مخدر ہار میں تھیں تو ہی بچاؤ توفیق سکوں ممکن نہیں سانیِ ساحل ترے بغیر
قربان تیری قدرتِ کامل کے اے خدا قائم ہے کی طرح تری محفل ترے بغیر
طوفان سے پار ہو گئے سب لیکے تیرا نام ہم رہ گئے کھڑے سرِ ساحل ترے بغیر
مخل وہی ہی، بیٹھے والے بھی ہیں وہی لیکن نہیں درونِ محفل ترے بغیر
اے جذبِ شوقِ منزل مقصود، اللہ مشکل ہے کامیابیِ منزل ترے بغیر
جنت کو بھی سلام، اگر تو نہ ہو وہاں جنت میں بھی ہوتو ہوں اصل ترے بغیر
اے حُرُن بے نیاز، تفاعل کی حد بھی ہے سونی ٹری ہے عشق کی محفل ترے بغیر
اے عشق تو نہ ہو تو گلوں کھلائے کون نغمے کہاں سے پائیں عناد دل ترے بغیر

تو آگیا خدا کی قسم خیر ہو گئی
 کیا کچھ نہیں ہے دید کے قابل ہوا، مگر
 والہ حُسنِ عشق سے ہیں سرخ و شاد
 بھلا میں کس طرح دلِ خوشی کو کیا کرتی
 سو سو طرح کے ہیں ل مفسر کو دوسے
 چرخِ کُن میں تُو نے نگاہے ہیں چا چاند
 تجھ پر مرے نہ سارا دما تو کیا کرے
 ہمت کہاں تھی کہ نکلتا تلاش میں
 تھا یہ ترا کرم، مجھے اپنا بنایا
 رنج و الم بھی پیار کے قابل ہیں تیرا ساتھ
 لے عشق تو نہ ہو تو نظامِ جہاں کہاں
 تو بھی تو، کہ تیرے لئے مر رہا ہو نہیں
 سو گئی بے جو آنکھ اٹھائی ہو اُس طرف
 ہر چیز میں خلش ہے اگر تو نہ ساتھ ہو
 محفل کا حال کیا ہو جو موجود تو بھی ہو
 ہر جہت شراب میں ہیں تلخیاں ہنوز

تھا بیعتِ آج بہت دل ترے بغیر
 کچھ بھی نہیں ہے دید کے قابل ترے بغیر
 میرے بغیر کچھ ہے نہ قابل ترے بغیر
 لگتا نہیں ہے آج کہیں دل ترے بغیر
 تنہائیاں بھی ہیں مجھے مغل ترے بغیر
 تھا ورنہ اُس میں کیا مکمل ترے بغیر
 جیسے کا لطف ہی نہیں قاتل ترے بغیر
 آئی گئی ہوئی مری منزل ترے بغیر
 ہو تانہ میں کبھی تے قابل ترے بغیر
 خوشیاں بھی احتراز کے قابل ترے بغیر
 یکجانہ ہو سکے کبھی دو دل ترے بغیر
 خجور کر لگا کیا مرے قاتل ترے بغیر
 آیا تھا رات کو میرے مکمل ترے بغیر
 خجور سے کم نہیں میرے مکمل ترے بغیر
 جب اس قدر ہے رونق مغل ترے بغیر
 آبِ حیات ہے سیم قابل ترے بغیر

نشر پہ بھی نگاہِ کرم ہو کسی طرح

۳۰ ہے اُس کا بہت دل ترے بغیر

اسو کی فکر سے خالی نہیں ہے دل ہنوز
کب ہے شوق شہادت اور نہیں سب ہنوز
ہے محبت میں وہی جیسا رگی دل ہنوز
خاک اُڑاتا میں بھی آیا ہوں راہِ عشق کی
ایک مدت ہو گئی دل جب اپنا دل نہیں
جسٹے منزل مقصود اک مدت سے ہے
آپ کی شکل کشائی کی زمانے میں ہے دھوم
روح ہے بیاب، دلکی دھڑکنیں پر شور میں
ایک ہی کڑے انھیں لے لذت آزاد عشق
اب جو منزل ہی ترس کھا تو بن سکتی ہر بات
خاک پر دانہ کہاں ہو، نفس پر دانہ کہاں
راہرو کی سڑ مہری سے نہیں بانوس میں
کس قیامت کی نظر تھی آپ کی پہلی نظر
جانتے ہیں انکے دل پر مہ نہیں سکتا اثر
تیری محض سے مجھے آئے زمانہ ہو گیا
موت پر وانی کی ہے دراصل اس کی زندگی

تیرا گھر اور تیرے رہنے کے نہیں قابل ہنوز
جس کو قاتل کہہ باہوں وہ کہاں قاتل ہنوز
سخت مشکل ہے کہ ہے مشکل مری مشکل ہنوز
اڑ کے بیٹھی تک نہیں گردِ درہ منزل ہنوز
ہم کئے جاتے ہیں لیکن دل کو اپنے دل ہنوز
ہے وہی صبر آزما، گمراہی منزل ہنوز
سخت حیرت ہے کہ ہے مشکل مری مشکل ہنوز
اور ہم ہوئے نہیں ہیں تا در محض ہنوز
متقل سی اک غلش ہے فرق در و دل ہنوز
دور ہے منزل سے اپنی طالب منزل ہنوز
زنگِ محض میں نہیں ہے، اگر مئی محض ہنوز
دل کو گرائے ہوئے ہے حسرتِ منزل ہنوز
ہو رہا ہے در و درہ کہ قریب دل ہنوز
ہم کئے جاتے ہیں لیکن آہِ لا حاصل ہنوز
سامنے نظروں کے ہے لیکن تیری محض ہنوز
خاکیں ملکر بھی وہ ہے زینتِ محض ہنوز

ہوش ہے کچھ کچھ مجھے ساقی دریا دل ہنوز
ایک دن ہر ماہ آتا ہے مکمل ہنوز
بحر بھی پر شور ہے خاموش ہے ساحل ہنوز
آتے ہیں لینے وہ مجھ کو تادیر محفل ہنوز
بار بار بزم ہے، پروانہ محفل ہنوز
دیکھنے پائے نہ تھے ہم رونق محفل ہنوز
تو کہاں ہے سرگران کاوش منزل ہنوز
دل یہ کہتا ہے کہ میں کے نہیں قابل ہنوز
جس کو دل کہنے لگے دنیا، کہاں دل ہنوز

ہاں پلائے جایو نہی ان مست آنکھوں سے شراب
پھر نہ لوٹی وہ جوانی، وہ مرا عہد شباب
دیکھئے ہو کشتی طوفان کا کب تک فیصلہ
حسن کو بد نظر ہے خیر مت دم عشق کا
ہم گئے تو پھر نہ قسمت لائی محفل میں تری
دیکھتے ہی دیکھتے برخاست محفل ہو گئی
ڈھونڈنے والے کہیں ملتی ہے منزل اس طرح
آرزو سے دید جاں کیا کروں کیونکر کروں
اپنی جانب سے کچھ تو ہے جھاؤں میں کمی

ہو چکا ہے کون شتر غرق گرداب فنا
موج ٹکراتی ہے سراسر پالاب سائل ہو

۲۶

۷۸

نہیں ممکن ترا جواب ہنوز
ایک میں ہوں کہ ہوں خراب ہنوز
آنکھ ہے ساغر شراب ہنوز
نہ ہوئی وہ بھی مستجاب ہنوز
نہیں آثار آفتاب ہنوز
ہے مگر نیند اپنی خواب ہنوز

ماند ہے تجھ سے ماہتاب ہنوز
ایک تو ہے کہ مست خواب ہنوز
ریخ انور ہے آفتاب ہنوز
عمر بھر میں بس اک دعا کی تھی
کب ہوئی تھی شب فراق کی شام
اُن کے آنے کی کچھ امید نہیں

داغ دل ہو گئے فترہ کیوں
 شکر یہ آرزو نصیبی سکا
 ایک دو بوندا زل میں پی لی تھی
 عشق میں اتنا ہی حضرت شامی
 تھا جو بے مثل و لا جواب کہی
 بعد محفل بھی سامنے میں مرے
 کچھ اضافہ قیام میں نہ ہوا
 رنگ عالم بدل چکا ہے بہت
 ہوئی طوفانِ نوح کو مدت
 سفرِ حشر عشق کب سے ہے
 جس کے ملنے پر انحصارِ زیت
 میں قربان جان تک کر دی
 کب سے آراستہ ہے بزمِ شراب
 ہوں جوانی پر آفتاب ہنوز
 دل میں ہے گرمیِ شباب ہنوز
 دل میں ہے مستیِ شراب ہنوز
 کیا وہ ظالم ہے بے نقاب ہنوز
 ہے وہ بے مثل و لا جواب ہنوز
 ساقی و محفل و شراب ہنوز
 زیتِ انساں کی ہر جواب ہنوز
 چاہئے ایک الفتِ اب ہنوز
 کتنی دنیا ہے زیرِ آب ہنوز
 ہیں مگر ہم کنارِ آب ہنوز
 اُسکا ملنا خیال و خواب ہنوز
 اُس کو مجھ سے ہے اقتباب ہنوز
 کیوں نہیں چرخِ پر حجاب ہنوز
 نشر آئے وہ اور چلے بھی گئے

۴۹

۲۰

ہے وہ ہی دلیں اضطراب ہنوز

راتِ ن تھا گلِ قشاں ابر بہارِ اکبر
 آئی ہے کس رنگ سے فصلِ بہارِ اکبر
 خوب برسی رحمت پر در و گارِ اکبر
 رنگ پھولوں کا لئے ہے فارغِ اکبر

جانے کیسے آئے ہیں لیل و نہار اب کے برس
 ایک ساغر کی جگہ ہوں چار چار اب کے برس
 کیسے گزری گی مرے پروردگار اب کے برس
 بد مزہ سی ہے شراب خوشگوار اب کے برس
 دیکھیں آتی ہے کہاں فصل بہار اب کے برس
 دل ہوا جاتا ہے کیوں اختیار اب کے برس
 یونہی اڑ جائیگی کیا فصل بہار اب کے برس
 آئے ہو جائیں پھر قول و قرار اب کے برس
 سال بھر پوری رہی ہم بادہ خوار اب کے برس
 پھر نہ جیسے آئیگی آکر بہار اب کے برس
 اپنے اپنے آشاں سے ہوشیار اب کے برس
 کاش ٹل جائے کہیں فصل بہار اب کے برس
 بات جب ہے ہو گریاں تار تار اب کے برس

ایک ساعت بھی نہیں دل کو قرار اب کے برس
 و لیں ساتی ہے بہت کیف بہار اب کے برس
 آگئی صیاد کے گھر بھی بہار اب کے برس
 کچھ مزہ دیتی نہیں فصل بہار اب کے برس
 باغ میں آتی ہے یا غم خانہ صیاد میں
 فصل گل تو ہر برس آتی تھی محسن باغ میں
 ساقیاں میں تیری چشم مت و میگوں کے تئیں
 بھونچا میں آپ شاید ہو رہا ہے سال ختم
 فیض ساتی کی بدولت کچھ نہ وعظ کی صلی
 کوئی دیکھے تو ذرا میری جنوں سامانیاں
 پچھلے برسوں کی طرح دھوکا نہ کہائیں بل باغ
 ہم اسیری میں خدا معلوم تر ہیں کس قدر
 چاک ہی پر اکٹا اب کے نہ ہو دست جنوں

ایک دن بھی جا سکے نشر نہ ہم سوئے چمن

کس بُری ساعت سے آئی تھی بہار اب کے برس

۱۶

جی میں آتا ہے نکل جائیں بیاباں کی طرف
 جی نہیں ہوتا کہ اب دیکھیں گلستاں کی طرف

جو بلا آتی ہے آتی ہے گلستاں کی طرف
 وہ وہی گلشن، وہ وہی گلشن کے تپے پھول پھل

۸۰

تاب کی ہے کہ دیکھ برق عریاں کی طرف
کس کی جاتی ہے نظر اسرار نہاں کی طرف
پھر گھاؤ بھی چڑھائی ہے گلستاں کی طرف
بھیجتے ہیں کیوں ہوائیں میرے زنداں کی طرف
آنکھ اٹھا کر دیکھ لیتے ہیں گلستاں کی طرف
ہاتھ پھر جانے لگے جیب تو گریاں کی طرف
اب تصور بھی نہیں جاتا گلستاں کی طرف
ہم سے کہہ کر کیوں کوئی جاؤ گلستاں کی طرف
کچ ہے میں سب مگر گور غریباں کی طرف
تم چلے جانا ادھر، ہم کوئے جاناں کی طرف

جن کو اپنے حُسن و رعنائی پہ نشتر ہو غور

۱۳

روز ہو آیا کریں گور غریباں کی طرف

گناہوں مجھ ہونے نہیں تپاں تک
پونچا کیوں نہیں بہت جواں گریباں تک
خرام بکیسی محدود دیوار زنداں تک
نہیں ہوتا ہے پاداش وفا کا جکواراں تک
ہماری منزل سے زمین کوئے جاناں تک

حضرت موسیٰؑ ہے الزام ناکامی فضول
حُسن ظاہر پر رہا کرتی ہے دنیا کی نظر
میکسٹو آؤ چلو پھر بارہ نوشی کی ٹھنہ
ہم صنفِ لہن چمن کو منع کر دیتا کوئی
دل بہت اپنا جو گھبراتا ہر زندان میں کبھی
فصل گل آتے ہی تحریکِ جنوں پیدا ہوئی
ہو گئے زنداں میں ن اتنے کہ ہم تو اک طرف
کچھ ہمارے دل کا بھی لازم ہر زنداں میں لحاظ
آدمی کو مونہ احساس اس کا ہے یہ بات اور
آؤ وعظ و فہد کی جانب چلیں کچھ دُور ساتھ

۱۴

نہیں آتی ہے اُسے آج میرا چشم گریاں تک
رہیں گے چاک کیا محو داب کے جیب و اماں تک
اسیری میں کہاں ممکن کہ پونچیں ہم گلستاں تک
محبت پھولتی پھلتی انھیں کی ہم نے دیکھی ہے
نہ ہو ہم کو خبر، لیکن لگا ہے تارِ جہلی کا،

گلستاں میری نیا ہے، مری نیا گلستاں تک
 زمانہ ساتھ جایگا فقط گور غریباں تک
 یہ جلوے ہیں سرِ عالم، ہماری چشم خیراں تک
 پھونچ ہی جائینگے اکدن زمین و جاناں تک
 نہ دواتے ہیں نذاں تک نہ جاتے ہیں تیاں تک
 چلے آتے ہیں آنکھوں سے بجے جاتے ہیں ناں تک
 نہیں دستِ فلکِ شایہ، رساوانِ جاناں تک
 گلستاں کامرہ دینے لگے دستِ بیاباں تک
 چلے جاتے ہیں ٹھٹھے بیٹھے، دیوارِ نذاں تک
 گلستاں، بیاباں تک، بیاباں ہے گلستاں تک
 ابھی تو ساتھ ہے اسکا مرا، شہرِ خموشاں تک

اُجائے کس لئے دیتی ہے لے باوجود اُسکو
 زمانے پر نہ جاؤ دل، خدا پر رکھ نظر اپنی
 ٹھہر جائینگی جس ناپنی نظریں، پھر کہا جلو
 سلامت چاہئے دل، اور دلیں غلبہ آفت
 نہ جانے ہمنظر ان چمن کس حال میں منگے
 تم ڈھائے چلے جاتے ہیں آنسو آج تو یارب
 وہاں کیوں عیش اور آرام ہی کی حکمرانی ہے
 گلستاں کو گلستاں ہم نے جس ن سے نہیں سمجھا
 اسیری میں شاتی ہے بہت جب یادِ گلشن کی
 نشاط و غم کی قدر نے حدیں کیا خوب کھی ہیں
 مرمڑتے ہی دُنیا کیوں چلی منہ موڑ کر مجھ سے

خوشی انسان کو کس طرح منانی ہے نشر

۱۷

نہیں ملتے یہاں جب حبِ خواہش بُج و حرماں تک

۷۲

سرفروشِ زمیں سے لامکاں تک
 نہیں محفوظ اس سے لامکاں تک
 عجب بد قسمتی سے واسطہ ہے
 مجھے کہنی ہیں دو باتیں جو تم سے
 مری دنیا کہاں سے ہے کہاں تک
 صدائے دل پہنچتی ہے کہاں تک
 وہ سو جاتے ہیں ختمِ داستان تک
 کسی ن کاش آجائیں زباں تک

مری گمراہیاں ہیں خضر منزل
جو لے چلنا ہے اسے صیتا دھجکو
نہ پوچھو مجھ سے معادِ اسیری
پتہ مجھ کو لے شاید نہ صیتا د
کرے تلقین نہ کوئی ضبطِ غم کی
نہ جانے رازِ دل کیوں کر موافق
نہ کر اسے باغباں ٹیڑھی نگاہیں
نہیں سُنتی ابھی میری زین بھی
مری غربت کی کوئی حد ہے فشر

۱۳

نہیں معلوم اپنا آشیانہ تک

یہ بوئے گلستاں کبتک، یہ رنگِ گلستاں کبتک
رہنگی سایہ ابرسیہ میں بجلیاں کبتک
زباں کھٹے ہوئے آخر میری خاموشیاں کبتک
نہ جانے گھر سے چکر آپ پہنچیں گے یہاں کبتک
نہ جانے اس سجے سلعے سے اٹھنا دوں کبتک
فغاں کرنے کو ترسے آرزو مند فغاں کبتک
اے ادبے خبر یہ اتحادِ جسم و جاں کبتک

۴۳

چمن کے چار پھولوں پر یہ زعمِ ای باغباں کبتک
نشاطِ چند روزہ میں رہیں گے غمِ ہماں کبتک
اجازت اب تو ہوو ضبطِ غم فریاد کرنے کی
قضا بجا زعم کی جان لیتی ہے کوئی دم میں
ابھی تک نہ محبت کے بہینا دے جاتے ہیں
خدا کی واسطے اس ضبطِ غم، تو راہ لے اپنی
یہ جانے تفرقہ کس وقت ان دونوں میں جاتے

یہ بڑے باغباں اللہ چھے جارتکوں کے
 تہی بے زبانی کو عطا کر لطف گویائی
 بھی ہم کارواں سے اپنے آخر مل جانیگے
 دراز و زائل کو دیکھئے اور آج کے دن کو
 مجھے ہر دمے میں لے لطف سنگ آتاں یارب
 اے اوجو باطل دل خدا سے اور یوں غافل
 قفس میں بٹھکر باتیں قفس کی زیب تہی ہیں
 جو قصے ہوئے ہیں آجکل وہ دیکھ لے غافل
 تھائے چمن دل میں جو صادق ہے تو زنداں میں
 رہی ایک دن مٹ کر جو میرا عشق قائم ہے
 ہماری بے زبانی کی بھی تجھ کو قدر لازم ہے
 ازل سے کہتے آئے ہیں، اب تک کہتے جائینگے
 ہمیں حاس لطف نعم کی بھی تو نیت لے یارب
 مری قسمت مجھے صرف خیال یار کردیتی

یہ میرا شیاں کبتک، یہ تیرا گلتاں کبتک
 رہی گشتگوئے عشق، محتاج زباں کبتک
 نہیں آتا نظر دیکھیں غبار کارواں کبتک
 یہ آخر عاشقوں کے امتحاں پر امتحاں کبتک
 ہے میری جبین محدود سنگ آستاں کبتک
 مذاق حق بھی اب کچھ مذاق اس آں کبتک
 یہ ذکر گلتاں کبتک، یہ فکر شیاں کبتک
 یہ آدم اور حوا کی پرانی داستان کبتک
 نہیں آتی ہے ہم دیکھیں ہوئے گلتاں کبتک
 خودی رہتی ہے دیکھوں میرے مکے دیاں کبتک
 کرم تیرا ہیگا حاصل آہ و فغاں کبتک
 نہیں سنتے ہیں دیکھیں ہماری دہتاں کبتک
 نشاط چند روزہ پر مٹائیں شادیاں کبتک
 ناز و زور و زور و سجدہ کی یہ پائندیاں کبتک

گیا دور شباب، اب عہد پیری آگیا شکر
 خدا کی واسطے جاگو بھی، یہ خواب گراں کبتک

۲۲

۴۴

ہے بیدار جس پر فدا ہو گئے ہم
 یہ کس روگ میں مبتلا ہو گئے ہم

ہیں دیکھئے کیا سے کیا ہو گئے ہم
 حسیں کوئی دیکھا فدا ہو گئے ہم
 تری راہ میں جب فنا ہو گئے ہم
 نہ تھا مدعا وہ، ہوا جو نہ حاصل
 کوئی محفل و عطا میں ہم کو دیکھے
 جفا کرتے کرتے جفا بن گئے وہ
 ادھر تم نے پھیری مگلا و محبت
 تجھے کچھ خبر ہے، تصور کے رستے
 ہوئی پھول یہ بھی محبت میں ہم سے
 رہنگی نہ باقی جفا میں تھکاری
 انھیں ماننی ہی پڑی بات آخر
 یہ فیض محبت ہوا ہم کو حاصل
 تھکاری نگاہوں میں کیا شے تھے
 پلائیں وہ خود تو پھر انکار کیا

خودی جیسے چھوڑی خدا ہو گئے ہم
 بلاؤں میں خود مبتلا ہو گئے ہم
 غم دو جہاں سے رہا ہو گئے ہم
 جہاں سر بسر مدعا ہو گئے ہم
 تو تجھے بڑے پارسا ہو گئے ہم
 وفا کرتے کرتے وفا ہو گئے ہم
 ادھر زندگی سے خفا ہو گئے ہم
 تری بزم میں بارہا ہو گئے ہم
 کہ اُمید وار وفا ہو گئے ہم
 کسی دن جو محو دُعا ہو گئے ہم
 سراپا جہاں التجا ہو گئے ہم
 زمانے کے درد آشنا ہو گئے ہم
 یہ کیا کر دیا تم نے، کیا ہو گئے ہم
 کہاں کے بڑے پارسا ہو گئے ہم

حیاتِ انتہا اپنی رکعتی تھی نشر
 فنا ہو کے لا انتہا ہو گئے ہم

۱۶

۱۵

جو مستغنیٰ ماسوا ہو گئے ہم
 خدا جانتا ہے فدا ہو گئے ہم

گرفتارِ حرص و ہوا ہو گئے ہم
جہاں اُن سے فاضلِ ذرا ہو گئے ہم
فنا حق تھی اپنا، ندامت ہی ہو
بڑبڑالی کبھی زندگی اپنی ہم نے
ہمارے خلاف اُس نے مانگی تمنا جب
نہ بھولی وہ سیر کوئے محبت
محبت کی باتیں، محبت کی کھاتیں
یہ کیا کر دیا اسے نگاہِ محبت
خدا جانتا ہے جو مجبوریاں تھیں

پس مرگ چھڑا کے ہم کو نشر
وہ سمجھے کہ شاید فنا ہو گئے ہم

۱۱

۷۶

ہے یہ کوئی تبسم، یہ کیا ہوا تبسم
فرقت میں کیا تباہیں ہم کیا ہوا تبسم
بے کیف ہو رہا ہوں اتوقت سے پاک
قلبِ جگر یہ میرے سو بجلیاں گراتا
بچ پوچھے تو غم سے پیدائشِ خوشی ہے
کیوں فرق کر رہا ہے، موسیٰ میں در ہم میں

ہلکا سا ایک۔ وہ بھی جھجکا ہوا تبسم
اب ہے کہاں تبسم چلتا ہوا تبسم
ایسے میں ایک ظالم چلا ہوا تبسم
یہ کون آرہا ہے، کرتا ہوا تبسم
جس وقت ٹیگیا غم، پیدا ہوا تبسم
پھر کیوں نہیں دکھاتا۔ دیکھا ہوا تبسم

اظہارِ ناخوشی تم کیوں مفت کر رہے ہو
 دیکھا تھا جو تبسم، موسیٰ نے تیرا اک دن
 کیا بات میں نے ایسی نازکی کی کہ دی
 دن ہو کہ رات ظالم، ہٹا نہیں نظر سے
 سو جلیاں گرا دیں، سو آفتیں بپاکیں
 آنا زناخوشی کے سب ہوئے ہر نصرت
 کبخت دلو، اب تک بجلی سے کم نہیں ہے
 روتا ہوا ہر نساں آتا ہے اس جہاں میں
 جانے کہاں کی خوشیاں کس کس طرح کی خوشیاں
 اللہ مر نہ جائے کون اسل دا پہ تیری

سائے جہاں پہ نشر برسا رہا ہے خوشیاں

۱۴

سارے جہاں پہ اس کا چھایا ہوا تبسم

۴۴

یہ کس غضب میں ہیں بار بنگاہِ یار سے ہم
 چمن میں بہتے تھے بلکہ گلوں کے خار سے ہم
 ملے کہیں تو یہ پوچھیں نگاہِ یار سے ہم
 بسے ہوئے ان تر زلفِ مشکبار سے ہم
 نہ دشمنی ہے کسی سے نہ بغض ہے، نہ خد
 قرار ہم سے جدا ہو گیا قرار سے ہم
 گذاتے تھے دن اپنے بڑی بہار سے ہم
 پھریں کہاں تک اسی طرح دلفگار سے ہم
 ابھی ابھی چلے آتے ہیں بزمِ یار سے ہم
 ہیں پاسدارِ محبت ہر اعتبار سے ہم

دکھا وصل کہاں شکوہ فراق کہاں
 اکی خیر دل غم نصیب کی اپنے
 بہار میں بھی اسیری سے ہیں خزانِ یدہ
 تمام عمر کے شکوے شکایتیں لیکر
 قفس سے چھوٹے آئے تھے جب گلتا نہیں
 نثار مست نگاہی کے تیری لے ساقی
 کہیں گناہ نہ رحمت سے انکی کم رہائیں
 ترے لئے کہیں بجلی بنے کہیں سیاب
 مزے بہار کے پاتے تھے جو کبھی یارب
 نہ بھول سکتی ہے وہ ہم کو اور نہ ہم اسکو
 پکار پاس قناعت ہے اس کے پاس کہاں
 دل اک لطیف سی شے ہنر سوز کی بارش
 خبر کے ہے کہ یہ فیض چشم ساقی ہے
 مزہ جو ہجر میں تھا وصل میں نصیب کہاں

پکارتے ہیں وہ دیوانہ کہہ کے جب ہم کو

۲۰

جواب دیتے ہیں نشر کس افتخار سے ہم

۷۸

اگر ہم زمیں ہیں تو عرشِ بریں تم
 بھلا کیا ٹھکانہ کہیں ہم کہیں تم

وہ حالت ہماری ہے جسے نہیں تم
 کبھی یوں بھی مل جاؤ ہم کو کہیں تم
 نگاہوں میں رہنا دم واپس تم
 نہ دینا رہی ہے، نہ دینا ہے گی
 پتھر اسیں سب ہے تمہاری تم کا
 فراموش کر کر کے روز اپنے وعدے
 خبر بھی ہے تم کو جو گزری شبِ غم
 کماٹک یہ عشاق کا قتل آخر
 ہے دُنیا اندھیری، خدا جانتا ہے
 تمہارے لئے ہم نے چھوڑا تھا سب کو
 بھی جب مجھ سے تو کس سے نبھے گی
 مری آدھ زاری کا عالم نہ پوچھو
 خدا جانے ہو جائے کیا حال دُنیا
 بہت آسرا تھا قیامت کے دن کا
 بُرا حال ہے آج قلب و جگر کا

کہ سُکر کر و گے بمشکل یقین تم
 جہاں اور کوئی نہ ہو، ہوں ہمیں تم
 بُرے وقت دھوکا نہ دینا کہیں تم
 ہے ہیں ہمیں تم، رہیں گے ہمیں تم
 کسی روز دیکھو مری استیں تم
 ہمیں بھول جانا نہ یوں ہی کہیں تم
 پتھر تو میری ذرا استیں تم
 رہو گے زمانے میں کیا اب تمہیں تم
 مری آنکھ کے سامنے جب نہیں تم
 مگر سب کے ہو اور ہمارے نہیں تم
 کسی کے نہیں تم جو میرے نہیں تم
 ذرا دیکھو لو دامنِ و استیں تم
 جو ہو جاؤ کچھ دیر کو خشکیں تم
 نہ مل پائے گوتھے وہیں ہم ہیں تم
 مر پاس ایسے میں ہوتے کہیں تم

خدا کی قسم واقعہ ہے یہ
 بناتے ہو گلشنِ غزل کی زمیں تم

دھوٹیں تو نہیں ملتے ہو ہڈی سے کہیں تم
 اک ماہ میں چرخ پہ اک ماہ میں تم
 جب لیں گے مرتے ہو ہفت کیں تم
 ہو جاؤ پھر اکبار کبھی طور نشیں تم
 بن جاؤ مری آنکھ میں اس طرح کہیں تم
 کرنے کو کرو سارا جہاں زیر نگین تم
 شب ہوئے پھرتے ہیں اجاتم نہیں ملتے
 کچھ آج دل زار کا ہوتا نہیں حس
 جس روز ستم کرتے ہو تازہ کوئی دل پر
 رکھتی ہوں لچھیر کے شری نگاہیں
 سجد نکال اگر شوق رہا سر میں سلامت
 کافر میں دایں بھی نگاہیں بھی میں کافر
 پروانے کی مانند کہیں سو زخم تم

یوں اُس سے ملاقات کا ہونا نہیں ممکن
 ۱۴۰ شہر ابھی کچھ روز ہو گوشہ نشیں تم

تیری محفل میں چلے آتے ہیں بے باکانہ ہم
 سر پانک بن گئے ہیں آج تو پیانہ ہم
 جاسے دڑتے نہیں ہیں صورت پر دانہ ہم
 چھوٹے ڈالے نہیں اب عمر بھر میخانہ ہم

آج یوں محفل ہو نچو نچو اسکی بیباکانہ ہم
 اس موقع پر کہ ہو جائیگی کم، دلکی بھڑاس
 ہے ہمیں پنا بنانے کی نہیں دن رات فکر
 کیا محبت ہے تری، کیا چاہو نکلے ترے
 ہو گئی دیر آج بزمِ عظیم و اعظم ہیں
 نوزِ فرقت میں طے جاتے ہیں حکومتِ دن
 خیریت تو بہ کی پھر ہو کو نظر آتی نہیں
 کیا کسی سے اپنا افسانہ کہیں اور کیوں کہیں
 دلکی حالت اور ہے قد ہو گئی حالت اور ہے
 رات دن رکھنے کو انجامِ محبت سامنے
 رنگِ عالم اور ہے، رنگِ فضا کچھ اور ہے
 کیا تری محفلِ نشینی کا یہی انجام ہے
 بیعتِ سانی کسی دن ہوگی عظم کو ضرور
 خود بھی وحشی بن گئے ہیں لاکھانا نکر
 کیوں کسی دل لگائیں کیوں کچھ جانیں

فیض چشمِ ست ساقی کیا کریں نشر بیاں

۸۱

۱۸

دیکھتے ہیں ہر طرف موجود اک میخانہ ہم

راستے میں راستہ پھر بھول جائیں تانہ ہم
 ساتھ ہی رکھیں گے اب کے بادہ و پیمانہ ہم

شمع وہ تھا اور بتیابی سے تھے پرانہ ہم
 سب کتے بھرتے ہیں گذرا ہوا افسانہ ہم
 اپنی ہستی سے مگر ہوتے نہیں بیگانہ ہم
 سنتے آتے ہیں زل سے ایک ہی افسانہ ہم
 اب خدا ہی ہے اگر پائیں کھلا میخانہ ہم
 کاش سمجھ جائیں اسکی بزم کا پروانہ ہم
 آج بادل دیکھتے ہیں پھر سرِ میخانہ ہم
 چادرن کے بعد خود ہو جائینگے افسانہ ہم
 کیا پونچھے کو ہیں نزدیک درِ جانانہ ہم
 کل اٹھالائی میں کچھ خاکِ سرِ روانہ ہم
 آج شاید آگے نزدِ درِ میخانہ ہم
 دیکھتے ہیں ہر طرف خاکِ سرِ روانہ ہم
 دیکھتے ہیں روز اسکو حاضرِ میخانہ ہم
 یوں کئے جائینگے کتبکِ خاطرِ روانہ ہم
 دارِ فانی کو سمجھتے ہیں سافرِ خانہ ہم

کون جاتا ہے، چلے جیسے بیباکانہ ہم
 دیکھتے ہیں سامنے آنکھوں کے اک میخانہ ہم
 اپنے دلیں دیکھتے ہیں جلوہ جانا نہ ہم
 سوچتے یہ ہیں کہ دیں کیا سہجی افسانہ ہم
 ہیں بھی ناواقف رسم و رہ میخانہ ہم
 دیکھ لیتے ہیں جہاں بکھرے پر پروانہ ہم
 خوب روئے یاد کر کے اپنا غربت خانہ ہم
 آرزو یہ ہے کہ ہوں خاکِ در میخانہ ہم
 پھر مرتب کر رہے ہیں عشق کا افسانہ ہم
 کیا چلے جائیں یوں ہی اوی سانی میخانہ ہم
 ساتھ لیجانے لگے ہیں تادیر سے خانہ ہم
 جانتے ہیں موت کو اک لغزشِ متانہ ہم
 کیوں لے آئے ازل سے فطرتِ پروانہ ہم
 رات بھر کہتے ہیں ل سے آپکا افسانہ ہم
 سنتے آتے ہیں ازل سے ایک ہی افسانہ ہم
 جانِ تیراں میکند در بزمِ او پروانہ ہم

جار ہے ہیں جان دینے صورتِ پروانہ ہم
 دل میں رکھتے ہیں خیالِ جلوہ متانہ ہم
 کیوں کریں آخر طوافِ کعبہ و تخبانہ ہم
 اپنے افسانے کے لکھنے کا تو ہکو ہے خیال
 لغزشیں محمول گستاخی پر اوی سانی نہ کر
 سامنے آنکھوں کے آجاتا ہے محفل کا سماں
 کل قض میں آگیا تھا اڑ کے اک تنکا کہیں
 حور ہم کو چاہئے واعظ، نہ جنت چاہئے
 چاہئیں کچھ اشک، اور کچھ خاکِ محفل چاہئے
 دیکھ کر یہ دو در عشرت، رنگِ محفل، بزمِ مے
 بیعتِ ساتی کسی دن ہوگی واعظ کو ضرور
 ساکنِ میخانہ ہیں ہم، موت کا کیا ہکو خوف
 روزِ محفل میں تری جا کر یہ ہوتا ہے خیال
 کیا بتائیں کاٹتے ہیں کس طرحِ فرقت کی رات
 ایک ہی ڈھب پر ہیں قائم وارداتِ حُسنِ عشق
 تو کہ انسانی چہرا از سر فروشیِ قاصر می

کاش ہو جائے کہیں اس طرحِ نشر اتفاق

۸۲

بانٹ لے دینا خوشی لے لیں غمِ جانانہ ہم

۱۸

لذت جو حجر میں ہے کہا ہے وصال میں
 اب فرق کیا بتاؤں فرق وصال میں
 ذکرِ فراق میں، کوئی فکر وصال میں
 اُس کو بلارہا ہوں قیود وصال میں
 دعویٰ تھا جس نگاہ کو تنقیدِ حُسن کا
 شکوہ پہ میرے مجھ سے نہ برہم ہوا تھا
 تدبیرِ وصلِ یار نہ پوری ہوئی ہنوز
 حُسنِ وفا میں وحدتِ شربِ ہی تو ہے
 ایدل یہ ہے خلاصہ صبرِ ضئے عشق؟
 محشر میں اور کوئی نہ جب آسرا رہا
 پرے کا یہ لحاظ، یہ عصمت کا بندوبست
 انسان کو چاہئے کہ نہ سوچے بری کبھی
 دُنیا میں اہل، دردِ محبت کے ہی وہ ہی
 جنکو نصیبِ عشرتِ دُنیا نہیں ہوئی
 اب چاہوں کچھ نہ میں قدموں پہ گر پڑا
 محفلِ میاں کی بار نہیں ہے مجھے تو کیا

اللہ یہ نشاطِ تصورِ ملاں میں!
 وہ سامنے نہیں ہیں مگر خیال میں
 دیکھو جسے وہ مست ہوا نہ خیال میں
 جو ہم میں آئے، نہ آئے خیال میں
 گم ہو کے رہ گئی تے حُسنِ جمال میں
 اک بات تھی نکل گئی منہ سے ملاں میں
 ہم کس خیال میں میں فلک کس خیال میں
 میں نے ذہن میں ہوں وہ خیال میں
 تسکین کا ہونگ، جو ہم ملاں میں
 میں غرق ہو گیا عرقِ انفعال میں
 آئے نہ بے نقاب میرے خیال میں
 رتی ہے ہو کے باجوانی خیال میں
 جنکو خوشی کا لطف وصال ملاں میں
 دیکھیں شریک ہو کے ہمارے ملاں میں
 اتنی سی بات اور نہ آئی خیال میں
 وہ خود ہیں جلوہ گر مری بزمِ خیال میں

نشر وہ روئے مرے اظہارِ حال پر

کوئی تو بات تھی مرے اظہارِ حال میں

۸۳

۱۴

انھیں غمِ خواہ ستم دیکھتے ہیں
 خوشی کو بہ اندازِ غم دیکھتے ہیں
 ستم دیکھتے ہیں، کرم دیکھتے ہیں
 نہیں کوئی شخصِ دیر و کلیسا
 جنائیں مسلسل، وفائیں مسلسل
 وہ ہیں زینتِ افروز کا شانہ غم
 تڑپتے ہیں کیا کیا، خدا جانتا ہے
 ہٹالی نظر جب سے دُنیا سے ہٹنے
 جہاں دیکھتے تھے جمالِ صنم ہم
 کہاں تو نے پہنچا دیا اے محبت
 جو اور رونق کرے ہیں ظلم و تشدد
 نہ دیکھیں محفل میں ہلکا، نہ دیکھیں
 نظریں تحقیقتِ نظر ہے انھیں کی
 یہ آہِ سحر کا نتیجہ ہے شاید
 اٹھا کر نظر دیکھتے ہیں جہاں تک
 اُسی یہ کیا آج ہم دیکھتے ہیں
 عجب دیکھنا ہے جو ہم دیکھتے ہیں
 جو منت دکھائی ہے ہم دیکھتے ہیں
 یہ ہر سو جمالِ صنم دیکھتے ہیں
 نہ وہ دیکھتے ہیں نہ ہم دیکھتے ہیں
 حقیقت ہے یا خواب ہم دیکھتے ہیں
 سکوں اپنے دلیں جم ہم دیکھتے ہیں
 نظر بند دُنیا کو ہم دیکھتے ہیں
 وہیں ہم جمالِ صنم دیکھتے ہیں
 کہاں اپنا سر آج خم دیکھتے ہیں
 وہ ہی چار دن بعد ہم دیکھتے ہیں
 یہ کیا کم ہے اُن کو تو ہم دیکھتے ہیں
 جو دُنیا کو دُنیا کے غم دیکھتے ہیں
 محیط آج ابرہ کرم دیکھتے ہیں
 محبت کی دُنیا میں غم دیکھتے ہیں

اب آگے رہِ عشق جو کچھ دکھائے
ابھی تک تو ثابت قدم ٹیکتے ہیں
یہی مرکزِ عیش تھا دل ہمارا
جسے آپ بربادِ غم دیکھتے ہیں
فریبِ امیدِ حسد سے نہ ہم کو
کہیں صبحِ بیا غم دیکھتے ہیں

ہم آلودہ نصیت ہو کے شستر
کسی کی نگاہِ کرم دیکھتے ہیں

۱۹

۸۴

وفا و ناز کے مارے جلّے جاتے ہیں
تمام عمر کے روٹھے منائے جاتے ہیں
ضلافِ غیر کچھ اُن سے لگے جاتے ہیں
جمیں وہ یا نہ جمیں ہم جلّے جاتے ہیں
وہ اپنے جو دوستم روک لیں اکرم یہ نہیں
کرم یہ ہے کہ مسلسل تائے جاتے ہیں
وہ آئے ہیں صبا سے کہو ذرا ٹھہرے
چراغِ قبر کے سب جھلکے جاتے ہیں
تلیانِ بختِ نہی دیتے تمام شبِ گزری
ٹھہر ٹھہر کے چمن سے چلے گئے کب کے
وہ سیر کر کے چمن سے چلے گئے کب کے
ٹھہر ٹھہر کے ذرا مجھ کو فرج کر صیاد
چوہ تو ڈوب کر اُنو نہیں غیرتِ عشق
پلا دے اور ابھی دو چار جامِ اوساقی
وہ چھپرے جاتے ہیں اپنی نظر سے ہنس نہ کر
فریبِ حُسن میں لانے کا یہ طریقہ ہے
انہیں ہے روزِ طلبِ مجھ کو اک نئے دلی

تمام عمر کے روٹھے منائے جاتے ہیں
جمیں وہ یا نہ جمیں ہم جلّے جاتے ہیں
کرم یہ ہے کہ مسلسل تائے جاتے ہیں
چراغِ قبر کے سب جھلکے جاتے ہیں
ٹھہر ٹھہر دل مضطرب وہ آئے جاتے ہیں
چمن کے پھول ابھی مکر آئے جاتے ہیں
تمام پھول لبو میں نہائے جاتے ہیں
ہماتے رونے پہ وہ سُکرائے جاتے ہیں
نہیں تو بوسن میں ہم اپنے آئے جاتے ہیں
ہماتے زخمِ جگر مکر آئے جاتے ہیں
نہیں ہے اور محبت جبکے جاتے ہیں
بتاؤ میرے بنائے بنائے جاتے ہیں؟

کہیں دُبا بھی ہو نچ رشک، ڈر یہ ہے
تہام حشر میں اپنے پر اے جاتے ہیں
بھلائے کوئی محبت کے واسطے کیونکر
بھلا رہا ہوں مگر یاد اے جاتے ہیں
عجیب حال ہے انکا، نظر نہیں آتے
مگر نگاہ میں، دلیں سمٹ جاتے ہیں

ہماری سادگی عشق اور فریب جمال

۱۶

۸۵

بھلائے جاتے ہیں شکر بھلائے جاتے ہیں

چھوڑ کر جائیں تری محفل کہاں
آؤ تھے جن دل سے اب دل کہاں
اب کہاں وہ رنگہ محفل کہاں
جا کے بہلا میں ہم اپنا دل کہاں
کون اٹھا بزم سے کہتا ہوا
دل کہا ہے، دل کہا ہے، دل کہاں!
ہنس رہے ہیں سُن کے وہ رواداد دل
سو گئی ظالم زبان دل کہاں
ہن جہیں کے سجدے کو دیرو حرم
لیکن نہیں سجدہ گاہ دل کہاں
باغ سے نفرت ہے صحرائے گریز
دیکھیں لجاؤ خون دل کہاں
کیا نبھے، کتنا نبھے، کیونکر نبھے
جو ہمارا دل ہے، انکا دل کہاں
دھونڈتے ہو میرے سینے میں کسے
دل مجھم درو ہے اب دل کہاں
لیجئے وہ آ رہے ہیں دل بہ دست
خالی جاتی ہے فغان دل کہاں
درد دینے والے تو ہیں سینکڑوں
ہے مگر دردِ شائے دل کہاں
جب سے دیکھی ہے کسی کی بزمِ نا
کچھ نہ پوچھو ہم کہاں دل کہاں
حضرتِ ناصح سے کون آپ کی
ایسی باتوں کو یہاں اب دل کہاں

اب تمنا کسکی، کیسی آرزو
دل نہیں پھر آرزوئے دل کہاں
کیا کروں نشر علاج درِ دل

۱۴

۸۶

اب مجھے دل پر قینِ دل کہاں
لیکے پہونچا اضطرابِ دل کہاں
میں کہاں سسِ شوخ کی محفل کہاں
لیچلا تو اے دل بسمل کہاں
کوچہ قاتل کہاں، قاتل کہاں
اُن کے جلوؤ نہیں فنا ہونا محال
قیمت پر وائے محفل کہاں
چل پڑا ہوں میں توراہِ عشق میں
فکر یہ کب تک کہ ہے منزل کہاں
ڈھونڈتے پھر لے درِ قاتل کہاں
کیوں نہ خود ہی ختم قصہ کیجے
اس سمندر کا کہیں ساحل کہاں
اتھائے غمِ محبت میں ہو کیوں
جو مجھے مشکل ہے، وہ مشکل کہاں
اہلِ دنیا کو بھی ہونگی مشکلیں
سرگراں منتِ قاتل کہاں
میں کہاں تھوں، ہے مری منزل کہاں
میں ابھی لے آسمانِ کامل کہاں
میں تصور میں شہیدِ زمانہ ہوں
صبح ہوئے ہم کہاں، محفل کہاں
ہے ابھی سے کیوں مری فکرِ زوال
ہنے دیتا ہے مجھے غافل کہاں
اہلِ محفل دو گھڑی کی بات ہے
دل ترا و ابستہ منزل کہاں
ہوا بُرا کج بخت میرے ہوشن کا
کھنے پائے کچھ لب ساحل کہاں
اے مسافر کیا نے منزل تجھے
دفعاً طوفان سے تھے ہمکنار

ذَرّہ ذَرّہ اُسکا تھا دُنیا کے عشق پھینک دی خاکِ ترِ محفل کہاں

میں ہوں اور ہے رات دن کا اضطراب

اب سکوں نشترِ مجھے حاصل کہاں

۸۶

۱۶

دار و رسن کی قائم بنیاد کر رہے ہیں
اب وہ مجھے بھلا کر کیوں یاد کر رہے ہیں
جو خوگرِ قفس کو آزاد کر رہے ہیں
چُپکے پڑے، خدا کو ہم یاد کر رہے ہیں
اندھیر کیا یہ ظالم صیتا د کر رہے ہیں
برباد کر رہے ہیں کچھ اس طرح وہ ل کو
اک ہم کہ بعدِ مردن بھولا ہمیں زمانہ
بیکار ہو چکے جب، سب بالِ پر ہمارے
فریاد کا مزہ ہے لب پر ہے خموشی
یہ زندگی جہن کی کیا خاکِ زندگی ہے
یارِ تہِ یاد آئے اُن کو مری اسیری
ہے مایلِ تغیر، شاید نظامِ گلشن
وہ دیرِ شناس ہے، وہ دشمنِ وفائے
یہ ہے کہ قدرِ انسان مٹی ہے بعدِ مردن

بھونے ہو سبق ہم پھر یاد کر رہے ہیں
ناحق سکونِ دل کو برباد کر رہے ہیں
گو یا وہ بے پری پر بیدار کر رہے ہیں
فریاد کر نیوالے فدا کر رہے ہیں
جب لطفِ قید آیا، آزاد کر رہے ہیں
دیکھے تو کوئی سمجھے آباد کر رہے ہیں
اک کہ جنکو اب تک سب یاد کر رہے ہیں
اب قید کر نیوالے آزاد کر رہے ہیں
صورتِ یہ کہہ رہی ہو، فریاد کر رہے ہیں
ہر وقت انتظارِ صیتا د کر رہے ہیں
وہ آج قیدیوں کو آزاد کر رہے ہیں
آپس میں شور ہے کچھ صیتا د کر رہے ہیں
یاد آ نہیں رہا ہے، ہم یاد کر رہے ہیں
ہم کو بھلانے والے اب یاد کر رہے ہیں

پتوں کا کھڑکھڑانا ہے ماتم بہاراں گویا چمن کے پتے فریاد کر رہے ہیں
مدت ہوئی نفس میں بھڑکھڑی ہو چمن ہے اب تک برب چمن کے ہم یاد کر رہے ہیں
دنیا سمجھ رہی ہے ہم کو خوش نشتر

۱۷

۸۸

ہم یوں بیان اپنی روداد کر رہے ہیں
قبول ہو جو نہ بھوسے وہ دعا ہوں میں کسی کی آہ بھی نہیں تو نار سا ہوں میں
کچھ نفع دہیں آتا ہو میری کیا ہوں میں عجیب چیز محبت میں ہو گیا ہوں میں
جو کہہ رہے مراد دل، وہ کہہ رہے ہوں میں دل ایک ساز ہو اور ساز کی صدا ہو میں
نگاہ پھیر لی متے ہی میری جانب سے خطا تھا، تم اب بیوفا ہو، یا ہوں میں
میری نگاہ میں کچھ اہمیت قضا کی نہیں ہزار بایونہی مر کے جی چکا ہوں میں
تمہارا تھم ہی ہے میری شرم بندہ نواز تمہارا بندہ ہوں جیسا برا بھلا ہوں میں
ہزار میں نے نہ کی ہو کبھی خطا کوئی خطا ہو منہ سے یہ کہنا کہ بے خطا ہوں میں
جو درد دل میں مے ہے کسی کے کیا ہوگا کسی رنج ہو آفت میں مبتلا ہوں میں
یہ میری گم شدگی ہے عجیب گم شدگی پہونچکے دہن منزل ان کو گیا ہوں میں
جہاں خلاف ادب، گمان کا بھی گذر خیال میں دہرا کثر نکل گیا ہوں میں
مجھے نہ خوف قضا ہے نہ کاہش انجام کہ ابتدا ہی سو جایاؤ انتہا ہوں میں
ہوں آج رشک کے قابل جو دیکھئے مجھ کو نہ مدعی ہوں کسی نے مدعا ہوں میں
حد آنا ہی نہیں فوق منزل مقصود کبھی کبھی تو کچھ کے مکمل گیا ہوں میں

خدا کی واسطے اب چھڑ بھرنے اسے ناصح کہ بارہا تم دھوئیں آچکا ہوں میں
فلک کا خوف نہ اب ہے نہ اسکی چالوں کا محیط کو چہ جانوں میں آگیا ہوں میں

سُنئے نہ آج زمانہ تو غم نہیں نشتر

۱۶

نیں گے سب جے اک وزرہ صدا ہوں میں

۸۹

کمی کچھ ہو سکے تو کیجئے میرے ستانے میں
مصیبت سی مصیبت ہے الٹی دل لگانے میں
تصور لیکے پھرتا ہے مجھے سارے زمانے میں
غنیمت ہو سکوں اتنا بھی ملتا میں زمانے میں
مجھے ایو برق کیا بلجائیکا اس کے جلانے میں
کبھی مینا دو کا کھٹکا کبھی بجلی کا اندیشہ
تہہستانِ قسمت پر بھی ہو جائے کرم اکدن
گئے وہ ن ہوا کرتی تھی بارش تازہ پھولوں کی
قصرِ آشاں میں قیام اگر کچھ ہے تو اتنا ہے
بجائے خود بہت بے کیف ہے، مجنوں کا افسانہ
ہمیں تو ایک لمحہ زندگی کا بھی قیامت ہے
کسی سے راز کنا، راز کی تشہیر کرنا ہے
چھڑانا آشاں کا ہم سے اسے مینا و شکل ہے

کہیں لیانہ ہو دل ٹوٹ جائے آزمانے میں
وہ اب آنکھوں کے آگے ہو جوتے تھے فسانے میں
مری آزادیاں تو کوئی دیکھے قید خانے میں
چمن میں آشاں ہے اور ہم ہیں آشاں کے میں
سوا آنکوں کے کیا رکھا ہی میرے آشاں کے میں
جہاں رام ہے تکلیف بھی ہے آشاں کے میں
الٹی کیا کمی ہو جائیگی تیرے خواب کے میں
اب اکثر بجلیاں ہمتی ہیں میرے آشاں کے میں
کبھی ہے آشاں ہم میں کبھی ہم آشاں کے میں
یہ ٹکڑا جوڑے کوئی میرے غم کے فسانے میں
جئے کس طرح اربابِ وفا اگلے زمانے میں
جہاں منہ سے نکالی بات اور پہلی زمانے میں
نہیں ہم آشاں کے میں تو دل ہی آشاں کے میں

جہی تک باغ بھی ہر ہم میں جہنگ آشیانے میں
یہی معلوم ہوتا ہے کہ ہم میں آشیانے میں
وہ ہی توفیق ہونگے، جو ہمیں گے آشیانے میں
نقطاب آشیانے ہم نہیں ہیں آشیانے میں
وہ نکلے اب رگ گل سے سو اس آشیانے میں
تو پھر اکدن مجھے سب کچھ لیں گے آشیانے میں
کوئی پھر بن سنور کر آگیا آئینہ خانے میں
سکوں کی آخری تدبیر اک یہ ہے زمانے میں

فقس والوں کو اچھا جانتا ہوں ان میں نشر

۲۲

جو میں صیاد کے گھر میں نہ اپنے آشیانے میں

کیوں مذاقِ عشق اپنا مٹت میں رسوا کریں
کیوں قیامت قیامت اک نئی پیدا کریں
گیو وں کون کتا ہے کہ بل کھایا کریں
آج وہ بھی کہہ گئے ہمارے ”ہم کیا کریں!“
چاکل پر رشتہ امید سے بچا کریں
روز دیدیں ایک دل، روز ایک دل پیدا کریں
فائدہ کیا اپنی آنکھوں کو جو ہم دریا کریں

نحال اے باغیاں ہر کو سمجھ کر آشیانے سے
تصور کو خدا رکھے تختل کو خدا رکھے
ہمیں قیدِ قفس سے کیا کہ ہم آزادِ گلشن میں
ذرا کم کوئی ان بھلیوں کیوں تڑپتی ہیں
جو باہر آشیانے کے تھے خسِ فاشاک سے بدتر
یہی خواہش اگر قائم ہے دل میں نیلے کی
دل جلو طلب چل دولت دیدار لے آئیں
نہ آزادِ محنت ہو، نہ پابندِ محنت ہو

۹۰

سب آگے شکوہ بیداد ان سے کیا کریں
سوچتے ہیں کیسا کسی پر خون کا دعویٰ کریں
خود کھا دیتی ہے فطرت حسن کو ناز و ادا
منہصر جن کی عبادت پر بھی امیدِ شفا
ہجر کی شب صبح کرنے کا ہو کچھ تو مشغلہ
دلہ ہی کا سلسلہ یارب یونہی جاری ہے
دل سے گزرنے والے تک ندامت ہو بہت

جب یہ صورت ہو تو پھر توبہ کی ہمت کیا کریں
 تم رہو نظروں پہناں، ہم تمہیں دیکھا کریں
 بات تو جب ہے کہ ہم ہر سو تمہیں دیکھا کریں
 زندگی کی پھر نئی صورت کوئی پیدا کریں
 جل کے مرجائیں پتنگے، ہم کھڑے دیکھا کریں
 ”موسم گل آگیا زنداں میں بیٹھے کیا کریں“
 یہ نہ سوچا تم نے ایسے میں کنارہ کیا کریں
 کاش یہ سب ل میں آکر درد بن جایا کریں
 اور تصور میں ہمارے رات دن گھوما کریں
 دونوں ہی مجبور ہیں، تم کیا کرو ہم کیا کریں
 کوئی بھی ہم کو نہ دیکھے، ہم تمہیں دیکھا کریں
 وہ نہ سمجھیں خود تو اظہارِ تمنا کیا کریں
 پھر مجھے بخود بنا کر سب سے بیگانا کریں
 پہلے دل پیدا کریں، پہلے جگر پیدا کریں
 عاشقی اس کو نہیں کہتے کہ واویلا کریں
 عارضی ہے جب یہ دنیا کیوں غم دینا کریں
 ہم جو بخود رہتے ہیں نشر تو یہ کیا جرم ہے

جب ہمارا ایگی اس کی خیریت ممکن نہیں
 اب تکلف برطرف، اگر دو کچھ ایسا انتظام
 حد ممکن تک رہا محدود و نظارہ تو کیا
 پھر کسی سے دل لگائیں، پھر کسی پر جان دیں
 ڈوب مراے غیرتِ نورِ محبتِ ڈوب مر
 اشک ہائے خوں سے دامن کو بنائیں برہنہ
 بحرِ ہستی سے مریضِ غم گزرنے ہی کو تھا
 حشر میں ہوں، غم ہوں، امیدیں ہو، یارِ لہو ہوں
 یہ بھی کیا انصاف ہے آئیں نہ اکدن سانسے
 حسن کی فطرتِ جنا ہے، عشق کی فطرتِ وفا
 رات کی تاریکیوں میں سو رہی ہو جب نضا
 حسرتِ دل راز ہے، ناتاہلِ اظہار ہے
 کوئی کمداؤں سے پھر آنے لگا ہے مچھو ہوش
 اہلِ دنیا کو اگر خواہش ہے تیرے عشق کی
 ظلم ہوں چاہے تم، عاشق کو خاوشی بخوب
 کٹ گئی نہیں کر کہ رو کر چار دن کی زندگی
 ہم جو بخود رہتے ہیں نشر تو یہ کیا جرم ہے

۹۱

وہ نہیں آتے تو ہم آپے میں آکر کیا کریں

۲۴

میرے دہر میں ایدل کیا قیام کہاں
کسی کے حُسن سے کیا حُسنِ حُور کو نسبت
خدا کیواسطے مجھ سے اُلجھ نہ اسے زاہد
جدہر ہے میکدہ اُس سمت روزِ حضرتِ یحییٰ
یہ ہے وہ فرضِ جو آداب سے سہرا ہے
نگاہ بدلی ہوئی دیر سے ہے ساقی کی
کہاں ہے کوئی زمانے میں بے غم بُنے فکر
چمن میں کیا کوئی پھر حادثہ ہوا تازہ
نبی ہے موت کے بعد اور اک حیاتِ نبی
میں انتقامِ تم اُن سے لوں نہیں ممکن
ہم آج قیدِ عناصر سے ہوئے ہیں ہا
ہم سارا اور عدو کا مقابلہ کیا
خدا کیواسطے اسے درد اور کر تکلیف

تجھے خبر نہیں کیا ہے ترا مقام کہاں
میرے تمام کہاں، ماہِ ناتمام کہاں
تجھے خبر بھی ہے کچھ ہے مرا مقام کہاں
نہ جانے جاتے ہیں دوبارِ صبح و شام کہاں
نمازِ عشق میں سجدہ کہاں سلام کہاں
بُوسہِ بودہ کہاں ب، وہ جامِ جام کہاں
جو شاد کام ہے، وہ بھی ہوشِ کام کہاں
یہ لوگ جاتے ہیں ڈٹے ہوئے تمام کہاں
ابھی فسانہ ہوا ہے مرا تمام کہاں
کہ ہے یاسرِ الفت میں انتقام کہاں
خوشی کا وقت ہے یہ رنج کا مقام کہاں
شہیدِ عشق کہاں، حرص کا غلام کہاں
ہوا ہے رات کا سونا بھی حرام کہاں

قصہ ہے اصل میں آغازِ زندگی

۹۲

۱۲

شروعِ قصہ ہے قصے کا اختتام کہاں

فنا ہوئے بھی تو ہیں رنج کا مقام کہاں
ابھی فسانہِ رعبی کا اختتام کہاں

جو زلفِ شام ہے سکی، تو صبحِ رُوحے حیس
 ہماری آنکھوں میں بیٹھو نظر سے پوشیدہ
 کے خبر تھی کہ انجامِ کار یہ ہوگا
 میں اپنی زلیست کے انجام کی کرو کھینچ
 ہزار بار اگر اب ہو صبح و شام تو کیا
 ہے راہِ عشقِ کلہاؤں شہِ زمیں جنت
 جو دلیں تیں ہے اپنے وہ گردن لے ہیں
 لہو کے گھونٹا ہل و رہم ہیں ہجرت میں
 ہماری طرح ہوں سب عشقِ آشنائے شہر

۱۰

۹۳

ابھی وہ خاص طریقہ ہوا ہے عام کہاں
 نظر کو جلوہ جرات شکن کی تاب نہیں
 کچھ اور چیز یہ خورشید و ماہ تاب نہیں
 نگاہِ حُسن نہیں، اضطرابِ پر میرے
 میں اور پیئے سے ہو جاؤں ست کشِ توبہ
 نگاہِ مست کے صدق، یونہی رہے تاویہ
 قفس کی زندگیِ نعم، ارے معاذ اللہ
 یہ فصلِ گل، یہ نشاط و بہار کا عالم
 یہ خیریت ہے کہ حُسنِ انکابلے حجاب نہیں
 کبھی عتابِ انہیں سے کبھی عتاب نہیں
 جو ہونا چاہئے شاید وہ اضطراب نہیں
 صدائے اُسے یہ جھٹک کہ اب شراب نہیں
 خرابِ حالِ محبت، ابھی خراب نہیں
 عجیب و رہے یہ جسمیں انقلاب نہیں
 نہیں قبول، اگر ساغرِ شراب نہیں

نمازوں سے کام کر نہیں میں زیادہ
 غنائتوں کی کوئی اُن سے کیا امید کرو
 سلامت اُنکا تصور سلامت اُنکا خیال
 طلوع صبح کی امید کیا کروں اے دل
 نہیں ہے شرم گناہوں سے کچھ مجھے ایسی
 نہ اُنکے سامنے شرمندہ کر مجھے اے درد
 میں صبح و شام اُسی ایک رخ کے دو جلوے
 میں اس سکون کی کیوں شام غم دُعا مانگوں
 ہماری بادہ کشی ٹلتی آرہی ہے یونہی
 جدھر خطاب کریں گے اُدھر نہ دیکھیں گے
 ہزار آتے رہیں انقلاب کیا حاصل

کریں خسرو ابی عالم کا کیا کلمہ نشتر
 جو ہم خراب نہیں میں کوئی خراب نہیں

۱۹

۹۴

حیات دہر ہے بے کیف اگر شباب نہیں
 کوئی سکون کو روتا ہے اور مجھے یہ گلہ
 اگر شراب میں سستی نہیں شراب نہیں
 مری سکون کی دُنیا میں اضطراب نہیں
 تھی جس روح میں گرمی ہے اضطراب نہیں
 مرے سوال کا شاید کوئی جواب نہیں

ازل کے روز کو دیکھو اور آج کو دیکھو
 مجھے شراب سے توبہ میں عذر کیا واعظ
 میں اضطراب کا خوگر ہوں یہ سمجھتا ہوں
 جو آنے جانے لگے ہیں خواب میں اکثر
 تمھارے دورِ عبدانی سے بھی خدا کجے
 ستم ہزار کرے چرخِ ظلم لاکھ کرے
 کبھی سرِ دل مضطر کا حال دیکھو ورق
 مرے سوالِ محبت پہ یہ بتسم ناز
 سوالِ حشر میں انکی طرح سے ہیں لاکھوں
 بتائیں کیا تمھیں ہم تیرگی شامِ فراق
 زمانہ خواب ہے اور خواب اسکی باتیں ہیں

خدا سے ملکتی ہے انساں کو کامیابی دور

۱۶

دو کامیاب ہے نشر جو کامیاب نہیں

۹۵

رکھ دیا یاروں نے گورتان میں
 جلو گر ہو، گر نہ توان میں
 اب کہیں جان آئی نشر جان میں
 فرق کیا انسان اور حیوان میں
 اب تو داخل ہے مرے ایمان میں
 اب تو یہ آتا نہیں پہچان میں
 باوہ نوشی کھنر ہو جا ہے نہ ہو
 کر دیا کیا دل کو تو نے سوزِ غم

عمرہ محشر میں ہے چھنا فضول
 چھکے چھکے چھپ کے وغظ خوب پی
 مذہب انساں ہے مرن انسانیت
 اہل دنیا چپ رہیں سننے بھی میں
 جن پہ دنیا بھر کی موسیقی نثار
 وائے عبرت کیسے کیسے تاجدار
 عزم سے اور حوصلے سے کام لے
 ماننے تو ہے اسی میں کائنات
 خواب میں آنا بھی آنا ہے کوئی
 کر گئی یہ کیا کسی کی چشم مست
 عشق نے درد مجسم کر دیا
 آدمیت کو میں سب بھولے ہوئے
 ہے ترا رمان اس دنیا کی جان
 رات دن اب یہ سماں ہے سامنے
 ہے نہ سننے والے کا لشر قصور

۱۹

۹۶

دل کی آواز آرہی ہے کان میں
 پھر اچھے دن خدا کے فضل سے گلشن کے آتے ہیں
 گٹھائیں جھوم کر اٹھی ہیں دن دن آتے ہیں

خیا لوں میں چلا پا کر، نظر میں جن کے آتے ہیں
 تصور اب بھی اٹھتے بیٹھے گلشن کے آتے ہیں
 ابھی تو مشرب مارے تھکے مدفن کے آتے ہیں
 نہیں گلشن، تو جھونکے نہت گلشن کے آتے ہیں
 کبھی کبھی بن گئے ہیں کبھی کبھی بن گئے ہیں
 مرے ارمان باہر نکلے آتے ہیں
 قیامت سر پہ آتی ہو کہ دن دن کے آتے ہیں
 وہ ہو کر دو جاتے ہیں جو دشمن بن گئے ہیں
 نظر صحرا میں بھی آتا کچھ گلشن کے آتے ہیں
 جوانی میں بھی یاد اندازا نہیں بچیں گئے ہیں
 کبھی بھونے بھٹکے پاس اگر مدفن کے آتے ہیں
 سنا ہے پھر وہ بزمِ ناز میں بن گئے ہیں
 مگر ظالم کو ساکے چکے رہن کے آتے ہیں

ہمارے دل میں جلوہ جو رخ روشن کے آتے ہیں
 گذاریں زندگی قیدِ قفس میں کس طرح اپنی
 ٹھہرائے داؤدِ محشر ذرا ہم سانس تو لیں
 قریبِ باغ ہے اپنا قفس یہ بھی غنیمت ہے
 کوئی کیسے انھیں جانے، کوئی کس طرح بچانے
 نہیں ملتا نکلنے کو انھیں جب راستہ کوئی
 سر پہوتے ہیں پھر سوکھے ہوئے زخمِ جگر میرے
 شریکِ حال انساں چاہے چشمِ کرم اسکی
 یہاں بھی جو شمعِ حیات اب ہمیں شاید رہنے دے
 چن جاتے ہیں جیسا نکار دل دینے سے کرتا ہوں
 خدا شاہد ہے پس جاتے ہیں ہم احسان ان کے
 اتنی خیر ہو میرے دل مشتاقِ جلوہ کی
 نظر انکی بظاہر کس قدر معصوم و سادہ ہے

کریں جس کام کی ہمت وہ پورا کیوں ہو نشر

۱۵

ہمارے ہی ارادے تو مقدور بن کے آتے ہیں

۹۶

بلغ رکھیں کہ دل زار کو صحر ا کر دیں
 جو سمجھتے ہوں گے حق میں وہ چھا کر دیں
 ظلم سے باز نہ آئیں تو وہ اتنا کر دیں
 بہ تصرف مرا پتھر کا کلیجہ کر دیں

کیوں ہم جانِ نثارِ رخِ زیبا کر دیں
فیصلہ جو انھیں کرنا ہو وٹنا کا کر دیں
وصل اور ہجر کے باز یچوں سے ہم با آئے
ضبط نے حشر میں بھی خوب سنبھالا ہم کو
نہ ہو پوری، تو تمنا کا نسل ہے فضول
روک لے ضبط، جو ممکن ہو، یہ آنسو میرے
راہ بس اپنی غم بھر و تمنا کے وصال
کا وٹن ضبط کی آخر یہ کشاکش کب تک؟
ہم سے پوچھے نہ کوئی دردِ محبت کی حدیں
کیسی کیسی چلی آتی ہیں گٹھائیں گٹھکھوڑ
مخمل و عطر نہیں یہ کہ جہاں جی شگے
حضرتِ دل بھی عجب چیز ہیں شاہِ اللہ
آرزوؤں کو اکٹھا نہ کرانا دل میں
عشق کی بے سوسامانیاں اللہ اللہ
ہو فرشتوں سے بھی انسان کہیں ٹھہر چڑھ کر
خُرف بھی کچھ لیں ورنہ گم بھی مینوشوں کا
چونچیرائے کرم ہوں وہ کہاں ہیں لہو

ہو چکا کھیل، بس اب ختم تماشا کر دیں
کم نہ ہوتی ہوں جغائیں، تو زیادہ کر دیں
آپ دُنیا کو ہمارے لئے دُنیا کر دیں
ورنہ ہم اسے مجبور کہ دعویٰ کر دیں
جی میں آتا ہے کہ اب ترک تمنا کر دیں
کہیں ایسا نہ ہو ظالم مجھے سوا کر دیں
جیسی دُنیا تھی مری، پتھر ہی پتھر کر دیں
جی میں آتا ہے کہ اب عرض تمنا کر دیں
ساری دُنیا کو کہو درد کی دُنیا کر دیں
کہئے کس طرح نہ قربانیِ تقویٰ کر دیں
بزمِ ساقی میں تو ہم روزِ سویرا کر دیں
دُعا چاہیں تو گلزار کو صحرا کر دیں
میرا ذمہ جو کبھی حشر نہ برپا کر دیں
لوگ قربان نہ کیوں دلتِ دُنیا کر دیں
خوابیں اسکی اگر اس کو نہ اندھا کر دیں
کہیں اعط، تو ہم اک دعوتِ صبا کر دیں
یوں کہو زرد رواں آنکھ سے دریا کر دیں

بات یہ ہے کہ تے غم کا بھی لطف نہیں
مٹساؤ انکی نگاہوں میں عجب ہے تاثیر
چارہ گر شوق سے آئیں مے آنکھوں پر
ان کے کد جو کئے ہیں تو کئے جائیں ستم
روز مایوسیاں رہتی ہیں، مجھے ڈر یہ ہے
جان دیدینگے، مگر اُن نہ کرینگے

۲۵

۹۸

ہم بھلا اور غم عشق کو رسوا کر دیں
جس چیز کی تلاش مجھے ہے یہاں کہاں
دربانگتے رہ گئے "ہاں ہاں کہاں کہاں؟"
کیوں پوچھتے پھرے، ہی تراشیاں کہاں
پہنچا مر خیال نہ جانے کہاں کہاں
اب ہکوا تیار بہار و خزاں کہاں
اب وہ زمیں کہاں ہمارا آسمان کہاں
ہوتا ہے آشیانہ کہاں بجلیاں کہاں
گر آشیانہ ہو تو غم آشیانہ کہاں
کس کس سے منے کدیا جا کہاں کہاں
یعنی ہمیں اجازت آہ و فغاں کہاں

ہنگامہ جہاں میں سکون اماں کہاں
ہم آج تو پہنچ ہی گئے انکی بزم میں
جھک جائیگی جبین نیاز اپنی خود بخود
آنے میں تہی دیر لگانی نہ تھی تمہیں
اک عمر ہو گئی کہ اسیرِ نفس ہیں ہم
اُن کے فراق نے مری دنیا ہی ٹوٹ لی
قہر خدا کیواسطے نزدیک و دور کیا
قید تعلقات ہے دنیا میں وجہ غم
ہم نے تو دل کا حال کہا تھا بطور راز
خاموش ہیں جو ہم تو یہ سمجھو کہ جبر ہے

کبے نہیں گئے کہ کلیا نہیں گئے
 آخر جنون عشق نے آزاد کر دیا
 دل لیکے کل وہ شبنم جاں ہو گیا دوا
 دھونڈا ہے ہم نے بھکونے جا کہاں کہاں
 اب عقل اور خود کی وہ پابندیاں کہاں
 ہم کہتے رہ گئے اے ظالم کہاں کہاں

گویا ہمارا حق ہی نہیں سیکرے یہ کچھ

۱۴

۹۹

ہر شخص کہہ رہا ہے کہ نشر یہاں کہاں!

اسکے کہنے کے لئے جیتک رہا دل نہیں
 جو نہ چپ کرے زبان کو زبان دل نہیں
 جب سے لے رشک قمر تو مہمان دل نہیں
 تو اگر بستی سے، باغبان دل نہیں
 اس طرح ہنس ہنس کے سنتے آپ، تو بہ کیجئے
 دستان دل کوئی اس ہو فاسے کیا کہے
 آرزو میں گر نہ ہوں، زندگی بے کیف تھی
 امتحان دل کہیں اس طرح لیتا ہے کوئی
 چارہ گردان در و دل کروں کہ بخر قبول
 کر دیا کیا تو نے احوال در نہان دل اسے
 نغمہ ساز اور مطرب کی صدا میں سوز کیا
 مٹ بچا جب دل تو اسے ہو سلی کے لئے
 دستان دل ہو لیکن دستان دل نہیں
 جس کے تاثیر نہ ٹپکیں وہ فغان دل نہیں
 چاند تاروں سے منور آسمان دل نہیں
 گلستاں کہنے کے قابل گلستاں دل نہیں
 دستان قیس مری دستان دل نہیں
 جوئے اس طرح، جیسے دستان دل نہیں
 کون ہے وہ آرزو، جو آج بادل نہیں
 موت کہتے ہیں اسے یہ امتحان دل نہیں
 جان ہے میری، سر اور نہان دل نہیں
 تھا جان دل، اب ہان مٹاؤ دل نہیں
 وہ زبان دل نہیں ہے یہ فغان دل نہیں
 دل کا توب ذکر کیا، نام نشان دل نہیں

رہ سکے جیسا اندوہ خزاں، کیف بہار
 ہاتھ رکھا، کہاں اچھا گر بہر علاج
 جمع کر لینے دو سٹا کر ڈول صد پارہ کے
 یاس پیچ اور غم کی چیرہ دستی دیکھتے
 دل جسے کہتے ہیں دل تو خوں پر ورہ ہے
 ہے ہماری داستان عشق، وجہ انقلاب
 توڑ کر دل، دفن اٹھتے ہو پہلو سے مرے
 کون کتا ہو جہاں عشق میں غناب ہے دل

جس کو سن کر سننے والے دل نہ اپنا تھا مایوس

۳۱

اور وہ جو کچھ ہو شکر داستان دل نہیں

۱۰۰

آپ تو میری جان لیتے ہیں
 ہم جو توبہ کی ٹھان لیتے ہیں
 اور ہم بے جنوں میں کیا ہوتا
 سوچتے ہیں بانیں کہ نہ دیں
 ہے جہاں بھی ستم، وفا بھی ستم
 نزع میں ہے گریز آنے سے
 عشق والے کبھی نہیں مرتے

یوں کہیں امتحان لیتے ہیں!
 بادل آ آ کے جان لیتے ہیں
 خاک صحرائی چھان لیتے ہیں
 وہ ہماری زبان لیتے ہیں
 ہر طرح میری جان لیتے ہیں
 آخری امتحان لیتے ہیں
 موت کو زلیت مان لیتے ہیں

کیسے شکوے کیا تیں ایدل
 وہ ترا امتحان لیتے ہیں
 ہے جو نالوں کا کچھ دنوں رنگ
 ایک دن آسمان لیتے ہیں
 ضد حسینوں کی ہر شرت مگر
 کبھی کہنا بھی مان لیتے ہیں
 بڑھے آگے کر گئے کیا نالے
 جب ابھی آسمان لیتے ہیں
 کاش ہو جائیں اندر مایوسی
 حوصلے اور جان لیتے ہیں
 میں تو یہ جانتا ہوں شادی غم
 سب مرا امتحان لیتے ہیں
 آسمان کچھ پرے سرک جائے
 گاتے گاتے وہ تان لیتے ہیں
 دن یوریش ہے یاں حشر کی
 سب تمہارا مکان لیتے ہیں
 کس کو ملتی ہے منزل مقصود
 خاک رستے کی چھان لیتے ہیں
 جب ساما نہیں ہے غم دلیں
 اور کچھ کھینچ تان لیتے ہیں

کیوں نہ ہنس ہنس کے جان نشتر
 جب ہنس ہنس کے جان لیتے ہیں

۱۶

۱۰۱

دیکھ کر تجھ کو کسی اور کو اب کیا دیکھوں
 جھڑ آنکھ اٹھاؤں ترا جلو دیکھوں
 کیوں ہوس مٹی ہے ترغیب کہ دینا دیکھوں
 دیکھنے کی جو نہیں چیز اُسے کیا دیکھوں
 نہ نخل جاؤں خزاں میں تو کروں کیا اثر
 کس طرح آنکھ سے گلزار کو صحر دیکھوں
 جس کے ملنے کے لئے چھوڑ دیا دینا کو
 وہ بھی ملتا ہے کہ مچھو نہیں ملتا دیکھوں
 اب تو وہ درد عطا کر مرے دل کو یارب
 جھڑ آنکھ اٹھے اور کی دینا دیکھوں

کیا اسی دن کے لئے، مجھ کو مٹا دی تھی؟
 بھٹوتا ہے، نہ کبھی بھول سکیگا، بیدرد
 کیا کیا تو نے دکھا کر مجھے جلوے اپنا
 دین کا تو نے نہ رکھا، نہ مجھے دنیا کا
 کان اور آنکھ دیے ہیں تو یہ توفیق بھی ہے
 آرزوؤں نے کہیں کا بھی نہ رکھا مجھ کو
 دل میں جب مجھ کو میسر ہے کسی جلوہ
 آنکھ سے ہو ہوئے خونِ تمنا دیکھوں
 دردِ دل کے ہمارا، ترا کننا دیکھوں
 جی نہیں چاہتا اب جانبِ دنیا دیکھوں
 منہ ترا کاش نہ لے خواہشِ دنیا دیکھوں
 تیری آواز سنوں، اور ترا جلوہ دیکھوں
 اب کہاں تاب کہ انجامِ تمنا دیکھوں
 کبہ کیوں جانوں میں کیوں پر کلیا دیکھوں

لطفِ پستی کا بلندی میں کہاں ہے نشر
 کیوں بلندی کی ہوس کر کے میں نیچا دیکھوں

۱۳

۱۰۲

سمانے کو لے آسمان اور بھی ہیں
 مٹاؤ ہوئے قلبِ جاں اور بھی ہیں
 ہمیں ایک شاکی نہیں ہیں تمہارے
 ہمیں کیوں کلجائیں گلشن سے تنہا
 نہیں آسمان، آسمان مجھ کو تنہا
 ہیں آپ کیوں انجمن سے نکالیں
 قسم تم کو جو روستہ کی، بتا دو
 جو وہ ہے رہے ہیں سلسلیِ تشفی
 ہمیں تو نہیں ہیں جواں اور بھی ہیں
 مری طرح محوِ فغاں اور بھی ہیں
 ہمارے کئی ہمزبان اور بھی ہیں
 چمن میں تھے باغباں اور بھی ہیں
 مری جان کو آسمان اور بھی ہیں
 وہاں یک ہم بھی، جہاں اور بھی ہیں
 ہماری طرح بے زباں اور بھی ہیں؟
 تو کجست آنسو رواں اور بھی ہیں

مرے آئیاں ہی سے بجلی کو ضد ہے
جو اک آسماں آہ ڈھادے، نتیجہ ؟
ترمی جوتیں ہی نہیں صرف قاتل
جو کی بدگمانی مٹانے کی کوشش
خودی ہی نہیں مجھ میں رنجہ میں حائل
سر طور پھر ایک بار اپنا جلو
نہیں برق تنہا، میں کس کس روؤں
خدا جانے کیا ظلم ہوں اور آگے
مرے دلیں حسرتوں کی کمی کیسا
ہے دستگی اپنی صرف ایک گل سے
ہمارا فسانہ بھی گر ٹھہ لیگی دُنیا
فغاں کا نتیجہ جو دیکھے ہوئے ہیں
ہمیں کیا جسہ تھی وفا کے علاوہ
نہیں میں ہمیں خواب غفلت میں تنہا

نہ سمجھو کہ مرتے ہی پھٹی ہے نشر

۲۳

۱۰۳

ابھی تو کئی امتحاں اور بھی ہیں

ظلم میں تیر، اب انداز نہیں ہوتے ہیں
یہ تم عشق میں بڑاشت کہیں ہوتے ہیں

کام آتے ہیں جی تیرے وہ ہمیں مٹتے ہیں
 نہیں مٹتے جو کسی کے تو نہیں مٹتے ہیں
 جتنے معصوم یہ بتتے ہیں، نہیں مٹتے ہیں
 یہ بھی ہونا ہے جو دو ایک کہیں مٹتے ہیں
 آپ جس وقت مے پاس نہیں مٹتے ہیں
 ظلم و رسل ترے ظلم نہیں مٹتے ہیں
 توڑنے کے لئے اقرار نہیں مٹتے ہیں
 رنج و غم سنتے ہیں مغموم نہیں مٹتے ہیں
 جاسب دیکے جو پیوند ز میں مٹتے ہیں
 اب جانے کے ارادے بھی نہیں مٹتے ہیں
 وہ مزی تیری فاؤں میں نہیں مٹتے ہیں
 اور کچھ مٹتے ہیں، ارماں نہیں مٹتے ہیں
 اور ان لوگوں کے انداز جبین مٹتے ہیں
 میرزہ دیکتا تو یہ دنوں یہیں مٹتے ہیں
 اب سجدے سر کمون جبین مٹتے ہیں
 ہم بہار دین بھی دیوانے نہیں مٹتے ہیں
 ہن ہمدرد وہ ہمدرد کہیں مٹتے ہیں

غیر، ہوم کبھی بھولے سے نہیں مٹتے ہیں
 جانے کس قسم کے ظالم یہیں مٹتے ہیں
 اپنے مطلب کے خبردار، حسیں ہوئے ہیں
 کون کتا ہے وفادار حسیں مٹتے ہیں
 دیکھئے مجھ کو کسی روز اگر ممکن ہو
 عشق صادق جے ہوتا ہے سچا ہی وہ ہی
 سوچ لے عہد شکن، ایک ناپیرو دلیس
 عشق والوں کو غم عشق بھی اک نعمت ہے
 نسبتا زیر میں کچھ تو ہے آرام ضرور
 رات دن یا کبھی ہم اور درمیانہ تھا
 جو مزی تیری جفاؤں میں ملے ہیں ل کو
 جو نکلتے نہیں ارمان محبت میں کبھی
 ہو گئے ہیں خفیں سجدوں کے طریقے معلوم
 بد رنگ کے نہ دفن ہے نہ جنت ہے کہیں
 جنکی ممنون کبھی میری جبین مٹتی تھی
 موسم گل کی خطا ہے کہ نہ جانے اپنی
 وہ جو ہمدرد نہیں ہیں، تو تعجب کیا ہے

ہوش لے لیتے ہیں تے ہی ہمارے نشتر
جب تک آپ میں ہم آئیں وہ نہیں مٹتے ہیں
زلزلے اس کے ہوا اور نہیں کچھ نشتر
بیعت راہل زمین، زیر زمین مٹتے ہیں

۲۰

۱۰۴

غم عشق میں مبتلا جا رہا ہوں بتائے کوئی کیا بُرا جا رہا ہوں
میں بے غم و بے مدعا جا رہا ہوں جد ہر دل میں آئی چلا جا رہا ہوں
مجھے کیا، کئے جائیں وہ جو یہیم کہ میں مجبوراً وہ فنا جا رہا ہوں
سمجھتا یہ ہوں، زندگی بڑھ رہی ہے حقیقت میں سوئے فنا جا رہا ہوں
کبھی تو مرے حال پر بھی نوازش تری بزم میں کبے آ جا رہا ہوں
محبت کا رستہ بھی کیا بے خطر ہے نہ ساتھی نہ رہبر چلا جا رہا ہوں
بتایا ہے جو رستہ میرے دل نے اُسی راستے پر چلا جا رہا ہوں
رو رسم منزل کو واقف نہیں ہوں قدم اٹھ رہے ہیں چلا جا رہا ہوں
نہ عقوبت میں رہنا نہ دنیا میں رہنا اسی طرح مدت سوا جا رہا ہوں
یہ کیا کر دیا اسے نگاہ حقیقت میں نظروں کی اپنی گرا جا رہا ہوں
حقیقت سمجھتا ہوں میں زندگی کی مگر پھر بھی اس پر مرا جا رہا ہوں
گرفتار موح ہوا ہو گیا ہوں جد ہر بہہ ہا ہوں بہا جا رہا ہوں
کبھی مل ہی جائیگی منزل مجھ بھی خدا پر نظر ہے، چلا جا رہا ہوں
پھر اس بزم میں آج تنگ آ کے دل سے

۱۰۵

بُرا ہو کہ شتر بھلا، جا رہا ہوں

رات دن سر پہ محبت میں بلائیں آئیں
 لاکھ پہلو سے محبت میں بلائیں آئیں
 راس آئیں نہ دوائیں دوائیں آئیں
 سنے انداز سے کیوں آج ہوائیں آئیں
 کچھ قلع ہے جوانی کو جفاؤں سے ضرور
 جان دینے کی جو ٹھہرائی تے عاشق نے
 سچ کہا ہے کہ مصیبت نہیں تنہا آتی
 مترادف ہیں بلا اور محبت شاید
 ان حسینوں کی جفاؤں میں یہ لذت ہے
 نہ نہیں غور سے نادان نے آخر نہیں
 ہم کو راحت نہ محبت میں میسر آئی
 چھوڑ دینے پہ مگر آج ہے مائل صیاد
 ایسی خوشیوں کو کہو لیکے کرے کیا کوئی
 شکوہ یہ ہے کہ سلتے کی کوئی بات نہیں
 عشق میں پڑ کے بلاؤں نے گھبراے دل
 کس باں سے ہوا ڈاکر یہ رحمت حق

۱۶۴

بُرا ہو کہ شتر بھلا، جا رہا ہوں

ہتے ہر خدیہ چاہا کہ نہ آئیں، آئیں
 ہم نے دائیں سے ہٹا بھی تو بائیں میں
 کام اگر عشق میں آئیں تو دوائیں آئیں
 لیکے شاید رُخ زیبائی بلائیں آئیں
 یہ جہاں آئی حسینوں کو جفا میں آئیں
 خلد سے لینے کو معصوم ہوائیں آئیں
 اک بلا آئی جہاں لاکھ بلائیں آئیں
 دل کسی پر کہیں آیا کہ بلائیں آئیں
 مار ہی ڈالیں گے انکو جو دوائیں آئیں
 عمر بھر کان میں نساں صدائیں آئیں
 آئیں خوشیاں بھی تو بن سکے بلائیں آئیں
 وہ مے لینے کو گلشن سے ہوائیں آئیں
 پیٹھ پھیری نہ انھوں نے کہ بلائیں آئیں
 نہ جھائیں محض آئیں نہ دوائیں آئیں
 تو نے خود ہی تو یہ چاہا تھا کہ آئیں آئیں
 کسی گنتی میں ہمارے نہ خطائیں آئیں

پاکبازوں سے مخاطب ہوئی رحمت حق
 کتنے ہی ظلم کسی شوخ شکر نے کئے
 ہر باں ہو کے نہ جانے وہ ستم کیا کرتے
 انکو آتی ہیں وفا میں تو ابھی آجائیں
 ہجر میں خور یہ کیا ہے کہ اٹھیں دل
 ایک دن بھی ہو مادم نہ خطائیں کر کے
 خلق عاجز ہے جہاں سے مجھے شکوہ ہے
 میری تقدیر کہاں اور کہاں رحمت حق
 فیض میخانہ فراموش نہ ہو گا دل سے
 ہکو کیوں سے وہ خوش نہیں ہنریتے
 پھر کہاں ہمتی ہے تاریکی نا امیدی

و اے بر حال مریض غم فرقت نشتر

۱۰۶

۲۸

در پہ وہ آئے کہ ماتم کی صدائیں آئیں

میں کہاں مخلص جال کہاں
 ایک دن مجھ کو ایک سال کہاں
 یخچل مجھ کو لے خیال کہاں
 زندگانی ابھی وہاں کہاں
 ہجر اور وصل کا سوال کہاں
 بخود ہی کو مری، خدا رکھے
 دوسرا میرا خیال کہاں
 حد عشق دو فاسے آگے ہوں

کچھ خبر بھی ہے تجھ کو اے غافل
ہو اگر میرا طرفِ دل نہ وسیع
میں ہوں در آمدنِ تصویرِ یار
لذتِ انتظار، ارے تو بہ!
چارہ گر تو بھی کر لے اپنی سی
تو کہاں اور کہاں میرے کامل
کاش ملتے تو ملے تو ملے رولیتا
وہ ہوں مہمانِ خواب، ناممکن
جا ہے میتِ باہ سال کہاں؟
جائیں بیچ و عمِ ممال کہاں
کون ہوں کیا ہو، خیال کہاں
میری تقدیر میں مصال کہاں
ورنہ زخموں کا اندام کہاں
عکس کا بھی ہے جمال کہاں
عمرِ فانی کے ماہ سال کہاں
ہے پریشاں سرِ خیال کہاں

دیکھئے وہ ملیں کہاں
عید ہوتی ہے اب کے سال کہاں

۱۳

۱۰۴

اندازوں کم ہے جھائے یار کیوں
ایک پر خوشیوں کی بھر مار کیوں
کوٹھنیں ساری گئیں بیکار کیوں
پھونکے دیتی ہے تپ سوزِ فراق
دل جی ملیں کیوں کر لیں ان بات
پہلے ناشادِ محبت کر دیا
جب ستم کی لذتیں اس میں نہیں
حسن کی کمزور ہے رفتار کیوں
دوسرے پر بیچ کی بوچھاڑ کیوں
پھر گئی ہم سے نگاہِ یار کیوں
خشک ہے اسے چشمِ دریا بار کیوں
دوسرا ہو جائے واقف کار کیوں
پوچھتے ہیں اب کہ ہو بیزار کیوں
پھر تماشے وفا کے یار کیوں

تیری قسمت میں گردِ اعظا نہیں
 خواہیں تھی اُن سے کیا کیا گفتگو،
 آج میخانے میں کیا ساتی نہیں
 جب نہ دی تھی تابِ نظارہ مجھے
 سادگی کیوں وجہِ قتلِ عام ہے
 ابھی جاؤ دو گھڑی کی واسطے
 کیوں یہ آخر سرِ بازارِ می عشق
 عشق کو سنتے تھے ہم اصلِ حیات
 ہے یقیناً اُسکے دل میں بھی لگاؤ
 بانٹ سکتا ہی نہیں ہے جب کوئی
 لذتِ اندوزِ جنائے یار ہوں
 عشق ہی جب منزلِ مقصود ہے
 حاضر و ناظر ہے تو جب ہر جگہ
 کچھ نہیں کھلتا کہ جاتے ہی ترے
 کیوں نہ کر لیں دل کے ترے کو طور
 ترکِ محو پر مجھ سے ہوا صرا کیوں
 ہو گئے ایسے میں ہم بیدار کیوں
 مضحل بیٹھے ہیں بادِ خوار کیوں
 دل کو دیدی حسرتِ دیدار کیوں
 سب مے جاتے ہیں بے تلوار کیوں
 ہونہ مجھ کو آخری دیدار کیوں
 حُسن کی یہ گرمی بازار کیوں
 زندگی اپنی ہے پھر دشوار کیوں
 ورنہ یہ ہر دم خیالِ یار کیوں
 درد کا اپنے کریں اظہار کیوں
 ہوتے مائے وفائے یار کیوں
 راستہ اسکا ہے ناہموار کیوں
 ہو ہر ایساں طالبِ دیدار کیوں
 رونے لگتے ہیں درو دیوار کیوں
 بے طورِ پردہ ہونڈیں جمالِ یار کیوں

عشق اگر تم کو نہیں شکر تو پھر
 قلبِ زار و دیدہ خوبسار کیوں

نہیں ہے کم نگہی قسم یا نگاہ نہیں
 نگاہ تو ہے مگر وسعت نگاہ نہیں
 کسی کے آہ ہے لب پر کسی کے آہ نہیں
 بہت وسیع نگاہیں ہوئیں محبت میں
 ذرا میں خوش ہے تو ظالم ذرا میں ناراض
 دلوں کو دیکھئے تماٹے دید بے پایاں
 نگاہ بند کرو اور دیکھ لو اُس کو
 جمالِ یار سے محرمیوں کا شکوہ کیا
 مئے غم اور مسرت کا فلسفہ یہ ہے
 عجیب حال محبت میں ہے نگاہ کا بھی
 تمام بزم ہے کیفِ نگاہ سے سرخوش
 گناہ نگار انہ کھائے فریبِ تنہائی
 چلا ہوں رحمتِ خالق کا مستحق ہو کر
 اگر گناہ پہ رحمتِ خدا کی ہے موقوف
 گناہ نگار ہوں اور اعتراف کرتا ہوں
 نہ انتہائے کرم ہے نہ انتہائے ستم
 نہیں ہے مجھ کو ستائش سے کچھ غرض نشر

ادا ہے کونسی تیری جو بے پناہ نہیں
 تمھارے پاس پہنچنے کی کوئی راہ نہیں
 مگر ہے کون جو حسرت کش نگاہ نہیں
 جہا یقین نہیں تھا اب اشتباہ نہیں
 ابھی نگاہ ہے مجھ پر ابھی نگاہ نہیں
 وہاں تقسیم ہے ظالم جہاں نگاہ نہیں
 مذاقِ دید میں پابندی نگاہ نہیں
 مری نگاہ ہی شاید ابھی نگاہ نہیں
 کبھی نگاہ ہے اُسکی کبھی نگاہ نہیں
 کبھی نگاہ ہے سب کچھ کبھی نگاہ نہیں
 وہ ایک ہم ہیں کہ ہم پر تیری نگاہ نہیں
 وہ کون فعل ہے جس کا خدا گواہ نہیں
 یہ فخر کیا مجھے کم ہے کہ بے گناہ نہیں
 تو مغفرت ہے اسی کی جو بیگناہ نہیں
 ہزار سکر میں شہزادہ گناہ نہیں
 اتھاڑ دونوں میں یعنی کسی کی تہاہ نہیں

۱۰۹

نہ ہو کلام پہ میرے جو واہ واہ نہیں

۱۷

بنانا تھا اگر زنداں مرا وسطِ گلستاں میں
نحاط اسکا بھی رہنا چاہئے صیادِ زنداں میں
ضنوی کس کو کہتے ہیں، مصیبت کیا ہو زنداں میں
حقیقت کی نگاہوں سے، اگر دیکھو تو کیاں ہیں
چمن میں بھول جو کھلتے ہیں، انکو دیکھنے والے
وہ ہی گلشن، وہ ہی پتے، وہ ہی پھل بھول ہو جائے
کسی کو ایک مڑ جانی ہوئی پتی کے لالے ہیں
کہوں اسکو بُرا کیونکر، کہوں اس کو بھلا کیونکر
وہ ہی انسان ہے انسان جبکو لطف آتا ہے
جو ہو امید سے معمور دل، پھر اسکا کیا کنا
یہاں کون من رہا ہے، یہاں ملتی ہے کیوں تکیں
عزیزا زبن میں قہری شکر، تجھ سے جدا ہو کر

۱۱۰

کبھی میں دل میں اُمیدیں، کبھی یاویاں نشر

۱۳

کبھی ہم ہیں گلستاں میں، کبھی ہم ہیں بیاباں میں

کچھ مری آہ میں اللہ اثر ہے کہ نہیں
ضو فلک کیفیتِ داغ جگر ہے کہ نہیں
کچھ مے حال کی ظالم کو خبر ہے کہ نہیں
شامِ غم میں مری، اندازِ سحر ہے کہ نہیں

انکی آنکھیں ہر دہشت اور ہر دل بیہوش
 جگر و در میں کچھ رلبط ہے ایسا کہ ہمیں
 چارہ گر جذب جہاں کر کے گئے تھے مرہم
 وہ زباں تو بولتے ہیں ہمیں محفل میں
 خوگر و در جگر خاک کرے شکوہ درد
 دل محبت میں بہت محو ہوا جاتا ہے
 ہم نے تاحہ نظر جلوہ ترا دیکھا ہے
 وعدہ دیدہ نازاں نہ ہو ان کے ابدل
 مجھ سے دُزدیدہ نگاہی تری آخر کب تک
 مجھ کو منزل نہ بتایا تو بتائے ظالم
 قصہ طر کو گزرتے ہوئے مدت گذری

پوچھا رات وہ ساقی کا نہ بھولے گا ہمیں
 دیکھنا شتر شوریہ نظر ہے کہ نہیں

۱۲

۱۱۱

تصور میں بلا انگیز ہیں زنداں کی تصویریں
 نہیں منظور ہوتا جب تجھے لے صانع قدرت
 اگر موتیں نہ امیدیں، تو دنیا سخت مشکل تھا
 شکون نیک سمجھوں، یا کہ فال بدلے سمجھوں
 جدہم آنکھ اٹھاتے ہیں نظر آتی ہیں زنجیریں
 نہ کام آتی ہیں تقدیریں، نہ کام آتی ہیں تدبیریں
 انھیں ظلمتِ دل میں نظر آتی ہیں تویریں
 اُترتی جا رہی ہیں پاؤں سے خود آج زنجیریں

کبھی اتنا تو سوچیں منکران ہستی خالق
خدا کی شان ہے تاریکیوں کو نور سے نسبت
نہ جانے رات کیا گزری تیرے قیدی پر اور ظالم
خوشی سے ہم اسیری میں نہیں کھتے ہیں عمرانی
محبت کا نہ پوچھو حال جیت حد سے بڑھتی ہے
محبت ساتھ اپنے لیگی سب لو لے دل کے
ہے فطرت جنگی آزادی، کہیں نچلے پڑتے ہیں
ہمارے ان کے ملنے کی نہیں ممکن کوئی صورت
فقط احساس ہی میں آدمی محصور رہتا ہے
درا دیکھتے تو کوئی رعبِ حق صاحبِ محفل
کو قرار ہو س بھی ہے، مگر قرارِ تمنا بھی
کہاں پھر وہ، کہاں پھر رحمتِ معبودِ محشر میں
گنگار اپنی نادانی سے گھبرایا کرے، لیکن
ہمارے دل سے پوچھے کوئی ہم پر کیا گزرتی ہے
حسینوں کا بگڑنا، قیمتِ عاشق کا بننا ہے
نہ جانے کون سا زنداں میں ایسا لطف تھا مجھ کو
دعا کرتے ہیں اور ان پر اثر ہوتا نہیں مطلق

مصور ہونہ گر کوئی، بنائے کون تصویریں
گھٹا اٹھی جہاں، آئیں نظر بجلی کی تصویریں
نہ اب آواز آتی ہے، نہ اب سجتی ہیں زنجیریں
کریں کیا پاؤں پڑتی رہتی ہیں زرات زنجیریں
بہت بخت کی مضبوط ہو جاتی ہیں زنجیریں
نہ وہ نئی عائنیں ہیں، نہ اب نہیں وہ تاثیریں
نہ قیدی ان کو قیدی ہیں، نہ زنجیریں ہیں زنجیریں
ادھر وہ شرم کے پابند، ادھر باگیں زنجیریں
اسیری ہے اسیری اور نہ زنجیریں ہیں زنجیریں
یہ بل بزم ہیں، یا بزم کی خاموشی تصویریں
ہزاروں طرح کی انسان کو ہیں نیامیں زنجیریں
بڑی تصویر کرتے ہیں، نہیں کرتے جو تصویریں
یکایک شانِ رحمت سے بدبجائی ہیں تصویریں
نیشمن میں نظر آتی ہیں جب بجلی کی تصویریں
یہ ظالم تو بگڑ کر بھی بنا دیتے ہیں تصویریں
مری آنکھوں میں پھرتی ہیں بھی تک میری زنجیریں
دعاؤں سے الگ اکثر نظر آتی ہیں تاثیریں

شباب مختصر کے بعد یہ سپہی کی تکلیفیں ذرا سا خواب اور اسکی یہ لامحدود تعبیریں

نکار جو رہ جاتے ہیں خود اہل ستم
کسی کو باندھتی ہیں جب تو خود بندہ تھی ہیں زنجیریں

۱۱۲

۲۳

کبھی قیدِ قفس میں دل سے جب ہم آہ کرتے ہیں
نہ آگاہ اجل ہم ہوں، تو ہے اسیں خطا اپنی
اسی منزل کا جو یاں میں اسی منزل کا خواہاں ہوں
تری منزل کے دیوانے جزاک اللہ جزاک اللہ
فراقِ یار میں ہم دم، بقدرِ اضطرابِ دل
کہا تک مشکلاتِ راہ کی در ماندہ سامانی
شکستِ ضبطِ غم، اے اضطرابِ دل قیامت ہے
کریں اُمید کیا ہم منزلِ مقصود ملنے کی
یہ کس کے دیکھنے کو مضطرب ہیں اتدن یارب
کہو اُن شبِ فرقت کی گھڑی کو بھی کم کر دیں
تنہائیں انھیں کی ہیں، انھیں کو لطف ہو انکا
اکوئی ان آہ کرنے والوں سے اک روز یہ پوچھے
کبھی تکمیل ہو ہی جاے گی سعیِ محبت کی

کجا عرشِ معلیٰ اور کجا فرشِ زمین

نشر

۱۱۳ کہاں تاثر رہتی ہے کہاں ہم آہ کرتے ہیں
 کہاں گئے تھے وعدہ پر اعتبار کے دن
 نہ جانے کتنے کب پھر وہ ہی بہا کے دن
 نہ مضطرب کے دن تھے نہ تھو قرار کے دن
 فراق پاک کے دن میں خزاں کے دن سمجھا
 بشر فریب میں ہے زندگی کے بڑھنے کو
 مری نشاط میں نہاں میں میرنج و ملال
 یونہی گذرتی چلی جا رہی ہو دنیا میں
 حقیقتاً یہ فریب نظر ہے انسان کا
 جنہیں صبح مذاق نظر خدا نے دیا
 بہائے نہیں چھٹا چمن کا ساتھ کبھی
 غضب خدا کا یہ کیا کہہ رہا ہے تو دغظ
 قفس میں جھنگے الٹی کہ ہم گلستاں میں
 نہ روئے کیوں کوئی اسکی فسرہ بختی پر
 نشاط آئی کہ بھر مار رنج و غم کی ہوئی
 خوشی خوشی نہیں دیتی کیوں خوشی کی طرح
 فراق یار سے کیا وصل یار کو نسبت

۱۱۴ وہ انتظار کی راتیں وہ انتظار کے دن
 وہ میری آہ کے دن مالہ ہزار کے دن
 عجیب دن تھے محبت میں انتظار کے دن
 قسم خدا کی وہ ہی تھو مری بہار کے دن
 قریب آتے چلے جاتے ہیں مزار کے دن
 خزاں کا رنگ لئے میں می بہا کے دن
 کبھی خزاں کا زمانہ کبھی بہار کے دن
 وہ ہی خزاں کے بھی دن میں بہا کے دن
 خزاں کی فصل کو سمجھائے تھے ہند کے دن
 خزاں کے دن بھی تو ہیں ماتم بہار کے دن
 سوال تو بہ کا اور ابرو بہار کے دن
 نہ جانے اب کہاں کتنے بہار کے دن
 جے چمن میں آئے کبھی بہار کے دن
 خزاں میں ڈوب کے آئی ہیں بہار کے دن
 بہا پر نہیں نے ہیں کیوں بہار کے دن
 کہاں خزاں کا زمانہ کہاں بہار کے دن

مجھے وہ خوب محبت کے یاد ہیں ن رات
 فریبِ موسمِ گل سے نجات رہتی ہے
 مری خزاں کو ترستے تھے جب بہار کے دن
 خزاں کے دن بھی میں گم یا بڑی بہار کے دن
 خزاں کے دن کے لئے تھے مری بہار کے دن

کبھی تو ضبط سے ہوگی نجات اسے شتر
 کبھی تو لوٹیں گے پھر چشمِ اشکبار کے دن

۲۰

۱۱۲

آنوغمِ محبوب میں ہرقت پیئے کون
 لے بادِ صبا ہاتھ جو تیرا نہیں اس میں
 مرم کے سطرچ شبِ روز جئے کون؟
 کر جانا ہی ٹھنڈی مری ترش کے "وئے" کون؟
 آپس میں جھگڑا ہے امر و کون جئے کون؟
 آجائے اگر موت تو اس وقت جئے کون؟
 جانا ہی مری قبر سے یہ پھول لئے کون؟
 حم منہ سے لگا دی مری ساعی سے کون؟
 دنیا کے لئے کون ہی، عقی کے لئے کون؟
 ابے یکھے قتل میں ہی کون جئے کون؟
 دیکھو تو یہ جا رہے مری جان لئے کون؟
 یوں نکھ میں مروت کھرا شک لئے کون؟
 ہر روز محبت میں مئے کون جئے کون؟

دیکھو یہ کہیں حضرت شتر تو نہیں ہیں!

۱۱۵

پھر تا ہے یہ سامان جنوں کے سے لئے کون؟

۱۲

تم نے ابھی نہیں کہاں، درد بھری کہانیاں
ہوش سے تھیں عداوتیں، چونچ تھی جوانیاں
کیا ہو میں بدل حزیں، وہ تری خوشنایاں
بھول گئی نسیم بھی، اپنی وہ گل فانیان
وہ مری شک ریزیاں، وہ مری خوشنایاں
باقی میں عشق کی ترے دلیں ہی نشانیاں
حسن کی بے نیازیاں، عشق کی بدگمانیاں
کیا ہو میں تھیں جو پیشتر، نیند کی مہربانیاں
کون کسے کہانیاں، اکون سنے کہانیاں

بھول نہ جاؤ تو سہی، اپنی یہ لن ترانیاں
تھے اکروٹن ہیں اب، رات بھی ہیں کہانیاں
آتش سوز غم نے کیا سارا اٹھو جلا دیا
عاشق خستہ حال کی قبر کا کوئی بھی نہیں
یاد میں ہجر کے وہن، یاد میں ہجر کے وہ غم
دفع ترے فراق کے، کیوں نہ عزیز ہوں تجھ
سعی کیا کرے کوئی، کم نہ ہو میں ہوں کبھی
خواہیں بھی نہیں نصیب، اسکی زیارت آجکل
ذکر جہاں کا کیا کریں، ذکر جہاں کا کیا سنیں

بیٹھے بٹھائے نشر آج کس کا خیال آگیا

۱۱۶

یاد یکایک آگئیں بھولی ہوئی کہانیاں

۱۰

جو آئیں پینے پہ دیوانہ وار پیتے ہیں
تری نگاہ سے بے اختیار پیتے ہیں
ہماری طرح مگر دوی چار پیتے ہیں
نمراب نابے مئے خوشگوار پیتے ہیں
ہر ایک فضل میں بیکسار پیتے ہیں

بقدر جام کہیں بادہ خوار پیتے ہیں
کہاں شراب تری بادہ خوار پیتے ہیں
نمراب پینے کو سب بادہ خوار پیتے ہیں
نہیں سرشک، غم ہجر یا پیتے ہیں
ہزار تک کبھی محدود بادہ نوشی تھی

یہ میکے کاتے کیا نظام ہے ساقی
 کبھی خیال کچھ انکا بھی چاہئے ساقی
 انھیں کو بادہ کشی کا حقیقتاً ہے مزہ
 کسی یہ کچھ ہے اثر اور کسی یہ کچھ ہے اثر
 شراب ناب میسر کہاں ہے اب ہم کو
 بہین چشم عنایت ہے کیوں می و غلط
 شراب عشق کی کیفیتیں معاذ اللہ
 جسے تمام زمانہ پکارتا ہے موت
 ہماری بادہ گساری کا ہے یہ وقت کہاں
 غم جہاں نہیں رہتا مزار والوں کو
 ہماری بادہ کشی اب کہاں پہلی سی
 تصور نگہ یار تیرا کیا کہنا

جو چار دیکھ رہے ہیں تو چار پیتے ہیں
 لہو کے گھونٹ جو تیل نہار پیتے ہیں
 جو زیر سایہ دیوار یا رہ پیتے ہیں
 شراب ایک سی سب بادہ خواہ پیتے ہیں
 ہم اپنے شک ہی لیل نہار پیتے ہیں
 ہمیں تو اک نہیں پیتے ہزار پیتے ہیں
 ہزار ہوتے ہیں مسرور چار پیتے ہیں
 شراب ہے جسے سب ایک بار پیتے ہیں
 کہ ہمتو دیکھ کے ابر بہار پیتے ہیں
 شراب کیا کوئی زیر مزار پیتے ہیں
 کبھی ہوئے جو بہت بقرار پیتے ہیں
 قفس میں کے مئے خوشگوار پیتے ہیں

تباہیں بادہ گساری کی وجہ کیا نشتر
 کرم کے ہم بھی ہیں اُمیدوار پیتے ہیں

۱۸

۱۱۶

پیش کرتی رہتی ہیں ہر دم زالی صورتیں
 وہ نہ خود آئے، نہ خط آیا، نہ لٹا نامہ بر
 کیا قیامت ہیں مے دل کی خیالی صورتیں
 میٹ مٹا کر رہ گئیں میری خیالی صورتیں
 آدمی کہتے ہیں جنگو، ہیں خیالی صورتیں

ان حنیناں جہاں کو دیکھ کر حیران ہوں
کیون ہو عاشق، کیوں ہوتا نہ یہ انجام عشق
سیرتِ انساں بھی کوئی چیز ہے صوت کیسا
حشر میں کہیں گے ملتی ہیں کسی سے یا نہیں
اپنے ہاتھوں چھپاتے ہیں ہم زیر زمین
اسکی صناعت کا یہ ادنیٰ کرشمہ دیکھئے
ہے قصور اس میں ہمارا ہی اگر غمگین رہیں
یا الہی اور پیدا کر زمین و آسمان
ہے خوشی دُنیا میں کوئی شے، نہ کوئی چیز غم
ہے انھیں کا نام دُنیا اور دُنیا کچھ نہیں
بے نیازی ان کی جانب سے ہوا ہونے لگی
شکر یہ کہ منہ سے تیرا ہوا اے ضبطِ غم
اب اسے کہئے فنا، چاہے قضا، چاہے اجل

۱۱۸

نشر ان میں ہم ہیں جو سیرت کا رکھتے ہیں خیال

۱۸

اور ہونگے دیکھتے ہونگے جو خالی صورتیں

نظر بہت گئیں تو مری ناقص گئیں
دل کی جہاز رو میں تھیں نہیں جھلس گئیں

نظارہ بہار کو آنکھیں ترس گئیں
لے سوزِ عشق آہ یہ کیا تو نے کر دیا

ان میری آرزوؤں کی دیکھ تو کوئی رنگ
وہ نقطہ نگاہ نہ باقی رہا مرا
ایدل خدا کی واسطاب بھول بچھلے خواب
پیری میں زعم عہد جوانی فضول ہے
آجواب تو ہو چکی حد انتظار کی
خود کام آرزو میں تھیں عہد شباب کی
تھے وہ بھی دن کہ جب یہ گھاؤں کی حال تھا
اللہ کون قید نفس میں سے یہ روز

نشر کردہ ہے رحمت حق کی گھاؤں کا
دل سے بخارِ یاس جب اٹھا برس گئیں

۱۱

۱۱۹

بے پلائے ماننے والی نہیں
زوج و غم سے دل کبھی خالی نہیں
ایک ذرہ آپ سے خالی نہیں
شیخ جی ہم اور ترک میکشی
کردیا جس نے ہمیں مجبور قید
کیوں جاؤ آؤ دن سو روز وال
یا ہمارا دل نہیں مستی پذیر

آج معمولی گھا کا لی نہیں
ایک لمحہ فارغ البالی نہیں
حیف نظریں دیکھنے والی نہیں
یہ ہی ممکن حضرت عالی نہیں
وہ ہماری بے پرو بانی نہیں
آدمی میں ہمت عالی نہیں
یا تری آنکھ آج متوالی نہیں

رحم اسے داغِ فراق یا رحم
 غلط و غلط کا یہ بعد از وقت ہے
 یوں ہوا اپنی ہوا باندھا کرے
 لوٹا کیوں میرے نشین پر ہے برق
 چاہتا ہے تو اسے اسے بے نیاز
 دیکھ ان پھوٹ کو بھی اور فصل گل
 کیوں میں شاخ آشیانِ غم کروں
 یہ اسی کی ہوگی، ہوتی آئی ہے
 کر دیا کیا تو نے اسے با و خزاں
 دل کی ہے یہ شہرِ خواستگار

۱۴

۱۲۰

شاعری ہے، کوئی توالی نہیں

رات دن میں جو رہیم کیا کریں
 شکوہ جو رجواہم کیا کریں
 دل بھی ظالم ہو گیا انہی طرف
 بس ہیں مٹ کر امیدیں ہمیں
 جانتے ہیں جب کہ یہ اپنی نہ تھی
 دل جو کتاب ہے کئے جلے ہیں ہم
 یہ جوانی یہ شبِ غم کیا کریں
 انہی خوشے جو رہیم کیا کریں
 جانے دونوں مل کے ہم کیا کریں
 کہدیا تم نے جہاں ہم کیا کریں
 جان کے جانے کا نام کیا کریں
 ایسے یوانے کو برہم کیا کریں

کس طرح آخر طے تجھ سے نجات
عشق میں گنا میوں کی لطف ہے
اے غم جاوید تیری خیمہ ہو
ہے اگر آخت شکاری بھی گناہ
کیوں نشاط دہر کو کر دیں نہ ترک
کچھ بتا تو لے شب غم کیا کریں
ہو کے ہم مشہور عالم کیا کریں
عاضی خوشیوں کا ماتم کیا کریں
صبح تک آخر شب غم کیا کریں
ہے یہ ظالم دشمن غم کیا کریں

نشر اب بیمار غم کا کیا علاج

۱۲

آج وہ بھی کہہ گئے ہم کیا کریں

۱۲۱

چھوڑ دیں کس طرح قدرت ہی نہیں
اور بھی انسان کو دغٹ ہیں کام
سو طرح کے عشق میں جتے ہیں رنج
ہو گیا کیا آدمی کو اسے خدا
کب ہوا ہے اُن کو احساس وفا
لاکھ ٹڑپیں لاکھ کوندیں بجلیاں
دل میں سوچو اپنے اکدن منعمو
کیا کریں ہم شکوہ درد و فراق
کیا سبق انسان اس نیا سے لے
شادی و غم کیا کریں اس پر اثر
ترب کر دینا کی فطرت ہی نہیں
صرف زندگی مذمت ہی نہیں
ایک تہادر و فرقت ہی نہیں
کچھ خیال آدمیت ہی نہیں
جب ہیں اسکی ضرورت ہی نہیں
منظر اب دلی نسبت ہی نہیں
سب کچھ اس دنیا میں تو ہی نہیں
اب ہیں احساس فرقت ہی نہیں
چشم انسان میں بصیرت ہی نہیں
جکو دنیا کی محبت ہی نہیں

یہ غضب لے پاس تو نے کیا کیا
رنگِ نیرنگِ زمانہ دیکھئے
اب بہاریں کیوں نہیں تیں مزا
نامراد ہی سلسلِ مرجسا
کیوں کروں شکوے کسی کے جور کے
کیا کرے وہ جس کو مرنے کے سوا
یوں مصیبت میں ہو جب بات ہو
تم یہ گویا کچھ مصیبت ہی نہیں

ہم ہیں نشرِ خورِ ضبطِ قضا

۱۸

۱۲۲

وہ سمجھتے ہیں محبت ہی نہیں

اُس وقت دیکھ لپنے ماحول کی فضا میں
جتنی بھی ہو سکیں تم ہم پر کرد جھائیں
منزلِ قریب آئی، خاموش ہیں فضا میں
اک معجزہ ہے میرا، اقدامِ بادِ نوبی
خوشنودیِ صلیت سے ہم ہو چکے ہیں واقف
ہم کر چکے محبت، ہم نے تو کچھ نہ پایا
لو آگئیں وہ لیکر، پیغامِ کف و عشرت
جس وجہِ بخود کی لذت ملی ہے ہم کو

جب مازموں شارے شمعیں بھی جھلکائیں
اندازِ پوچھتے ہو، اندازِ کیا بات آئیں!
کچھ اور ہیں ہوائیں کچھ اور ہیں صدائیں
وہ دیکھو کالی کالی، اٹھنے لگی گھٹائیں
وقف نہ ہوں ان خوشیاں ہی سنائیں
اب اور لوگ آئیں، تقدیرِ آزمائیں
ہلکی ہوئی ہوائیں، ہلکی ہوئی گھٹائیں
اب جی یہ چاہتا ہے، ہم ہوشیں آئیں

کچھ عرصے میری خاطر ایسی روش بھی ظالم
انسان ہی کا دم ہے جو انکو جھٹاتا ہے
ہے غم فراقت میں کیوں دکھتاں کی
قسمت کی آڑ لیکر کیا کیا ہیں زرشوں پر
پوچھے نہ کوئی ہم سے کیوں ترک مینشی کی
منزل کی جستجو ہو، دل سے اگر کسی کو
اللہ کھول آنکھیں اللہ دی بصیرت
کبتک کوئی فلک کے تہا ہے مظالم
پہنچا دیا کہاں پر اے عشق تو نے ہم کو
دنیا کی ساری باتیں، ہیں سخن محبت

جن وقت ہم نے ٹھانی، بادہ کشی کی نشر
اٹھنے لگیں گھٹائیں، چلنے لگی ہوئیں

۱۹

۱۲۳

سامنا اس آنکھ کا ہے اور میں
اب زمانہ ہجر کا ہے اور میں
ارتکابِ جرم کیوں کرنے لگا
ہو ہی جائیگی محبت میں بس
اس طرف اُن کی جگہ ہے اور وہ
کیفِ موتی کی فضا ہے اور میں
زندگانی بد مزہ ہے اور میں
راتِ خوفِ خدا ہے اور میں
یہ دل دردِ آشنا ہے اور میں
اس طرف میری وفا ہے اور میں

دیکھئے بھتی ہے کبتک، کس طرح
 سو طرح کہ سن کے اُن سے تھک گیا
 اور ہم سہرا ز محبت کون ہے
 زندگی بھی دی تو پابندِ قضا
 اک طرف ہے رحمت پروردگار
 رات دن خوفِ قضا ہے اور میں
 اک طرف میری خطا ہے اور میں
 یعنی فکرِ مایوسا ہے اور میں
 اب یہ دروِ لا دوا ہے اور میں
 میری خلوت میں خدا ہے اور میں
 اب خدا کا آسرا ہے اور میں
 آسے دُنیا کے سب جاتے رہے

کاش اے نشر ہوں ثابت قدم

۱۶

آفتوں کا سامنا ہے اور میں

۱۲۳

کب نگاہوں نہیں تری محفل نہیں
 میں قدم فرسا ہوں، فرطِ شوق سے
 کب تری محفل کا جو یا دل نہیں
 سامنے میرے کوئی منزل نہیں
 ہمت پر وانا محفل نہیں
 ہجر میں جینا کوئی شکل نہیں
 اُنکے سینے میں یقیناً دل نہیں
 دل یہ کہا ہے ابھی منزل نہیں
 سب یہ کہتے ہیں کہ منزل آگئی

اک قدم آگے بڑھا دیتی ہے یہ سبھی لا حاصل بھی لا حاصل نہیں
 چاروں پہلے جو منزل تھی مری اب وہ ہی منزل مری منزل نہیں
 میرے دل کا نام اب رکھئے کچھ اور دل کہاں جب آرزو دل نہیں
 تجھ سے ہر انسان غافل ہے، مگر تو کسی انسان سے غافل نہیں
 امتحانِ دل جسے کہتے ہو تم موت ہے وہ امتحانِ دل نہیں
 یہ کوشش ہے نگاہِ ناز کا اب ہمارا دل ہمارا دل نہیں
 ہر حسین کی کیوں ادا ہو ایک سی ہر ستارہ تو مسہ کا مل نہیں
 پہلے جینا بھی مجھے آساں نہ تھا جان دیدنا بھی اب مشکل نہیں
 سوچکر اس کو اڑا، باد صبا صرف یہ خاکستر مغل نہیں
 ہے وہ ہی عاشق وہ ہی شایا عشق دل کو جو سمجھے کہ میرا دل نہیں

جان کے لائے پڑے ہیں عشق میں

۱۴

اب فقط نشر سوالِ دل نہیں

۱۲۵

آج فرصت ہے کہ اندیشہ فردا کروں رات تاریک ہے، پہلے سے اُجالا کروں
 وہ مرے پاس ہیں، اظہارِ تمنا کروں آج تو اپنے خیالات کو یکجا کروں
 دل کو معیور تری یاد سے اتنا کروں کبے کی سیر کروں، طوفِ کلیسا کروں
 پوچھ لوں ضبطِ محبت سے جو ناراض ہو قصد ہے گر یہ سے کچھ غم کا مداوا کروں
 ایک ہی تپا ہے اسکانِ میل و حضرتِ دل خاطرِ دوست کروں، خاطرِ دُنيا کروں

شوقِ بیاہ دوں حُسن کو پھر عورتِ عشق
 دلیں کس طرح کروں اپنی تمنا اسکی
 اور تو کچھ بھی نہیں ضرور اک حسرت ہے
 بے نیازی سے نہیں آپ کی ڈر نیوالا
 ایک ن مجھ پہ بھی ہو جائے عیادت تیری
 ہائے بیدرد ترے درد کا کیا کہنا ہے
 جوشِ دشت میں کبھی یہ بھی گنگ اٹھی ہو
 وہ جو ملے ہیں تو اس فکر میں کھو جاتا ہوں
 یوں محبت سے مجھے خاکِ حاصل ہو گا
 جوشِ دشت میں دشت پہ میں اپنی آؤں
 رحمتِ حق کہیں تحقیر سے دیکھے نہ بغض
 اب عالم ہے مری دلیں کہ انشا اللہ
 بھوجانکی لے سہمی میں کہتا ہوں فضول

یاد کرتا نہیں میں بھول کر اسکو نشر
 پھر بھی یہ خط ہے مجھ کو اسواپنا کر لوں

۱۹

۱۲۶

نجاتِ نفس ہے صرف مرگِ ناگمانی میں
 نہ ہو غم تو مزہ کیا خاکِ آئے شادمانی میں
 کسی کس نہیں ہے وسعتِ دنیائے فانی میں
 خزاں کچھ لازمی سی ہے بہارِ زندگانی میں

نہ جانے اُسے یا نہ اُن نہ اُسے پھر جوانی میں
 پس مُردن اگر بالیں پہ تم اُسے تو کیا اُسے
 لہریں صبر و قرار امداد کچھ میری شبِ فرقت
 ملے آسودگی کیا اُس کو جو غرقِ تمنا ہو
 ہمیں اب صبر کنو بکرم ہو، سکون آئی تو کیوں
 تصور میں تمہیں سے گفتگو رات دن میری
 وفا میں عشق میں غنقا ہمیشہ رہتی آئی ہیں
 بڑے پالے کا عاشق چلایا کوئی ترا شاید
 ترے عاشق کا قصہ پاک آخر موت کیونکر ہو
 خدا کی واسطے اے حضرت واعظ، خدا لگتی
 گنہ چُپ کر کر دکتا ہی ظاہر ہو کے رہتا ہے
 گوارا موت کی تلخی سبھی کو کرنی پڑتی ہے
 قضا یوں تو قضا ہر وقت ہے جو وقت آجائے
 بغیر عشق میری زندگی ممکن نہیں ناصح
 ہر گنجل مری جو شِ محبت میں مٹی آساں
 اُسے اوبے خبر اندہانہ بن، اُسے کام آنکھوں سے
 تری تصویر ہے تصویر تیری ہی، مگر پھر بھی

ڈبڈبے آج تو ساقی، شرابِ ارغوانی میں
 مزہ جب تھا کہ آجاتے ہماری زندگانی میں
 یہ پہلا سانحہ ہے آج میری زندگانی میں
 سکونِ بحرِ کب ملتا ہے، موجِ بکی روانی میں
 یقیں کا رنگ گہرا ہے ہماری بدگمانی میں
 لگا رہتا ہوں میں ہر دم تمہاری مہمانی میں
 یہ سننے ہی کی چیزیں ہیں فقط قصے کہانی میں
 فضا میں آج کیوں مصروف ہیں بے خوابی میں
 اُسے ہے جاں ہی میں لطف بھوکو جانسانی میں
 یہ نفرت بادِ پیاپی سے، اور عہدِ جوانی میں
 ضرور ابھر گیا وہ پانی پہ، جو ڈوب گیا پانی میں
 کسی کو عہدِ پیری میں کس کو جوانی میں
 مگر دیکھے کوئی آتی ہے جب ظالمِ جوانی میں
 وہ باہر کیا رہا میں پانی سے، جو ہستی میں پانی میں
 کہیں کوئی ٹھہر سکتا ہے دریا کی روانی میں
 حیاتِ جاوداں کی جستجو، اور وارِ فانی میں
 کہیں تا ہے لطفِ نقشِ اولِ نقشِ ثانی میں

کہیں موقع سے بلجانا، تو میخانے لئے چلتے
نہ چھوڑا فائدہ فرقت مرا، افسانہ گو ظالم
وفا کی جتنو جنگو حسینانِ جہاں میں ہے
شبِ فرقت کی طولانی کا یہ عالم معاذ اللہ
کنارہ ہی سے ہمت تو جوابِ خشک دیتی ہے
مرے سے تو نہیں غالی، بھلا سگی کوئی، لیکن
نہیں دیوان کے دیوان پاسکتے انھیں نشر

ذرا یہ دیکھتے اکدن ہے واعط کتے پانی میں
یہی تو ایک کڑا ہے، مری ساری کہانی میں
وہ دریا کی روانی ڈھونڈتے ہیں پانی میں
کہ جیسے اک یہی ہے رات ساری زندگی میں
الٹی حشر کیا ہونا ہے جب اترینگے پانی میں
مرزہ کچھ اور ہوتا ہے جھاکے امتحانی میں
نیکل جاتی ہیں جو غزلین طبیعت کی روانی میں

کسے کس سے یہاں کوئی، اُسے کسکی یہاں کوئی؟

۲۷

پڑی ہے اپنی اپنی سب کو نشر دار فانی میں

۱۲۷

کب تری محفلِ رنگیں میں نہیں ہوئے ہیں
خفگی میں یہ حسیں اور حسیں ہوئے ہیں
یوں تو ہر بات میں چھپے یہ حسیں ہوئے ہیں
مے و معشوق سے ہوتی نہیں جنگو الفت
کیوں اُلجھتے ہو عبثِ شیخ سے بادہ نوشو
اب تو نزدیک ہے اتنی تری محفلِ ہم سے
تھی جہیں سجدوں کی پابند کبھی دن تھے
دل جو دینا تھا بہ مقدارِ الم دینا تھا

ہم کہیں بھی ہوں حقیقت میں میں تے ہیں
دیکھئے انکو یہ جب چیں بہ جہیں ہوئے ہیں
اک ذرا قول کے پابند نہیں ہوئے ہیں
میری دانت میں نسان نہیں ہوئے ہیں
ایک سے سب کے خیالات نہیں ہوئے ہیں
دل میں آتا ہے خیال اور وہیں ہوئے ہیں
اب تو سجدے، مرے پابند جہیں ہوئے ہیں
گھر زمانے میں بہ اندازِ مکیں ہوئے ہیں

مگر جس چرخ سے لیتے ہیں ہمیشہ انسان
 سب کو شکوہ ہے حسینوں کی دل آزاری کا
 ہار جاتے ہیں تو پیوندِ زمیں ہوتے ہیں
 مجھ کو یہ غم کہ دل آزار نہیں ہوتے ہیں
 عرضِ مطلب پہ خموشی نہیں اُن کی جیبا
 کچھ سوالوں کے جوابات نہیں ہوتے ہیں
 پاروں میں نہیں ہوتے ہیں حقِ عشق کے یاد
 تدوّن میں یہ کہیں نہیں نشیں ہوتے ہیں

سجدے مقبول خدا ہوتے ہیں جتنے شکر

۱۳

اور اُن لوگوں کے اندازِ جبین ہوتے ہیں

۱۳۸

میں ہوں بزمِ حُسن سے اشتنا، کہ رہا ہوں پردہِ راز میں
 میں بڑا ہوں محفلِ ناز میں، میں پلا ہوں محفلِ ناز میں
 ہمیں کامِ لذتِ غم سے ہے، ہمیں تمللانے سے واسطہ
 کرے امتیازِ بلا ہمارے، حقیقت اور مجاز میں
 مجھے واسطہ نہ الم سے ہے، نہ غرض ہے کوئی نشاط سے
 تری بزم سے مجھے کام کیا، نہ میں سوز میں نہ میں ساز میں
 نہ ثباتِ ارے، نہ قیامِ ارے، نہ حقیقتوں سے ہے کامِ ارے
 مجھے زحمتِ آپ نے دی فضول، جہانِ شجرہِ باز میں
 تو نظر سے لاکھ چھپا رہے، تارا رازِ راز نہیں رہا
 جسے جانتی ہو تمام خلق، وہ راز ہے کسی راز میں؟
 وہ ہی ایک لذتِ غم بھی ہے، وہ ہی ایک لطفِ کرم بھی ہے

نہ ہوا ہے فرق، نہ ہوگا فرق، حقیقت اور مجاز میں
 کرو قدر میرے نیاز کی، میں تمہارا عاشق زار ہوں
 مجھے کیوں پھراتے ہو در بدر، مجھے لیلو دہن ناز میں
 ترے دل میں شرم ہو کچھ اگر، تو کمال ننگ سو ڈوب
 کہ ترا گذر بھی نہیں مگر، ہیں تنگے محفل ناز میں
 مرے دل میں جلوہ نور حق کی ضیاءیں بھلی ہیں ہر طرف
 مجھے ایسی کونسی ہے غرض، کہ میں جاؤں بزم مجاز میں
 ہے خوشی خوشی وہ ہی جس میں جھکو جھلک بھی غم کی دکھائی دے
 وہ ہی ساز ساز ہے صل میں، کہ ہو لطف سوز بھی ساز میں
 میں ہوں اہل عشق تام کا، ہو کرم جو کوئی کر عطا
 مرے دل نے مجھ کو پھنسا دیا ہے فریبِ حُسن مجاز میں
 نہ ہوا جدا کبھی اک گھڑی کو بھی انہی محفل ناز سے
 کبھی میں تھا محفل ناز میں، کبھی دل تھا محفل ناز میں
 جو تنگے اُس نے جلادے، تو رہی نہ شمع بھی چین سے
 یہ ہی ہے یونہی گداز میں، یہ رہیگی یوں ہی گداز میں
 کوئی بیچ میں چڑے تو کیوں، کوئی مجھ کو منع کرے تو کیوں
 اُسے لطف میرے جلانے میں، مجھے لطف سو گداز میں

میں ہوں اہل محفل ناز کا، نہ اٹھا مجھے، نہ ہٹا مجھے
مرا حق ہے محفل ناز پر، مری جا ہے محفل ناز میں
نہیں دور کا بھی تو واسطہ، کوئی میرا اور ترا واعظا
تری جا ہے محفل غطیں، مری جا ہے محفل ناز میں
جو مزہ ہے سوز و گداز میں، نہیں نشتر اور کسی میں وہ

۱۷

کہ یہ ہوتا مشرب شمع کیوں، جو نہ ہوتا لطف گداز میں

۱۲۹

یہ خیال آیا کہ اُن کا سامنا میں کیا کروں
اپنی نعلیں زندگی کا فیصلہ میں کیا کروں
جب کہا میں نے کہ مڑنا ہوں، میں کیا کروں
آج وہ خود کہہ گئے اس بچہ جانیں کیا کروں
کوئی سنتا ہی نہیں میری دُعا میں کیا کروں
ایسے عاشق کش سے اُمید و فانیں کیا کروں
کرتے کرتے اُنکے شکوے رک گیا میں کیا کروں
درد کی دلیں نہیں کچھ انتہا میں کیا کروں
کیا علاج اسکا کروں، اسکی دوا میں کیا کروں
روزِ ناحق شکوے با و صبا میں کیا کروں
آپ ہی فرماتے اس کے بوا میں کیا کروں

عرصہ محشر سے آخر اٹھ گیا میں، کیا کروں
بے اثر نالے ہیں آہیں ناز میں کیا کروں
ایسے ظالم سے بھلا چشم و فانیں کیا کروں
انتہائے بے بسی کا اور کیا ہوگا ثبوت
کیوں عاؤں پر تجھ صرا ہے لے ہنشیں
سُن چکا ہوں میں نہرا واد میں حُسن کی
ہو گئیں سچی نگاہیں اُنکی میرے دل کے پار
ہو کا عالم ہر طرف، ساری قضائیں دم بخود
میں فاکرنا ہوں جتنی اور وہ کرتے ہیں جور
کیوں نہ یہ سمجھوں چراغِ گوشت میں نہیں
اک جہا پر سُو فانیں تو کئے جاتا ہوں میں

ایک گھر سو آ رہی تھی کل صدائیں کیا کروں
فصل گلِ رخصت ہوئی ہو کر رہا میں کیا کروں
چاروں کو باندھ کر اپنی ہوا میں کیا کروں
سوچا ہوں اب کہ ارمانِ وفا میں کیا کروں
جھوم کر تنے میں بادل آ گیا، میں کیا کروں
فطرتا ہوں میں تو مجبورِ وفا میں کیا کروں
اور اب آخرِ مداوائے جن میں کیا کروں

اب مر بیٹن غم ہے نشر اور خدا کی ذات ہے

چارہ گر بھی آج آ کر کہہ گیا، میں کیا کروں

۱۹

۱۳۰

کس نے ابھی جاؤا تکہ کے رستے، سرول میں
ہزاروں رزوں میں رزائی میں مے دل میں
یہ یہی معلوم ہوتا ہے، ابھی بیٹھی ہیں محفل میں
تھکن کیا درد نکراتے جاتے ہوئے دل میں
نہیں پھر لڑتے محفل سو جباتی ہیں محفل میں
ہزاروں رزوں میں یکے ہم آؤ تھے محفل میں
کہیں دل تو نہیں ہم چھوڑ آئے اکی محفل میں؟
ہماری زندگی اور موت، سب ذہنِ قاتل میں

میں نے یہ سمجھا کہ یہ بھی ہے کوئی ناکامِ عشق
قید سے بدتر ہے اب صیادِ آزادی مجھے
ایک دن چپ چاپ ہونا ہے فنا آخر مجھے
کشتہ جو روحائے یار اک مدت سے ہوں
میں نے سوچا تھا کہ توبہ اور چلتی کچھ دنوں
لوگ ان کیوں نہیں سکتے ہیں ترکِ جو رکھ
میں عافیت کر چکا، لاکھوں وفا میں کر چکا

مجھے بھٹکا ہے ہو کیوں تلاشِ راہِ منزل میں
بہنچالے کیا انہیں کوئی بڑی ہو جانِ شکل میں
تری محفل سو جباتے ہیں تو کچھ روز تک ہم کو
نہ پہلے درد اتنا تھا، نہ اس میں اتنی لذت تھی
بشر سے بچ اگر پوچھو تو پروانے کہیں اچھے
چلے لیکر ہزاروں رزوں میں ہی محفل سے
بہت بیدل نظر آؤ گے ہیں جب لوٹے ہیں
غرض کچھ زندگی سے ہے نہ ہم کو موتِ مطلب

کبھی جاتی ہے دنیا کو تو قاتل کی طرف ساری
 تصور کی کمی بیشی سے اب اپنا یہ عالم ہے
 تینا جو ترے ملنے کی ہے، وہ اک قیامت ہے
 تجھے دیکھا ہے جب، ہے مسلسل اضطرابِ دل
 محبت کے بھی دوداغ ہیں فطرت کے آئینے
 بہت لکھو بھانے والی ہے دنیا، مگر پھر بھی
 لئے جاتا ہے باہر کون یہ، خاکسترِ محفل
 ہزاروں عیب ہو تجھ میں یہ کیا کم خیر ہے مجھ کو
 محبت میں طبیعت کی عجب قیامت ہے یا رب
 مجھے ذوقِ تماشا ہو، انھیں چھپنے کی عادت ہے
 ہزاروں رز ووں میں گھرا رہتا ہو ہر خطہ
 بھلا کہاں تک سکتا ہے، کوئی جذبے محبت کے
 اسی دورِ محبت میں کبھی وہ دن بھی آئیگا
 محبت اور پھر اک ہو فاسے، ہاے نادانی
 اگر ہونے لگی سادہ، تو ہے کچھ لطفِ جینے کا
 سما جاتے ہیں ہر روز لاکھوں غمِ محبت کے
 سمجھ میں جگ آتا نہ بسمل ہونے والوں کی

اُسی کوئی ایسی کشش ہے کوئے قاتل میں
 کبھی محفل سے باہر میں کبھی بیٹھے ہیں محفل میں
 ہزاروں تو رہتی ہیں تنہائیں مری دل میں
 نمایاں ہے تری برقِ نظرِ بیتابیِ دل میں
 ہمارے قلبِ محزونوں اور رُخسے ماہِ کامل میں
 کہاں پاتی ہے یہ اسکو جو دنیا ہو مری دل میں
 ہمیشہ بات رہنی چاہئے محفل کی محفل میں
 وہی باتیں باتیں ہیں جو باتیں ہیں مری دل میں
 جہاں آسمانیاں ہوتی ہیں، پڑ جاتا ہوں مشکل میں
 نہ میں ہوتا ہوں محفل سے، نہ وہ آتی ہیں محفل میں
 کبھی دیکھ آ کے یہ تینا جو دنیا ہے مری دل میں
 ہمیں کر گزرنا جو ارادہ کر لیا دل میں
 ہماری آرزو میں جب ہنگی آئے دل میں
 نہ جانے آگئی بیٹھے بٹھائی کیا مری دل میں
 تمنا دلیں ہو کوئی نہ کوئی آرزو دل میں
 کہاں کی دستانِ کجبت پیدا ہو گئیں دل میں
 صفائی و ستِ قاتل میں ہے یا شمشیرِ قاتل میں

وہ جینے کی تمنا ہو، کہ مر جانے کی حسرت ہو
 ہماری نارسانی کی بھی کوئی حد نہیں نشتر
 نہیں جاتی سڑول سو جب جاتی ہو سڑول میں
 ابھی منزل کہاں گم ہیں سرِ راہ منزل میں
 یہی رہ رہ کے اکثر سوچتا رہتا ہوں میں نشتر

۲۸

۱۳۱

خود می سر میں کہاں سے آگئی جب تھا خدا لیں
 غمِ فراق نہ فکر وصال کرتے ہیں
 ہم اب تو ماتم ماضی و حال کرتے ہیں
 ہلال گھٹ کے کہاں جا لگا جو غم کرے
 کمال واسے خیال نہ وال کرتے ہیں
 خدا کی بات پہ کرتے کیسے خیال آدمی کا ش
 تمھاری بات کا جتنا خیال کرتے ہیں
 وفا میں نہیں کہتا، حسیں نہیں کرتے
 برائے نام مگر خال خال کرتے ہیں
 ہم تو موت ہے بیکار اک گھڑ می رہنا
 ”جو لوگ کچھ نہیں کئے کمال کرتے ہیں“
 وہ چاہے طور کا قصہ ہی کیوں تازہ ہو
 ہم آج ارادہ بزمِ جمال کرتے ہیں
 خوشی انھیں کی ہو دراصل سننے میں
 خوشی کو بھی جو تصور ملال کرتے ہیں
 کسکی رنج ہو، اپنا خیال کرنے ہیں
 ملا ہے ہم کو دل درد مند کچھ ایسا
 اور اب تو دونوں کو کیا خیال کرتے ہیں
 خوشی خوشی تھی کبھی اور ملال، ملال

نکل کے آتے نہیں ہیں زبان تک نشتر

۱۰

۱۳۲

ہمارے نالے کس کا خیال کرتے ہیں
 محبت کا جو گھر تھا، چاہئے والوں کے سینوں میں
 آئی کچھ وفا بھی لازمی تھی، ناز و مینوں میں
 چلی آئی ہیں سینوں میں چلی جائیگی سینوں میں
 روزِ عشق آئی ہیں، نہ آئیں گی زبانوں پر

وہ ہی اب ہیں ہمارا دن گن ہنشینوں میں
 "ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قریبوں میں"
 مکان غیر پرکار ناحق ہے مکیوں میں
 ہمیں جب سمجھتے ہیں دُعا ہے میں سینوں میں
 خدا شاہد ہوتے ایک تم لاکھوں حسینوں میں
 مگر ہاں شرط یہ ہے، شوقِ سجدہ جو حسینوں میں
 یہی معلوم ہوتا ہے کہ آؤ میں مہینوں میں
 گریباں جو دامن میں، تو دامنِ آستینوں میں
 یہ ہی ہن جاناں گھر رکھ لیتے ہیں سینوں میں
 سکوں کیا ہو اُسے جو سانپ پائے آستینوں میں
 نہیں میں تو ہے اُن کا تصور ہنشینوں میں
 رہا ہے یہ حسینوں میں پلا ہے نازنینوں میں
 کسی کی یاد کے آنسو ہیں میری آستینوں میں
 نظر آنے لگا کچھ فرق سا اُنکے قریبوں میں
 کہ آخر یہ بھی ظالم ہیں کسی کے خوشہ چیںوں میں

غم و اندوہ، جن کے نام سے بھی ہم نہ تھے
 شکایت کیجئے کیونکہ کسی کے جوہر نہاں کی
 اے یہ دل دنیا کیوں لڑے مرنے میں دنیا پر
 محبت میں جنھیں محرومی قسمت کا دعویٰ ہے
 تمھاری خوشی کچھ تھوڑی وفاداری اگر ہوتی
 جگہ وہ کونسی ہے، جو نہیں ہے قابلِ سجدہ
 وہ ہم سے دو گھڑی کو بھی بچھڑتے ہیں تو اب کو
 ذرا دیکھو تو سج و سج اپنے سودا کی گیسو کی
 ترے عشاق کی بہت کو کوئی پانہیں سکتا
 دل نہیں خواہشیں کھڑے سکونِ قلب کی معنی!
 تصور کو خدا رکھے فراق و وصل یکساں ہیں
 مقابل ہونہ آئینہ، تو کون اُنکا مقابل ہو
 یہ تو موتی ہیں جن پر قلمِ دل ناز کرتا ہے
 ابھی ضبطِ فغاں کو کچھ بہت مدت نہیں گزری
 نہ کیوں شکِ حد ہو، حالِ رُفے روشن پر

کسی کا رنج ہوا اپنا سمجھتے ہیں اُسے نشر
 کسی کے شک ہوں، لیتے ہیں اپنی آستینوں میں

میرا قصور تھا، کہ نظر کا پتہ نہیں
میری شبِ فراق کی کس طرح صبح ہو
امیدوارِ بزم میں بیٹھے ہیں ہر طرف
آوارہ بہار سے گھر کا پتہ نہ پوچھ
صحا سے بچلی مجھے یادِ وطن کدھر
لیکر چلا ہوں محفلِ جاناں میں نذر کو
اُس کا پتہ نہیں ہے، یہ کہنا نہیں صحیح
نالے تو خیر تھے ہی تاثر سے بے نیاز

دیکھا ہے جب اسکو، جگر کا پتہ نہیں
یہ رات وہ ہے جسکی سحر کا پتہ نہیں
کس کی طرف اٹھیں گی نظر کا پتہ نہیں
گھر کیا بتائے وہ جس گھر کا پتہ نہیں
جانا ہوں گھر، مگر مجھے گھر کا پتہ نہیں
نالے وہ چند جن میں اثر کا پتہ نہیں
راہِ طلب میں اہل نظر کا پتہ نہیں
کبخت آہ میں بھی اثر کا پتہ نہیں

البتہ تیرگی میری شامِ فراق کی

۹

نشر کہیں فلک پہ قمر کا پتہ نہیں

۱۳۴

حیران کُن کہیں ہے، تو دیوانہ گر کہیں
بٹنے نہ پاس سے مرے، شام و سحر کہیں
دیکھتے تو کوئی عہدِ جوانی کی مٹیاں
محرور ہو گئی ہے ہماری نگاہِ شوق
جلوہ کسی کا دیکھ کے آفت میں ٹپ گئے
آنکھوں کی جستجو کا جو عالم ہی رہا
مشکل ہے مرکزِ بیتِ نظارہِ جمال

کچھ ہے کہیں نظر تری، کچھ ہے نظر کہیں
ہستے وہ راتِ نئے مے پیش نظر کہیں
یہ حال ہے قدم ہیں کہیں اور نظر کہیں
ہوئی وسیع اور بساطِ نظر کہیں
اب ہم کہیں ہیں اور ہماری نظر کہیں
رہ جائیگی ہماری تمہاری نظر کہیں
آنکلی نظر کہیں ہے، ہماری نظر کہیں

اے آفتاب تو ہے تماشائی جہاں
جلوہ سا آ رہا ہے نظر، دلیں دوست کا
خوئے نگاہ شوق ہے، ہرقت دیکھنا
کیا پوچھتے ہو ہم سے مری حُسن یار کے
ہم، اور کوہ طور سے ناکام لوٹتے
آتا ہوں بزم یار سے معمور حُسن یار
تکمیل آرزو کا زمانہ قریب ہے
انداز انکی مست گاہوں کے الاماں!
جلووں کی ماہیت کیلئے کس پانچائیں
اُس کے نظائر میں رہتے ہیں ابدن
اے نشتر ایک شہرِ خوشاں کو چھوڑ کر

۱۳۵ دُنیا میں ہم کو امن نہ آیا نظر کہیں

آتی نہیں ہے زیت کی صورت نظر کہیں
ہو عشق میں ملک سے زیادہ بشر کہیں
وشت زدوں کے ہوتے ہیں نیامیں گھر کہیں
آجائے شام تک وہ حیں سیر گھر کہیں
اے دل دعا پہ مجھ کو نہ مجبور کر فضول
کیا ہو گا آج بھی نہ وہ آئے اگر کہیں
بٹھائے اُسکے دل سے جو مریکا ڈر کہیں
دُنیا میں انکی شام کہیں ہے سحر کہیں
ہو جائے کامیاب، دُعائے سحر کہیں
ہو ماہے عاشقوں کی دُعائیں اثر کہیں

اُو خدا کی واسطے بیمارِ غم کے پاس
 دُنیا بھری ہوئی ہے بشرِ جو دیکھئے
 کیا لطف ہے رہا ہے مجھے انتظارِ دوست
 کھٹکا ہیں راجھی نہیں باز پرس کا
 انسان ہو کے ہم کو وطن کا نہیں خیال
 ہوئے ساتھ ساتھ تو کچھ اور لطف تھا
 جب سے ہمارے شام و سحرِ عشق کے گئے
 عقبی میں ہر طلب کبھی دُنیا کی دعوتیں
 بیمارِ غم ہیں ہم کو ترپنے سے کام ہے
 رو رہے ہر ستم پہ گزرتا ہے یہ خیال
 جو کچھ ہے جس کا حق وہ ہی مقبوض ہے
 بد قسمتی سے بارِ غمنا وہ بارِ غم ہے
 کل سے اب اعتبار نہ اٹھا کر نیکے ہم
 ممکن نہیں حُسن و وفا ساتھ ساتھ ہوں
 ہو رایتِ گناہ نہ محنتِ بیداری فراق
 کو سوں پہ نہیں ہے سحر کا شبِ فراق
 اندرِ گردشیں سی ہیں کیوں آج درد میں

ہو جائے اس کا قصہ غم مختصر کہیں
 اور دھونڈیئے تو شاید لگا بشر کہیں
 ہو اب خدائی بھر میں یارب سحر کہیں
 دھوکا مگر نہ حشر میں مگر چشمِ ترکہیں
 رہتے کہیں ہیں رہا رہے گھر کہیں
 دل لکھ دیا خدا نے کہیں اور جگر کہیں
 اب ہے نمودِ شام نہ چاک سحر کہیں
 آخر میں تباؤ گئے رہنے کا گھر کہیں؟
 کرتے ہیں ہم غریبِ غمائے سحر کہیں
 آجائے ایک روزِ دُعا میں اثر کہیں
 ہوتا ہے دل کا درد نصیبِ جگر کہیں
 جسمیں نہیں ہے ذلِ نسیمِ سحر کہیں
 ہو جائے آج شب تو انہی سحر کہیں
 ہوتے ہیں اک مقام پہ شام و سحر کہیں
 لگ جاتی ہیں آنکھ نہ وقتِ سحر کہیں
 دینِ اغمائے دل ہی فریبِ سحر کہیں
 کچھ دل سے فاصلے پہ قریبِ جگر کہیں

آخر وہ کیوں تڑپ کے نہ آتے ہمارے پاس
خالی کبھی گئی ہے دعاؤ سحر کہیں
کی آنکھ بند، شہرِ خموشاں کی راہ لی
اتنا ہے کوئی اور بھی آسا سفر کہیں
دعوائے عشق کیا کوئی نشر کرے یہاں

۲۵

۱۳۶

سودائے عاشقی ہے سزا و ایسے کہیں

سوز سے لبریز دل کا ساز سن
آئناؤں درد کی آواز سن
سوز سن یا ساز ہو تو ساز سن
وہ تجھے جس طرح دی آواز سن
اپنے آنکھوں کی بھی جیلہ ساز سن
گفتگو ویدہ غمت ساز سن
سوز سے اکدن بدل کر ساز سن
درد میں ڈوبی ہوئی آواز سن
سوز سن اس سے، اسی ساز سن
ہر طرح کی دلیس ہے آواز سن
اپنے دل کا بھی کین ساز سن
آ رہی ہے غیب کی آواز سن
چھوڑ دیوے دل دوئی کا وہم
ایک ہی کو دیکھ ایک آواز سن
دل کے ہر درد سے آتی ہر صدا
سننے والے عشق کی آواز سن
آ رہا ہوں میں حریم ناز سے
مجھ سے رو دادِ حریم ناز سن
لے چلے صبا و تیری قید سے
اب ذرا افسانہ پرواز سن
جلو دہائے عارضِ محبوب دیکھ
اور رو دادِ حریم ناز سن
اور آوازیں جہاں سنتا ہے تو
دل کی بھی اکدن کبھی آواز سن
مے اجازت گر مجھے تیرا غور
البتجائے کشتگانِ ناز سن

جیل تنہا اپنے اوپر آفتیں
 بتلائے دیر و کعبہ کیوں ہے تو
 میں پکائے جاؤنگا یونہی تجھے
 دلکی آوازیں نہیں آتی ہیں میں
 بے نیاز عشق اور پھر اس قدر
 عشق کو میرے حقارت سے نہ دیکھ
 شمع پر آجایگا الزام خوں
 یوں نہیں سنتے صدای ساز دل
 تو ہو، میں ہوں، دوسرا کوئی نہ
 کہہ نہ دینا سے ہمارا راز عشق
 آ، محبت کا مری انجام دیکھ
 آ، کہ دم ہو ٹوٹتا ہے، او بی وفا
 دل سے کیوں تباہی آتا دور دور
 یہ زمانہ تجھ کو بھی دیکھا فریب
 شادی و غم میں نہ کر کچھ امتیاز
 کب تک آخر روز یونہی قتل عام
 ہے اُسے بھی حسرت عرض نیاز

عشق میں ملتا نہیں دسار سن
 بیٹھ گھر میں قلب کی آواز سن
 اب نہ سن تو یا مری آواز سن
 کان اپنے بند کر، آواز سن
 حُسن پر کرتے نہیں یوں ناز سن
 اس بق قرباں ہیں ترے سونا ز سن
 سن، اسے پروا نہ جانتا ز سن
 ہو کے مطلق گوش برا آواز سن
 ایک دن میری بے یار ناز سن
 اتنی بات اسے دیدہ غماز سن
 آ، مرا افسانہ، آغاز سن
 آج میری آخری آواز سن
 پاس آ کر دور کی آواز سن
 تو نہ سن، یا لے زمانہ ساز سن
 عقل ہے تو نغمہ ہر ساز سن
 اس طرف دیکھ انہی بکا و ناز سن
 ایک دن نشتر کا سو ساز سن

کبتک آخردل میں رکھے وہ غریب اپنے نشتر کا بھی اکدن راز سن

۱۳۷

۳۱

مری نگاہ سے اوجھل نگاہِ یار نہ ہو
تتم ہے مجھ کوستم گروستم شعار نہ ہو
وصالِ یار کہاں، اگر فراقِ یار نہ ہو
شبِ فراق کا دشوار کاٹنا ہو جائے
زبانِ شوق میں دل ہی کو درد کتنی ہیں
قیام اس کو ہوا ہے نہ ہو سکیگا کبھی
بہار دیکھ کر دیکھ اس طرح غافل
عجیب حال ترے عشق میں ہے اب لکا
کبھی دُن تھے کہ ڈرنا تھا بقراری سے
جب آیا موسمِ گل، ہم اسیرِ ام ہوئے
دلِ فسرہ کو منظور دیکھنا ہو اگر
ملاں ہی خوشی کی ہے قدرِ دنیا میں
یہ ہے تقاضہ رحمت، یہ ہے نویدِ کرم
خیزاں کے بعد نہ آیا کرے اگر کبخت
خدا کرے خلشِ آرزو رہے باقی

نگاہِ یار مری ہے، مری ہزار نہ ہو
ترپ ہی جاؤں جو دل میں بقراری نہ ہو
قرارِ پائیگا وہ کیا، جو بہتِ لار نہ ہو
جو عمرِ دلوں کے لئے شعلِ انتظار نہ ہو
وہ دل نہیں ہے جو ہر وقت بقراری نہ ہو
خراب نشہ رنگینی بہا نہ ہو
بہارِ جائے تو مطلق غم بہار نہ ہو
قرار ہی نہیں آتا جو بہتِ لار نہ ہو
اور اب دعا ہے کہ یار کبھی قرار نہ ہو
ہماری طرح کوئی مجرم بہار نہ ہو
چمن کو دیکھ لو جب عالم بہار نہ ہو
تمیز کیا ہو خنزاں کی اگر بہار نہ ہو
گناہگار نہ ہو کر گناہگار نہ ہو
بہار کتنے ہیں جس کو کبھی بہار نہ ہو
خدا کرے ترے وعدہ پر اعتبار نہ ہو

خوابِ یار میں وہ سرخوشی کہاں نشتر
بہار کوئی مٹاتا ہے جب بہار نہ ہو؟

۱۳۸

۱۶

یہ کیا کہ ہوں چپ بھی تو صورت سے عیا ہو
کیوں عشق کرے جس کو غم عشق گراں ہو
آنکھوں میں تری شک ہوں ہو تونہ فغاں ہو
ایسا ہے کہاں باغ جو محفوظ خزاں ہو
یار بُن نظر دے جو بہ ہر سو نگراں ہو
اُسے جو بہار اس میں تو اتے ہی خزاں ہو
ڈرتا ہوں کہ جگنو نہ کہیں برق تپاں ہو
دلِ لالوں کے ہنسنے کو کوئی اور جہاں ہو
انسان کو آرام یہاں ہی نہ وہاں ہو
جو بات کرو نہیں وہ ہی ہمزنگ فغاں ہو
اب آگ لگے چاہے گلستا نہیں دھواں ہو
دل ہی نہیں پہلو میں تو اب درد کہاں ہو
تالاب کے پانی سے ہے کنا کہ رواں ہو
چھا جائے جو گلشن پہ تو احسان خزاں ہو
وہ باغ بھی کیا باغ جو ہمزنگ خزاں ہو

یار یہ مراد درد نہاں، درد نہاں ہو
کتھے ہیں نہ کراہ، نہ سرگرم فغاں ہو
اُن نیم میں چلنا ہے تو اس طرح چل اے دل
اے دل غمِ جاناں بھی ہے اک جزوِ محبت
کچے میں کلیسا میں نہ محدود رکھ اس کو
اندھے افسر کی خاطر محسوس
اتک ہے مجھے یاد نشیمن کی تباہی
خوشیوں نے، تری غم کا مزہ چھین لیا ہے
چکر میں یہ ہستی و عدم کے ہے ہمیشہ
ایک کاش ترے غم میں مرا حال یہ ہو جائے
جب چھوڑ چکا بلبُل ناشاد گستاں
دل تو نے لیا ہے تو یہ لے درد بھی اپنا
ان شوخ حینوں سے مروت کی گزارش
اس موسمِ گل میں یہ اسیری کی مصیبت
اس باغِ جہاں کے لئے کیوں جان دے کوئی

میں دیکھتا ہوں تجھے کچھ دُور سے دل میں
 دل اور جگر دُور سے تیرے نہ ہوں محروم
 اب ہو یہ حقیقت کہ مراد ہم و گمان ہو
 ہوتی ہے اک ٹیس یہاں ہو کہ وہاں ہو
 گہرائی میں گے کیوں آپ کے غم سے دل عشاق
 حق یہ ہے نہ ہو غم تو گزارا بھی کہاں ہو

بے میل خوشی کی ہے تنہا جے نشر
 جو بکے گلستاں ہو کہ مہوؤں خزاں ہو

۱۹

۱۳۹

وہیں لچلے دل مضطرب، جہاں انکی محفل ناز ہو
 جہاں ساز داخل سوز ہو، جہاں سوز شامل ساز ہو
 مرے دل پہ اب وہ نگاہ ہو، کہ جو مجھ کو مایہ ناز ہو
 ترے نغمے روح نواز ہیں، تو اُسی لحاظ سے ساز ہو
 جو یہ بُت حسین ہیں تو قسمیں بھی نہایت انکی حسین ہیں
 یہ کریں ستم تو وہ ہوا دا، یہ کریں جفا تو وہ ناز ہو
 یہی دل کی ہے مرے آرزو، نہیں اور کچھ مجھے جستجو
 ترے پانوں پر ہو مری جییں، ترادر ہو فرق نیاز ہو
 مری اعتبار سے اور بھی، مرے راز راز نہ رہ سکے
 کہیں یہ نہ واقف راز ہو، کہیں وہ نہ واقف آرزو
 وہ کریں ستم کہوں مرجبا، وہ کریں جفا تو کروں فنا
 انہیں اپنے دل پہ جو ناز ہے، مجھے اپنے دل پہ بھی ناز ہو

نہ ہے دیر سے مجھے دشمنی، نہ حرم سے کوئی خصوصیت
 وہیں کیوں نہ پڑھ لوں نمازیں، جہاں بھکھو وقت نماز ہو
 مجھے تاب ضبط کی اب نہیں میں تو آہ کرتا ہوں بنشیں
 جو زمانہ واقفِ راز ہو، تو بلا سے واقفِ راز ہو
 نہ کرو نگاہِ دل کی کئی کبھی، نہیں اعتبار اب اس پہ بھی
 یہ ہمیشہ کتا ہے انکی سی، کہیں اس سے ان نہ سنا زہو
 اُسے دل میں اپنے چٹوٹوں ڈلے، تو سکونِ قلب تجھے ملے
 کبھی کبھ کی کبھی دیر کی، نہ یہ رات دن تگے تازہ ہو
 مجھے قیدِ راہِ سلوک سے، مرا ہوش لیکے رہا بھی کر
 نہ مجھے خیالِ سجدہ ہو، نہ مجھے خیالِ نماز ہو
 یہی ایک خواہشِ دل ہے اب، یہی ایک دلی ہوا آرزو
 کہ جو تیرے در سے نہ اٹھ سکے، وہ مری جبینِ نیاز ہو
 تجھے رونے سے تو لے چشمِ تر، نہیں روکتا میں تو رو، مگر
 کہیں جو نہ جائیں وہ بدگماں، کہیں فاش میرا نہ راز ہو
 جنہیں لطیفِ لذتِ غم نہ ہو، وہ عائنِ صبح کی انگلیں
 مری التجا ہے کہ اسے خدا، شبِ ہجر اور درِ راز ہو
 ہو میں تدتیں کہ یہ غم ترا، دلِ زار میں ہے گھٹا ہوا

کوئی اب تو واقف راز ہو، کوئی اب تو محسوس راز ہو
 ہمیں ایک عمر گزر گئی، کہ ٹپ رہے ہیں فراق میں
 کس دن ہمارے لئے بھی اب، کوئی حکم بندہ نواز ہو
 کروں یا دتیری میں جس گھڑی، تو اک آنسو دیکھ لے گھڑی
 مری چشم خشک کو خشک دے، کہ وضو کے ساتھ نماز ہو
 میں حقیقی عشق کو کیا کروں، کہ ہے ظرافت انا کہاں مرا
 مرے بس کا ہے یہ جی بھی کہ اس میں لطیف رنگ مجاز ہو
 کہیں نشر آئے بھی وہ گھڑی، ہو اسی کی آس لگی ہوئی
 کریں اپنے ہاتھ سے فزع وہ، میں کہوں کہ عمر دراز ہو

۱۴۰

۱۹

جب ہوئی اپنے گناہوں سے ندامت مجھ کو
 ہر نفسِ حمیں تھا سرِ پایہ عشرت مجھ کو
 آفتِ ہاں ہوئی جاتی ہے محبت مجھ کو
 وجہِ آسودگی دل نہیں دولت مجھ کو
 ہو گئی ہے جو ترے درد کی عادت مجھ کو
 کچھ باں سے کہا حشر میں یکجا جو انھیں
 لذتِ قیدِ نفس تو نے یہ کیا سو کیا
 کیفیتِ مستیِ آغازِ محبت کی نہ پوچھ
 ہو گیا چاکِ گریباں درِ رحمت مجھ کو
 کاش بجائے وہ ہی دورِ محبت مجھ کو
 مفت کار وگدھا، دیکھ یہ نعمت مجھ کو
 جب بنے بات کہ ہو جائے قناعت مجھ کو
 کوئی رحمتِ نظر آتی نہیں رحمت مجھ کو
 بائے کسوت یہ آبی ہو مروت مجھ کو
 باغ کے نام سے ہوئے لگی وحشت مجھ کو
 کبھی سوچا ہی نہ انجامِ محبت مجھ کو

رات دن ہیں جہائیں کہ اُسی توبہ
 تو نے اے عشق مجھے وقفِ احساس کیا
 خواہیں تو نے سُنے ہونگے نہ اتنے وعظ
 رازِ دل جس چھپانے کی مجھے فکر ہوئی
 جنکو مرار ہے مجھ سے کہ نہ دوں لاپنی
 پھینک دوں دلو اگر تم مری تائید کرو
 مجھ سے دُنیا کا کوئی ذکر نہ لکھ کرو
 کاش اس سہ میں پڑتا ہوں گلشن کوئی
 کم نگاہی سے طبیعت نہیں بھرنی میری
 فاش سرِ محبت میں جہاں سرِ کردوں
 وہ وفا میں نہیں کرتے تو خطا کیا انکی
 تم جو کچھ روز دکھاتے نہیں صورتِ اپنی
 میں کتنا تھا کہ دن رات جہائیں کرو
 غم سے گھبراؤں محبت میں کیوں گھبراؤں
 حبِ نخواستہ میں تقدیر بنا لوں اپنی
 عرصہ حشر میں خالق سے انھیں مانگ لیا
 اپنی قسمت پہ نہ کیوں ناز کروں میں نشر

سمجھے بیٹھے ہیں وہ مجبورِ محبت مجھکو
 پہلے معلوم نہ تھی درد کی لذت مجھکو
 جتنے معلوم ہیں اسرارِ محبت مجھکو
 نظر آیا وہ ہی ہمرازِ محبت مجھکو
 وہ ہی جینے کی تباہی کی صورت مجھکو
 نہ ضرورت تھیں اسکی نہ ضرورت مجھکو
 خوب معلوم ہے دُنیا کی حقیقت مجھکو
 جطر فیکے چلی ہے مری وحشت مجھکو
 چاہے جو رہے مقتدارِ محبت مجھکو
 غیرتِ عشق جو دیدو تو اجازت مجھکو
 کرنی آتی نہیں دراصل محبت مجھکو
 زندگی کی نظر آتی نہیں صورت مجھکو
 اب ندامت ہوئی تھو کہ ندامت مجھکو
 رفتہ رفتہ یونہی ہو جائیگی عادت مجھکو
 اتنی قدرت تو دے دے مالکِ قدرت مجھکو
 دیکھتے رہ گئے سب اہل قیامت مجھکو

۱۴۱

وہ سمجھتے ہیں گنگا بہت مجھ کو

۲۵

کیا ہے عشق تو نشر بنا ہو
پھر آگے جو بھی منظورِ خدا ہو
مجسم آج تم حُسنِ واداد ہو
کہیں دیکھو نہ کوئی دیکھتا ہو
قفا ہر شخص اگر قبلِ فنا ہو
تو دنیا ریز کیوں نذرِ فنا ہو
ہم اب چپ ہیں وفا ہو یا جفا ہو
کہا تنگ کوئی مصروفِ دعا ہو
اکی درد وہ دل کو عطا ہو
نہ جس کی حد نہ کوئی انتہا ہو
مجت میں قیامت کا مزا ہو
شریکِ حال اگر فیضِ خدا ہو
اگر سینے میں دل دردِ آشنا ہو
وہ کیوں کہنے لگا کچھ سو، وفا ہو
ہماری گم سہی خود رہنا ہو
نہیں اس کے سوا کوئی تمنا ہو
جھاؤں نے رکھ محروم مجھ کو
جدہر دیکھیں تمہارا سامنا ہو
تھے ہوتے تو ہے دنیا کا یہ حال
وفا بھی ہو تو ہر نگِ جفا ہو
مے سجدے ہیں در تصویرِ جاناں
ہیاں گرتو نہ ہو تو جانے کیا ہو
جفاؤں پر وقت میں کر باہاں
کوئی آجائے ایسے میں تو کیا ہو؟
کوئی مجھ سانہ مجسبو وفا ہو

اُسے کیا درد کا احساس نشر

۱۴

۱۴۲

جو بالکل دردِ بنکر رہ گیا ہو

ہوس بہشت کی مجھ کو نہ خور کی مجھ کو
عزیزِ جان بڑھ کر ہے بیخودی مجھ کو

تو غم کی وقت ہے رونا بھی لازمی مجھ کو
 نہ بے بسی ہو میں کچھ نہ بے بسی مجھ کو
 کسی کے رٹنے پہ آتی نہیں ہنسی مجھ کو
 عزیز کیوں ہو میری یہ سبکی مجھ کو
 غضب میں اے ہوئی یہ زندگی مجھ کو
 نہ میکشی کو میں چھڑوں نہ میکشی مجھ کو
 خدا سے دور نہ کرے مری خودی مجھ کو
 ہزار رنگ سے آتی ہے میکشی مجھ کو
 ہزار نطق سے بہتر تھی فاشی مجھ کو
 پھر رہے ہوا نل سر گل گلی مجھ کو
 یہ زندگی میں کوئی دی ہو زندگی مجھ کو
 خوشی کی طرح ہوئی ہی نہیں خوشی مجھ کو
 جو دیر شوق میں کتے ہیں منتہی مجھ کو

ہنسی کے وقت اگر ایگی ہنسی مجھ کو
 خدا نے دی ہر محبت تو کاش یوں بھی ہو
 ہزار عیب سہی مجھ میں یہ ہنر بھی ہے
 اسی کو دیکھ کے کھاتے ہیں حم وہ مجھ پر
 خوشی سے سیر طبیعت، نہ غم سے آلودہ
 تری زبان ہے واعظ، جو دلیں ہو کہ لے
 نہ جانے اسے کبھی ہوگی یا نجات نہیں
 جو ایک ننگ چھڑوں بھی میں تو کیا وعظ
 تو اسی بات تھی پھر بھی میں سمجھ نہ سکا
 پتہ بتاتے نہیں ٹھیک ٹھیک کیوں اپنا
 قدم قدم پہ جسے ہے فنا کا اندیشہ
 خوشی جو آئی ہے ہمراہ رنج لائی ہے
 بہ فیض حضرت سیما پاب کربا دی

خوشی مناؤں میں اس زندگی پہ کیا شکر

۱۵

۱۴۳

دکھائی دیتی ہے ہستی میں نیستی مجھ کو

مخل کے ساتھ صاحبِ مخل تو کوئی ہو
 دیکھیں گے، ہمارے مقابل تو کوئی ہو

پرسے سے باہر کے مقابل تو کوئی ہو
 پوشیدہ اک حجاب میں، وہ تو رات دن

ناداں ہیں جو کہتے ہیں منزل کو دُور ہے
ہم تو ہزار بار محبت کو چھوڑ دیں
مرتا نہیں ہے کون شہادت کی واسطے
کس تاق جانیں تھے آتاں سے ہم
میں تو شبِ فراق کو باتو نہیں کٹ دوں
ہشیار میں کیو بتاؤں تو کس طرح
دریا میں کوئی کیسے اتر جاوے دھڑک
کس لہر کو پھینک دوں لے نکال کر
امید اسکے رحم و کرم کی فضول ہے
کس شخص پر کروں میں مانے میں عبا
ہرقت میں بہار کی رنگینیاں ہی
جلوہ ہی ہے، طور وہ ہی، نخل طوبی

نشر خود آ کے خالق دل اسپیں ہو کیس
کہتے ہیں جس کو دل وہ مگر دل تو کوئی ہو

۱۵

۱۲۴

یہ ٹوٹے ہوئے دل کا مریخ ساز تو دیکھو
صد گونہ مصائب کا باعث یہ غم عشق
ہے گو من براواز مراد ل کہ نہیں ہے
نغمے تو سنوا کے اور آواز تو دیکھو
اس پر بھی غم دل پہ مرانا تو دیکھو
تم دیکے کسیدن لے آواز تو دیکھو

اُس مری بیتابی پر وار تو دیکھو
 ہے مصلحت آواز، ذرا سا تو دیکھو
 پھر بھی یہ مری ہمت پر وار تو دیکھو
 تم دیکے کسیدل سے آواز تو دیکھو
 ساقی کی نگاہوں کا یہ غماز تو دیکھو
 لے اہل چمن وسعت پر وار تو دیکھو
 انسان کی لیکن یہ نگ وناز تو دیکھو
 تم اپنی نگاہ غلط انداز تو دیکھو
 ظالم کا مگر نالہ غم ساز تو دیکھو
 خلوت کے مری اہم و دمساز تو دیکھو
 اللہ سے مراد از، مراد از تو دیکھو
 بے پرہوں مگر قوت پر وار تو دیکھو

میخانے سے آتے ہیں مگر حضرت نشر
 لغزش کی ذرا آپ کے انداز تو دیکھو

۱۶

ایک دن بالکل خوشی ایک دن فریاد ہو
 سن لو جس دن میں ہوں تم ہو، اور دل ناخاد ہو
 کیا کہوں اپنا فائدہ، جب نہ جھکوا د ہو

پر ٹوٹے ہو اور اسیری کی یہ قیدیں
 دل توڑ دیا تم نے کہیں سے مرا شاید
 ہر خیز و بال ہیں ٹوٹے ہو میرے
 دنیا کی جو سنتا ہے، تمہاری بھی نینگا
 ہم سامنے آنکھوں کے ہیں ورثہ مستی
 ہیں دونوں جہاں عالم پر وار میں میر
 گو خوب سمجھتا ہے کہ وہ دلیں کہیں ہے
 ہر وقت تبسم ہے مگر حال غلط پر
 کچھ بھی تو نہیں ببل ناچنے کی ہستی
 مونس ہے کبھی رنج، تو ہدم ہو کبھی یاس
 ہے راز مرا اور مجھی کو نہیں معلوم
 میں اپنے تصور میں کہاں جا نہیں سکتا

۱۲۵

یوں بھی کچھ دن عاشقی میں بدل ناخاد ہو
 واقعی سننا اگر تم کو مری فریاد ہو
 پوچھتے ہیں فائدہ، اور میں تمکا ہوں منہ

آدمی کا خون کر دو، تو نہیں اتنا بُرا
 کس کی محبت ہے جو اُنکے سامنے کچھ کہ سکے
 بندہ پرور ہم ستم ایجاد جب سمجھیں تھیں
 کوئی ان دو میں سیری کاہری سیری ذمہ دار
 سب کو ہے فکرِ ربانی، مجھ کو یہ ہر وقت فکر
 مطمئن کیا ہوں تمہاری دعوتِ دیدار سے
 لطفِ ضبطِ غم سمجھ جائی اگر دُنیا کے عشق
 اہل ہے تیری محبت کا اگر کوئی، تو وہ
 استقدر ہند لاپے اتو کیف ماضی کا خیال
 آج انجامِ محبت آ کے وہ دیکھے مرا
 ہمو ضبطِ غم نے دے رکھا ہے سب کچھ عشق میں
 حضرتِ دل چاہتے ہیں حسنِ الواس سے وفا
 پھینکنا اس شوخ کو چاروں طریقِ نظر
 یہ کرشمہ کون دیکھے عشق والوں کے ہوا
 لیتی رہتی ہے مے دلیں برابر چٹکیاں

حسرتوں کا خون کرتے ہو بڑے جلا دہو
 حکم ہے اُنکا ہمارے سامنے فریاد ہو
 جب ہمارے واسطے روزِ اکِ ستم ایجاد ہو
 آرزوئے قید ہو، یا خاطرِ صیتِ اُد ہو
 کوئی اک دن یہ نہ کہدے جاؤ تم آزاد ہو
 طور پر محسوس رکھا تھا جو تم کو یاد ہو
 کیوں فغانِ وادہ ہو کیوں نالہ و فریاد ہو
 روزِ تیرے جو جس کو بھول جانا یاد ہو
 نہ تو نکمی جیسی اک بھولی ہوئی سی یاد ہو
 جس کو آغازِ محبت کا زمانہ یاد ہو
 وہ کرے فریاد جو وارفتہ فریاد ہو
 اک نیا عالم اب اُنکے واسطے ایجاد ہو
 عشق کی دُنیا اگر برباد ہو، برباد ہو
 دل نہ پہلو میں تیرے اور دل میں کیسی یاد ہو
 خود فراموشی تمہاری ہو کہ میری یاد ہو

خلد کی خواہش نہیں نشر جو خواہش ہے تو یہ

لکھو ہو، ہم ہوں، فرصت ہو، امین آباد ہو

فلک پر چاندنی ہوا و زمین ماہ تاباں ہو
 بنایا ہی تجھے فطرت نے جاناں تو اناں ہو
 جو ہماں تو وہ ہمانوں کی صورت و لیس ہماں ہو
 جو ہم چاہیں تو زنداں بھی ہمیں صحن گلستاں ہو
 پریشاں جس سے دنیا ہے کبھی وہ بھی پریشاں ہو
 مزہ جب ہے کہ دل میں کوئی حسرت ہوا راں ہو
 مجھے شاخ نشین ہے کوئی شاخ گلستاں ہو
 ہماری باوہ خواری کے لئے تائیدِ رزاں ہو
 وہاں لعل جا ایدل زمین کوئے جاناں ہو
 وہ کیوں نے لگا ان کے خدا جکا نگہاں ہو
 طبیعت کا مزہ یہ ہے نہ خداں ہونہ گریاں ہو
 بیاباں ہو چمن جس کو چمن جس کو بیاباں ہو

وہ ہر جانی ہے لے شتر تو ایسا کیوں نہیں ہوتا

۱۳

میں جس تصویر کو دیکھوں وہ ہی تصویرِ جاہاں ہو

ابنِ کامرے عالمِ تنویر نہ پوچھو
 کس درجہ ہے غارِ گم تدبیر نہ پوچھو
 کیوں عشق میں تباہ نہیں لکیر نہ پوچھو

کبھی اس شکل سے بھی انقلابِ چرخ گردانِ تو
 کبھی تو بھول کر اپنے گناہوں پر پشیمانِ تو
 وہ خواہشِ نیک کی ہو یا تروئے کارِ انِ تو
 ہمارے غم جی تک غم ہیں، جب تک غم سمجھتے ہیں
 ذرا بادِ صبا بکھڑ تو فے اس زلفِ مشکیں کو
 تمنا میں محبت کا مزہ لینے نہیں دیتیں
 زیادہ فکر کیوں شاخ نشین کی کروں گلچیں
 گٹھا گھر کر کہیں لیے میں جاؤ تو لے ساتی
 کہاں یہ حرم کے پھیر میں رکھا ہے تو مجھ کو
 بلا میں رات دن ناحق لپکتی ہیں مری جانب
 نشاط و غم کو سمجھو ایک، اگر دنیا میں ہنا ہے
 وہ ہی اس خازنِ ہستی مومِ موم کو سمجھو

۱۴

کس نگ میں ہے حُسن کی تصویر نہ پوچھو
 کیا چیز ہے انسان کی تقدیر نہ پوچھو
 قسمت کی ہی یاد لگی ہے تقصیر نہ پوچھو

جس دُور سے دل سے نکلتی ہو یہ کجست
کیا اس نے لکھا ہو مری تقدیر میں کچھ
ایسا نہ ہو تقصیر محبت کی ہو تو بین
تغزیر جو دینی ہو تمہیں شوق سے لو
محمول مت در پہ کرو میری تباہی
کیا عشق تھا کیا عشق کا انجام ہوا تھا
میرا ہی جگر ہے کہ انہیں جھیل ہا ہوں
ہوں پھر میں جب سے نگہ مت کے نشر

۱۱

۱۲۸

اُس دن سے مری گردِ دلِ تقدیر نہ پوچھو
چشمِ ساقی رو برو ہونے تو دو
حضرتِ دل کر کے شکوں کو شریک
دل کو خمِ خم سے بٹو ہونے تو دو
خودِ کل جانیگی دل سے ایک ن
اب نمازیں با وضو ہونے تو دو
ہم بھی میخانے سے آتے ہیں ابھی
آرزو کو آرزو ہونے تو دو
کون پھر ہمت کر یگا دید کی
جمع سامان وضو ہونے تو دو
بے نیازی دیکھ لینگے اُن کی ہم
ذکرِ ایمن چار سو ہونے تو دو
منزلِ مقصود بھی مل جائیگی
ہم کو اُن کے روبرو ہونے تو دو
ابتدا کر لو نمازِ عشق کی
اشتیاقِ جستجو ہونے تو دو
بے وضو یا با وضو ہونے تو دو

خود چلی آئیگی رحمت ڈھونڈتی
 شغل بادہ قبلہ رہو ہوئے تو دو
 ڈھونڈ کر اُن کو رہو نگا ایک دن
 بیفتہ راجستھو ہوئے تو دو
 دو بدو بھی ایک دن ہو جائیگی
 دل ہی دلیں گفتگو ہوئے تو دو
 ہم بھی ہو جائیگی شہر کامیاب
 انتہائے آرزو ہوئے تو دو

۱۲۹

۱۳

مجھ کو رحم آئے، وہ ظالم بقرار ایا تو ہو
 عمر بھر میں ایک دن پروردگار ایا تو ہو
 آنے والا آئے، اور آکر چلا جائے مگر
 ہونے کچھ معلوم، کیف انتظار ایا تو ہو
 وہ چلے آئیں کلچہ ہاتھ سے تھامے ہو
 آج زور نالہ بے اختیار ایا تو ہو
 بادہ خواری کس طرح کی میکد میں کچھ نہ پوچھ
 میکدہ خود کہہ رہا تھا، بادہ خوار ایا تو ہو
 حُسن یہ سمجھ کہ وہ بھی عشق کا محتاج ہے
 اک کرشمہ لے مرے پروردگار ایا تو ہو
 کچھ سمجھ ہی میں نہ آئے پشتر کیا چیز بھی
 آستیں ہو یا گریباں تار تار ایا تو ہو
 بے تکلف دُور سے ہر سنگدل کو کھینچ لے
 کشتگان عشق کا سنگ مزار ایا تو ہو
 زندگانی میں جہاں تسکین دم بھر پا سکیں
 عاشقوں کا تیرے اک دارالقرار ایا تو ہو
 ابر کے سائے میں بزم میکدہ ہو منعقد
 فصل گل میں ایک دن جشن بہار ایا تو ہو
 لا فضا بھی ہے، فضا بھی ہے حقیقت نفس کی
 اُستوار ایا تو ہو، نا اُستوار ایا تو ہو
 آپ کے غم سے زیادہ کون مونس ہے مرا
 ساتھ جو دم بھر نہ چھوڑے غمگسار ایا تو ہو
 حُسن کے جلوئے نگاہوں کو نہ خیرہ کر سکیں
 لے و فور اشتیاق دیدار ایا تو ہو

ہوں قفس کیاب، گلشن ہی مرا زباں بنے اب فصل گل میں اسے پروردگار ایسا تو ہو

یوں میں نشر بقراری کا نہیں قائل کبھی

۱۵۰

۱۴۲

بقراری داد خود دے بقرا ایسا تو ہو

کہا تھا میں نے بھلا کب کہ تم ستم نہ کرو
جفا میں کر کے زیادہ اب انکو کم نہ کرو
ہزار دلیں میں رنج و ملال غم نہ کرو
خدا کی واسطے بعد ستم، کرم نہ کرو
ہیں یہ ظلم کرو، اور کہو کہ غم نہ کرو
ملال عاشق محزون کوئی غم نہ کرو
کردنہ جلوہ نمائی میں بخل بہر خدا
جو اعتبار کرو ایک بار تم اپنا
کرم نہ جھیل سکیں گے ستم کے عادی میں
خدا کی واسطے اتنا کرم کرو مجھ پر
مجھے مٹا کے مروت کو کیوں مٹاتے ہو
طریق عشق کہاں ہے یہ بیدل ناداں
خدا کی واسطے اپنے خیال کو روکو
نہ جو رہی فقط اچھے نہ ہیں کرم اچھے

مجھے دیار محبت میں ستم نہ کرو
کرو تم اور ستم کوئی، یہ ستم نہ کرو
ہزار آنکھ میں نہو ہوں، آنکھ تم نہ کرو
تسلی دل پر ورہ ستم نہ کرو
تلافی ستم اچھی نہیں، ستم نہ کرو
تم اس سے کوشش نہ اڑو ستم نہ کرو
مری نگاہ کی حیرانیوں کو کم نہ کرو
تو اعتبار پھر اپنا، مری قسم نہ کرو
ستم کرو نہ کرو، ہمت کرم نہ کرو
کسی کے کھنکھ سے مجھ کوئی ستم نہ کرو
خدا کے گھر کو تو پا مال رنج و غم نہ کرو
میں نہ ان کہوں یہ کہ تم ستم نہ کرو
مری فراق کی تنہائیوں کم نہ کرو
کبھی ستم نہ کرو تم، کبھی کرم نہ کرو

تمہارے ظلم میں جتنی لذتیں ہیں، کیا کہنا
خدا گواہ ہے کچھ لطف عاشقی نہ رہی
ابھی ہے اور ترپنے کی آذر و باقی
ستم کا یہ بھی طریقہ ہی کوئی بندہ نواز
وفا و حسن کہیں ساتھ ساتھ ہوئے ہیں
مر ویا رحمت کی حد کہاں یہ کہاں
جو غم کی بات ہے لاتی ہو دل میں بوج ضرور
سوال زندگی و موت کا عشق کی
ابھی تو حضرت نشر ترپی ہے عمر تمام

خوشی خوشی سے جو آئے تو یہ خوشی اسکی

خوشی نہ آئے تو نشر خوشی کا غم نہ کرو

۲۲

۱۵۱

ہے میکشوں کے دل میں عزم نہ رہا نہ
آ اور نکال دل سے بوج و غم زمانہ
اب اضطراب اُن کا دیکھ دُرِ زمانہ
کس سے کہوں فسانہ، کیا ہی مرافانہ
شاید یہی ہو اُنکے آنے کا اک بہانہ
کیا کوئی اس کو سمجھے ہے رمز عاشقانہ
اے آسماں بن جا، رحمت کا شایمانہ
قبضہ ہی تیرے گھر پر ان سب کا غاصبانہ
آتی تھی نیند سنسکر جن کو مرافانہ
کا ہیدہ ساتر غم، خوابیدہ ساترانہ
بہرِ زغم سے ایدل، اک چھڑے ترانہ
عاشق نے آہ جب کی، اک کبدِ یافانہ

موجود آن ہے جو کل ہر وہ ہی فسانہ
 کہتا رہے زمانہ، بکتا رہے زمانہ
 اے کاش آئے ساتی، ایسا کوئی زمانہ
 وعدہ وفا وہ کرتے، عاشق کی کوئی
 ہر ساز میں نہاں ہے، ہر ساز سے عیاں ہے
 صحنِ چین میں سن لوجب چاہوں میں سن لو
 اعمال بزرگا ہیں پرتی نہیں کیسی
 اب وہ کہاں مانہ، جب قید گفتگو تھی
 کیا کر دیا یہ تونے، اے دیدہ حقیقت
 ہم اہلِ تم جو چین کے کیا کام تھا نفس سے
 پہلو میں لکھا ہے، کچھ میں ہو کی بوندیں
 کتنا کیسا اگر، بالیں پہ بعدِ مر دن
 دونوں کا فرق زاہد، دون میں کچھ لیتا
 وعظ خیال میرا ہے ستِ چین ساتی
 ہم تو خوشی کے سنے، ذرات دیکھتی ہیں
 اب کیا کسی سے کہے رودادِ پنو غم کی
 عہدِ شباب کو ہم بھولے کبھی بھولیں

دنیا ہی، یہی ہے دنیا کا کارخانہ
 چھوٹا نہ ہم سے چھوٹے، وعظ شراب خانہ
 میکش جس اہل دنیا، دنیا شراب خانہ
 آخر تو موت کو بھی لازم تھا اک بہانہ
 چھڑا تھا جوازل میں اُس نے نیا ترانہ
 ہے ایک ہی ترنم، ہے ایک ہی ترانہ
 ہے بکویہ شکایت، اچھا نہیں زمانہ
 اب تو زبان رو کی، اور کہہ دیا فسانہ
 دنیا اور اہل دنیا، سب ہو گئے فسانہ
 لیکن کچھ اور شے ہے، تقدیرِ آبِ دانہ
 کیا تیر تھا ستمگر، کیا تیر کا نشانہ
 کچھ موت بھی تھی اسی، کچھ دل گیا بہانہ
 اے کاش نزدِ مسجد، ہوتا شراب خانہ
 کیسی شراب نوشی، کیا شراب خانہ
 تھی کیا خبر، چین سے اٹھ گیا آبِ دانہ
 رودادِ غم ہی اپنی، جب ہو گئی فسانہ
 وہ موت کا زمانہ، وہ زیت کا زمانہ!

افسوس کان کھڑا نہتا نہیں ہے کوئی
مٹے نہ ہم تو آخر چارہ ہی اور کیا تھا
اب اُنکا آنا جانا، اتنا نہیں ضروری
ہے جاں کنی کا عالم آجائے کاش وہ بھی
قدرت سے تیری یار کیا کچھ نہیں ہو ممکن
رکھنا تھا حُسن کو جب یوں بے نیاز اس سے
ہوں مستِ چشمِ ساقی، دن ہو کہ رات نشر
رکھا ہوں ساتھ اپنے، اپنا شرب خانہ

۳۰

۱۵۲

دستِ ساقی میں جام، اے توبہ!
ذوقِ حُسنِ تمام، اے توبہ!
میرے ہاتھ اور جام، اے توبہ!
نور اور مستقل معاذ اللہ
لاکھ روغنیں ہے نہاں ظالم
شام آتی ہے، یا پیامِ اجل
اک قدم اور سیکڑوں فتنے
آدمی ہو کے آدمی نہ ہوا
تم سے لونگا جفاؤں کا بدلہ؟
اور واعظِ حرام، اے توبہ!
زیستِ کردی حرام، اے توبہ!
مفت کا انتھام، اے توبہ!
درو دل اور مدام، اے توبہ!
حُسن کا انتظام، اے توبہ!
نامرادوں کی شام، اے توبہ!
تیری طرزِ خسرام، اے توبہ!
خواہشوں کا غلام، اے توبہ!
عشق اور انتقام، اے توبہ!

دیرانے دل ویز ہیں بستی سے زیادہ
جو کم نہ ہو مستی کو نہ مستی سے زیادہ
مطلب ہے جنہیں حُسن پرستی سے زیادہ
یہ بھاگتی ہے طالب ہستی سے زیادہ
پڑنا ہے تجھے کام اسی بستی سے زیادہ
ہے کون بھلا مادر ہستی سے زیادہ
مانوس ہوں کیوں محفل ہستی سے زیادہ
تو دور ہی رہ کاوش ہستی سے زیادہ
عالم ہو کوئی، عالم ہستی سے زیادہ
کمزور ہمیں جامہ ہستی سے زیادہ

جو امن ہے دیرانہیں بستی میں نہیں ہے
لا بھرے مرے جام میں اتنی مرے سانی
حاصل ہیں مرے عشق و محبت کے انہیں کو
ہستی میں بھی ہیں حُسن کے انداز نمایاں
منہ گوہریاں سے، نہ پل موڑ کے غافل
کیوں اس سے بچھڑنے کا نہ انسان کو ہونے
تحقیق ہے جب یہ کہ قیام اسکو نہیں ہے
اس میں جو پھنسے گا تو کہیں کا نہ رہیگا
اب میری نگ و دو کو یہ میداں نہیں کافی
دُنیا میں نظر ایک بھی جامہ نہیں آیا

آخر تو بسر ہوتی ہے دیرانوں میں نشتر
کیوں دل کو لگائے کوئی بستی سے زیادہ

۱۶

۱۵۴

رہ نہیں سکتے ہم اب آزاد دیکھ
قید میں ہوں کس طرح آزاد دیکھ
آج حال آشاں برباد دیکھ
کہ نہ یوں بیدا پر بیدا دیکھ
آدمی کا زعم بے بنیاد دیکھ

کر رہا ہم کو نہ اے صیاد دیکھ
میری نظر نہیں چمن صیاد دیکھ
ہو گیا دُون میں کیا صیاد دیکھ
لوٹ جائیگا دل ناشاد دیکھ
چار دن کی زندگی پر یہ گھمنڈ

روزِ اول سے نہیں مجھ لائے تھے دیکھ مجھ کو اور میری یاد دیکھ
 ہر دم پر نامناسب ہے تجھے امتحان عاشقِ ناشاد دیکھ
 ہو اگر ہمت تو اسے صیاد آ آخری ہنگامہ فریاد دیکھ
 دید کے قابل ہے، درِ دل مرا خالقِ درِ دلِ ناشاد دیکھ

فکرِ آزادی میں تھا شتر اسیر

آج اُس کو قید میں آزاد دیکھ

۱۵۵

۱۰

نہیں دخل اس میں کیا کچھ، نہیں عشق گھر کا معاملہ
 جو کر گئی طے تو نظر اسے، کہ یہ ہے نظر کا معاملہ
 تجھے یہ خبر بھی ابھی نہیں، ہے تری نظر کا معاملہ
 کہ مجھ سے پوچھ رہا ہے تو، مری چشمِ تر کا معاملہ
 میری ساری عمر کی داستان، تری اک نظر کا معاملہ
 تجھے ایک لمحے کا مشغلہ، مجھے عمر بھر کا معاملہ
 یہ رہا ہے رازِ ازل ہی سے، یہ رہیگا راز ہی تا ابد
 نہ کسی پہ کھل سکا آجک، مری چشمِ تر کا معاملہ
 کوئی کیسے چھوڑے عشق کو، کوئی آج کہے یہ نامحاصل
 اسے بے خبر یہ تو یاد سے بھی ہے پیشتر کا معاملہ
 یہ جہاں ایک سر اسے ہے، یہاں اُمتوں کا قیام ہے

جسے تم سمجھتے ہو زندگی، یہ ہے رات بھر کا معاملہ
 کبھی بھول کر بھی نغاں نہ کر، غم عشق و دو عیاں کر
 اسے گھر میں رکھ دل بے خبر یہ ہے تیرے گھر کا معاملہ
 مری آنکھ سے نہ ہٹو کہیں، نہ اٹھو ابھی مری پاس سے
 واپس واپس یہ ہے ننھ مری عمر بھر کا معاملہ
 غم عشق کا کہوں حال کیا، مری ہمت اور مجال کیا
 جو کسے کوئی تو کسے نظر ہے نظر نظر کا معاملہ
 نہیں پیری اور شباب میں، کوئی نام کو بھی مشابہت
 یہ ہے نیم شب کا معاملہ، تو وہ ہے سحر کا معاملہ
 نہ یہ اس سے کم، نہ وہ اس سے کم، نہ یہی نے نہ وہ ہی نے
 یہ عجیب طرح کا پڑ گیا ہے، دل و جگر کا معاملہ
 وہ مزدور آئیگے بخدم، یہ ہے وعدہ انکا تری قسم
 دل بیٹا رہ ٹھہر بھی جا، کہ ہے رات بھر کا معاملہ
 دم واپس یہ نگاہ رکھ، اسے فکر و غور سے ختم کر
 یہ ہی ایک سانس بنائیگی، تری عمر بھر کا معاملہ
 نہ خودی سے اپنے ہے شرم اسے، نہ خدا کا اس کو خیال ہے
 ہے بشر بھی ایک عجیب شے، ہے عجب بشر کا معاملہ

سر کوہ طور جو یاد ہوا ابھی تھوڑے دن ہی کی بات ہے
 وہ مری نظر کا معاملہ، وہ تری نظر کا معاملہ
 مجھے پوچھنے کو نہ آؤ تم، مرا غم نہ اور بڑھاؤ تم
 مری چشم تر ہی میں رہنے دو، مری چشم تر کا معاملہ
 مجھے واقعاتِ کلیم و طور، ذرا بھی یاد نہیں ہے
 کسی روز پھر بھی دکھا مجھے، وہ نظر نظر کا معاملہ
 نہیں کچھ امیدِ مریض غم، فقط اور تھوڑی سی بات ہے
 کہاں جا رہے ہو اب اٹھ کے تم کہ ہے دو پہر کا معاملہ
 یہ جلی کٹی نہ سُنائیے، نہ جلے پہ لون لگائیے
 دم واپس نہ بگاڑیے، مری عمر بھر کا معاملہ
 کبھی سوچا ہوں جو اسکو میں تو نہی سی آتی ہر ذیت پر
 فقط ایک سانس پہ ختم ہے، مری عمر بھر کا معاملہ
 وہ ہی نشر ایک خلش رہی، جو دل و نگاہ میں غیب تھی
 نہ ہوا کسی سے بھی طے کبھی، ارگ و نیشتر کا معاملہ

۱۵۶

۲۱

نہ پوچھ حال مرا لے نگاہ یار نہ پوچھ
 چمن میں کیفیتِ ابرو بہار نہ پوچھ
 ہے کفِ سر و لیں غم بہار نہ پوچھ
 لیا ہے کس نے مرا صبر اور قرار نہ پوچھ
 نشاطِ بادہ گاری میکار نہ پوچھ
 دلانہ یاد مجھے، مجھ سے بار بار نہ پوچھ

وفاے یار کہ لطفِ خجائے یار نہ پوچھ
 بتاؤں کیا تجھے ارمان کتنے ہیں میں
 بحرِ تاروں کے اجرات بھر کے شاہد ہیں
 جو سانس لیتی ہے بچا کر کی غنیمت ہے
 کہوں تجھ سے تو کس سے کہوں میں جو کار
 بتائے کچھ تو بتائے ترا بسمِ ناز
 ہے باز پرسِ قیامت کا رات دن کھٹکا
 پس فنا تو نہ بیگانہ بن خدا کے لئے
 قیامت اور بپا اس نے حشر میں کر دی
 جلا کے دونوں جہاں سو خاک کر ڈالے
 سرورِ یاد و دلانا ہے یہ تو مستوں کو
 شبِ فراق میں کیا ذکرِ وصل کی شب کا
 وہ روزِ روزِ تری بات پر یقین کرنا

ہے کون انہیں مرادِ سخن قرار نہ پوچھ
 تو انکی شورِ شین خود دیکھ لئے شانہ پوچھ
 کسی سے اور مرا کیفِ انتظار نہ پوچھ
 مریضِ دردِ محبت کا خیالِ زار نہ پوچھ
 مجھے تو اپنی سنانی ہے ہزار نہ پوچھ
 کہاں گیا وہ مرا عالمِ قرار نہ پوچھ
 مزارِ والوں کی حالتِ تیرے مزار نہ پوچھ
 مے مزار پر اگر مرا مزار نہ پوچھ
 نہ پوچھ شعبہٴ چشمِ شکبار نہ پوچھ
 دیارِ عشق میں عاشق کا اختیار نہ پوچھ
 خدا کی واسطے کیفِ نگاہِ یار نہ پوچھ
 مزے بہار کے ہم سے پس بہانہ پوچھ
 وہ روزِ روزِ مرالطفِ انتظار نہ پوچھ

بیان سے مرے باہر ہے کیا کہوں نشر

۱۴

خدا کی واسطے لطفِ خجائے یار نہ پوچھ

ہو خوشی یا رنجِ دل کو شاد رکھ
 شاد رکھ تو یا ہمیں ناشاد رکھ
 ایک نشر کی نصیحتِ یاد رکھ
 بندہٴ بیدارِ آفت ہیں تم سے

۱۵۴

آرزوئیں تو نہ کر میری ہلاک
 ایک دن کرے غنایت کی نظر
 یا نشاۃ دہر ہے یا اپنا غم
 دل تو لگتے ہی لگیں قید میں
 خوب جی بھر کر تالے تو ہمیں
 ہو فانی حُسن میں ہے فطرتاً
 ظلم کی جب تیرے ہوگی بائیں
 کچھ اسی حیلے سے نکلیں جوصلے
 اس کی اس بے اعتنائی پر نہ جا
 تیرے دیوانوں کو گھر سے کیا عرض
 دل بنا پہلو میں امید آفریں
 ہے اگر بیداد قسمت میں مری
 ہوں شکارِ لذتِ قیدِ قفس
 یہ دورنگی اور محبتِ وادِ واد
 اپنی حد پر آچکا ہے درِ دل
 دل کی دُنیا تو مری آباد رکھ
 آبروے نالہ و فخر یاد رکھ
 ایک دُنیا تو مری آباد رکھ
 کچھ نونِ خاطر لے صیاد رکھ
 ایک نِصاف ہو گا یاد رکھ
 پاس اسکا بھی بُلِ ناشاد رکھ
 وہ زمانہ آ رہا ہے یاد رکھ
 قید میں آزاد مری فریاد رکھ
 بھولنے والے کو ایدل یاد رکھ
 اور انکو خانماں بر باد رکھ
 آج اس تعمیر کی بنیاد رکھ
 دلیں قائم لذتِ بیداد رکھ
 قید رکھ اب یا مجھے آزاد رکھ
 شادی رکھ یا مجھے ناشاد رکھ
 میں کئے تیا ہوں تجھ سے یاد رکھ

تجھ کو تقصیروں سے بچنا ہے اگر
 اپنی تقصیروں کو نشتر یاد رکھ

دونوں عالم میں گدائے میکدہ
 حضورِ خط بھی مسکی توہن میں ہیں
 ہے خیال چشمِ سانی اور ہم
 چشمِ سانی تیری نظروں کے نثار
 الفراق ای ہوشِ ای عقل و خرد
 تجھ کو سانی اپنی نظروں کی قسم
 اسطر بھی اک نگاہِ چشمِ مست
 چھوڑ آئے کیوں ہم اسکو وہیں
 راز ہے یہ اور رہیگی راز ہی
 جسکو سب دنیا سمجھتی ہے اداں
 اپنی ہی سستی سے ہیں سب مست
 ہیں ہاں بھی ہوش کی پابندیاں
 میگوں بریکدے کی رحمتیں
 ہنر تو جانے کی دلیں ٹھکان لی

اے تری قدرت خدائے میکدہ!
 کھل گئے کیا راز ہائے میکدہ
 کون اب تھکنے کو جائے میکدہ
 ہے نگاہوں میں فضا کے میکدہ
 لے اڑی مجھ کو ہوائے میکدہ
 کچھ نہ دیکھوں میں ہوائے میکدہ
 میں بھی ہوں تیری گدائے میکدہ
 ہوش تھا آخر برائے میکدہ
 ابتدا و انتہائے میکدہ
 ہے حقیقت میں صدائے میکدہ
 میکدہ ہے مبتلائے میکدہ
 کون لے جنت بجائے میکدہ
 برسرِ واعظ، بلائے میکدہ
 کوئی جائے یا نہ جائے میکدہ

میکدہ میرے لئے پیدا ہوا

اور نشر میں برائے میکدہ

۱۵

۱۵۹

کرتے ہیں وہ کر کے کرم اور زیادہ بیتابی ارمانِ ستم اور زیادہ

چاہوں اگر الطاف و کرم اور زیادہ
 غم سے جنہیں بچنے ہی کی دُہن ہتی ہے ہر دم
 جتنا میں الگ دیکھتا ہوں رنج و خوشی کو
 ہر روز ترپنے کو ترستا ہوں شبِ غم
 کل مل ہی گئی تھی بخدا منزلِ مقصود
 خواہاں خوشی کا ہو یاں اسے دلِ غمگین
 اب قوتِ برداشت سے باہر ہے ہماری
 مفتوں ہے ستم پر دل دیوانہ عاشق
 جب بیٹھ گئے پیئے کو میخوارِ قدحِ نوش
 عاقل ہو تو خوشیوں کی محبت میں نہ کر فکر
 وہ کونسی شے ہے جو نہیں باغِ جہاں میں
 کر عشق میں کچھ کارِ نمایاں دلِ وحشی
 مایوسِ کرم یوں بھی محبت میں نہیں توں
 اکبارِ جہاں خوگرِ بیداد ہوا یہ
 غم سے تجھے بچنا ہے اگر دارِ قضا میں
 اظہارِ شکوک اُن سے ہے ناحق دلِ نادان
 ہر وقت میرے ذوقِ ستم کا ہے اشارہ

کرتے ہیں وہ بیداد و ستم اور زیادہ
 ملتے ہیں انہیں دہر میں غم اور زیادہ
 آتے ہیں نظرِ مجھ کو ہنس اور زیادہ
 ہوتا کہیں طولِ شبِ غم اور زیادہ
 رکھ دیتے اگر چار قدم اور زیادہ
 چاہو جو خوشی، ہوتے ہیں غم اور زیادہ
 ہو جائے اگر ایک ستم اور زیادہ
 کر دے اسے بربادِ ستم اور زیادہ
 پھر ان کے لئے کچھ نہیں کم اور زیادہ
 خوشیوں سے نہیں دشمنِ غم اور زیادہ
 کیا ہوگا بھلا باغِ ارم اور زیادہ
 محسنوں سے بھی دو چار قدم اور زیادہ
 کر مجھ کو نہ مسمونِ کرم اور زیادہ
 عاشق نہیں پھر سوچنا کم اور زیادہ
 کر قلب کو وابستہ غم اور زیادہ
 کھا جائیں گے ایک آدھ قسم اور زیادہ
 نے مجھ کو خدا شوقِ ستم اور زیادہ

جتنا یہ عینِ عشق سوا ہوتا ہے نشر
ہوتی ہے ہمیں خواہشِ غم اور زیادہ

ہر سوزِ جداگانہ، ہر سازِ جداگانہ
ہوتا ہے جداگانہ، ہر حالِ محبت کا
ممکن ہوا اگر یارب، دل اور عنایت کے
دنیا کے محبت میں پہنچے تو یہی دیکھا
آوازِ جو کیاں، سن لے وہ ضرور اسکو
آواز نہ کہے کی وہ ہے، نہ کلیسا کی
کس کس کے مے کوئی، کس کس کے جو کوئی
غم ہو کہ سرت ہو، جو کے لئے اک دل
آغاز کا ہوتا ہے انجام الگ جیسے
ہر شخص چھپاتا ہے یوں از محبت کو
اس طرح جداگانہ محفل میں کہو بیٹھیں
کیوں کھاتے ہوتے قسیمِ نرات محبت کی
کہے کی صدائیں مٹا دیں کی آوازیں

ہر چیز کا ہوتا ہے اندازِ جداگانہ
انجامِ جداگانہ، آغازِ جداگانہ
رکھو نگاہیں نہیں، اک رازِ جداگانہ
انجام سے رہتا ہے، آغازِ جداگانہ
دیکھو جسے دیتا ہے آوازِ جداگانہ
ہوتی ہے محبت کی آوازِ جداگانہ
سوزنا ہیں کافر میں، سوزنا جداگانہ
ہر نفعے کو لازم تھا، اک سا جداگانہ
انجام کا ہوتا ہے آغازِ جداگانہ
گویا یہ اسی کا ہے اک رازِ جداگانہ
دل چورِ جداگانہ، جاننا جداگانہ
ہوتا ہے محبت کا اندازِ جداگانہ
مطلب ہے وہی سب کا، اندازِ جداگانہ

ہے حُسنِ وہ ہی نشرِ ہر شے میں مگر اسکا
نیزنگِ نموسے ہے اندازِ جداگانہ

اب نہ چکر دیکھتا ہوں میں، تو کچھ مشکل نہ تھی
 دل کو حاصل تھی کبھی، ویت کبھی حاصل نہ تھی
 اب مشکل جان کو ہے، پہلے یہ مشکل نہ تھی
 آرزو کو دل کبھی دل میں ٹھہر سکتی نہیں
 بارہا ایسا ہوا ہے مشاہدِ عشق میں
 پھر بھی آئینکے کبھی وہ دن آئی یا نہیں
 عشق میں ناکامیابی، کامیابی تھی مری
 عشق کرتے ہی نہ جانے ہو گیا کیا انقلاب
 نارسائی کی کسی سے کیا شکایت کیا گلہ
 آرزو کو دل ہوئی پوری نہ اپنی عشق میں
 ہم کو تنہا تو نے کیوں محروم محفل کر دیا
 اسکے ہر ہر قدم میں اک دل تھا اے بادِ صبا
 اب میں سمجھا کیونٹ دنیا پہلے سنتی تھی مری
 شمع تھی لیکن مذاقِ سوز پر وائے نہ تھا
 اب جو روکے ہمیں، وہ بھی ہمارے ساتھ ہو
 انہیں یکہوں کتنے پروں میں کہاں چھپتے ہیں پ
 عشق نے مجھ کو چپایا، ورنہ دنیا کی ہوس

منزل مقصود منزل میں کوئی منزل نہ تھی
 ایک ہی منزل، کبھی منزل کبھی منزل نہ تھی
 جب نظر بجلی نہ تھی تیری، ادا قاتل نہ تھی
 جو نہ نکلی دل سے، سمجھو آرزو کو دل نہ تھی
 جسکو منزل میں سمجھا، وہ مری منزل نہ تھی
 دل ہی ل پہلو میں تھا، آرزو کو دل نہ تھی
 سعی لا حاصل بظاہر، سعی لا حاصل نہ تھی
 ورنہ پہلے دل نہ تھا یا آرزو کو دل نہ تھی
 اے مسافر، تجھ میں خود ہی گری منزل نہ تھی
 آرزو کو دل ہی شاید آرزو کو دل نہ تھی
 سب کو محفل تھی ہمارے واسطے محفل نہ تھی
 یوں اڑانے کے لئے خاکِ تر محفل نہ تھی
 دستانِ دل تو تھی، لیکن زبانِ دل نہ تھی
 ہم نہ تھے محفل میں جب، یہ گری محفل نہ تھی
 پہلے کچھ بات اور تھی، جب سامنے منزل نہ تھی
 آپ پر اتنا نگاہیں تھیں، نگاہِ دل نہ تھی
 اُس طرف لیکر چلی تھی، جُطرف منزل نہ تھی

انکشافِ راز کا اب مجھ سے ناحق ہے گلہ
تو نے اچھم بصیرتِ خوب آنکھیں کھول دیں
بیٹھ کر محفل میں ایسا ہو چکا ہے بارہا
اب تو سب کچھ ہو گیا، تیرے تصور پر نثار
کیا کہوں اُس کے کرم کو، جب کیا اُس نے کرم
اُن کے فضلِ گل میں کیوں نشر نہیں کیا بہار
لے گئی نشر نگاہِ نازِ دل کا صبر بھی

۲۲

۱۶۲

میں نے سمجھا تھا اسے غافل، مگر غافل نہ تھی
اُٹھی ہے نظر اپنی نہ اُس در سے اُٹھ گئی
اُتوت سے بچنا، میں کے دیتا ہوں صیاد
بیدار پہ بیدار کئے جاتے ہو تم روز
بی طرح گری ہے تری فرقت میں طبیعت
کیا حال مرا ہو گا تری یاد میں ظالم
جب فرق نہ دونوں میں ہا کوئی نہایا
مرتی نہیں جب بوح تو پھر کئے کاغم کیا
باز آؤ نگاہِ خون کے دعوے میں اپنے
کیا جھکو خبر تھی کہ چڑھ گئی وہ ہی سر پہ

چلن کبھی خود جذبِ مقدر سے اُٹھ گئی
جب آہِ نفس میں دل مضطر سے اُٹھ گئی
سختی یہ کہنا تک دل مضطر سے اُٹھ گئی
اب خاک یہ تدبیر دو اگر سے اُٹھ گئی
جب ہو کہ سی سیرِ دل مضطر سے اُٹھ گئی
اب خاک جس میں میری تری در سے اُٹھ گئی
اک گھر میں چلی بائیں اک در سے اُٹھ گئی
تحجین کی صدا دامنِ محشر سے اُٹھ گئی
جو خاک مری پانوں کی ٹھوکر سے اُٹھ گئی

۱۶۳

بیداد تری کوئی اٹھائے تو میں جانوں

۱۰

اٹھیکے تو صرف اک دل نشر سے اٹھیکے

جب انکی یہ خوئے جفا جاییگی
 بھلا انکی خوئے جفا جاییگی!
 اب اگر کہاں یہ گھٹا جاییگی
 نہ کھلوا میں اعطہ ہماری زبان
 وہ آئیں گے بالیقہ جدم مری
 اب تک نہیں انتہائے وفا
 انھیں ہم بھلا دیں یہ ممکن نہیں
 وفا آئیگی آتے آتے انھیں
 میں خاموش جس روز ہو جاؤنگا
 ذرا دست رنگیں میں ساغر تو لو
 یہ سب نگی عشق بھی ہے عجب
 یہ ستیاں جو سن پر ہیں مری
 ذرا کھول دو زلف دیجہیں ہم
 ابھی تو شبِ حجب رہے اور ہم
 کروں کیوں میں ہرقت خوفِ اجل

تو دنیا تو از ن پر آجاییگی
 گئی جو نہ اب تک وہ کیا جاییگی
 مے ہی نصیبون چھا جاییگی
 کوئی بنے کدی تو چھا جاییگی
 تو منہ اپنا لیکر قضا جاییگی
 کہاں تک تمھاری جفا جاییگی
 بھلانے سے یاد اور آجاییگی
 یہ جاتے ہی جاتے جفا جاییگی
 نہ جانے کہاں تک صدا جاییگی
 گھٹا خود ہی گلشن پہ چھا جاییگی
 بگاڑیگی جس کو بسا جاییگی
 جہاں جاؤنگا میں گھٹا جاییگی
 کہاں تک یہ کالی گھٹا جاییگی
 نہ معلوم کب یہ بلا جاییگی
 بچونگا نہ آخر جب آجاییگی

نظر انکی نظروں سے ملتی رہے
 تو کیا وہ نہ آئیں گے اے شامِ ہجر؟
 کبھی تو مروت بھی آجائے گی
 تو کیا رانیکاں ہر دُعا جائے گی؟
 تجھی سے یہ نکلی تھی دُنیا کبھی
 تجھی میں یہ دُنیا سما جائے گی
 جب آئیگی نشر نظر انکی باد

۱۹

۱۶۴

مرے دل پہ نشر چلا جائے گی
 غضب بیت آنکھوں ڈوڑے گلابی
 ہوئی جاتی ہے ساری دُنیا شرابی
 فلک کی ہے پھر آن رنگت شہابی
 چلیں بوتلیں لیکے گھر سے شرابی
 خرابات سے پائیگی کیف دُنیا
 کہ تمہیدِ تعمیر ہے ہر خسرابی
 نہ میں نشی ہوں، نہ خالی نہ آبی
 عناصر کا پردہ اٹھا کر تو دیکھو
 حجابوں میں ہر کمر بھی یہ بے حجابی!
 تجھے ہر طرف جلوہ گرد دیکھتا ہوں
 ہمیں تو ہیں بے جام و بادہ شرابی
 تصویر میں ہیں مت آنکھیں کسی کی
 جو ہم ہیں شرابی، تو دُنیا شرابی
 جسے دیکھتے ایک ہی رنگ میں ہے
 نہیں ہے، نہ ہو، بزم میں باریابی
 تصور سلامت تخیل سلامت
 میں کس میکے کا ہوں و غلظت شرابی
 زبان روک اپنی خبر بھی ہے جھکو
 خسر و زحمت کو نہ کہنا شرابی
 میں توں چشم ساتی سے مدہوش و بخود
 نہیں پارسا، جو نہیں ہے شرابی
 مرانہ بہب عشق کہتا ہے و غلط
 جو کچھ آفتابی، تو کچھ ماہتابی
 یہ محبوب و برہم تمھاری نگاہیں

نُسا ہے بہار آگئی گلستاں میں
ذرا شرم، اے خام کارِ تمنا
مراد ہے منوں بہار ہی سمجھ میں
خدا جانے دل کو یہ کیا ہو گیا ہے
نہ کہہ انکی آنکھوں کو مست اُنکے آگے
ہر اک شاخ پر اک نیا ہے نشیمن
وہ دورِ جوانی، وہ مستی کا عالم
نہ بھولے گا وہ میرے ساتی کا کہنا
پھر آئی سکونِ خاطر کی خرابی
پتنگوں کو ہے بزم میں باریابی
جہانِ محبت، جہانِ خسرابی
ہوئی شام اور بڑھ چلی تشنہِ خوابی
شرابی کو کہتا ہے کوئی شرابی
چمن میں یہ کون آگیا افتلابی!
ہو ایں گللابی، گھٹا ایں شرابی
نہ چھڑو اسے، ہے یہ میرا شرابی

زمانہ جسے برق کہتا ہے نشر
وہ ہے درحقیقت مری تشنہ تابانی

۳۱

۱۶۵

نہیں ہوتا ہے زمانہ جو ہمارا، نہ سہی
ہم نے مانا نہ ملے گی ہمیں عقبت نہ سہی
دل کو تسکین دیے جاؤ وداوانہ سہی
حسن ہی کر کے دکھاؤ ہمیں تکمیلِ وفا
ضبط بھی تو ہے سکونِ لُٹھکا سبب
دورِ دور کے مرے دور کا دریا ہو گا
سیرِ طوفاں ہمیں کرنی ہو کہیں سے کر لیں
عالمِ عشق سلامت ہے، دُنیائے سہی
مُنہ سے کس طرح کہیں ساغر و مہبانہ سہی
الغاث ایک تبسم سے زیادہ نہ سہی
نہیں شایانِ وفا عشق تو اچھا نہ سہی
نہیں بتا ہے جواب آنکھ سے دریا نہ سہی
نہیں ملتا ہے اگر کوئی مسیحا نہ سہی
قعرِ دریا ہی سہی، ساحلِ دریا نہ سہی

بل ہی جانیگی کہیں کھواں بعد فنا
 آرزوؤں کو خدا میری سلامت کو
 خوں بہا ہے یہ نگاہوں کا پٹیا ہونا
 آؤ اس عالم نیک کی بھی سیریں
 میں نے تو دیکھ لیا بزم میں سب بارائیں
 زندگی کی دل مردہ میں ضرور ہی فقط
 پھر بھی اُسید کرم پر سے زندہ ہوں بھی
 ایک دن مجھ کو دکھا دیجے جلوہ اپنا
 ڈھونڈنے والیکو ملنا ترادشوار نہیں
 مشرق جلوہ سے آواز مجھی کو دیدو

وہ ہمارے ہیں، تو دنیا ہے ہماری نشر
 نہیں ہوتا جو کوئی اور ہمارا نہ سہی

۱۶۶

۱۸

ایک بار اعتبار، اور سہی
 دنگی اک یاد گار، اور سہی
 کچھ دنوں ہجر یاد اور سہی
 نیم بسمل چھوڑے قاتل
 آج کا انتظار، اور سہی
 ایک لوح مزار، اور سہی
 لذت انتظار، اور سہی
 ایک اچھا سا وار، اور سہی
 یہ فریب بہار اور سہی

لُطفِ دنیا کا خوب دیکھ لیا
ایک مِل درو کو ہے ناکافی
خالی از لطف تو خزاں بھی نہیں
چھوٹا ہے فقس جیبا کدن
خوگر انتظار کو پس مرگ
کچھ تو ہیں پھول میری تربت پ
میں ہمارے لئے تو دونوں یک
غم بھی منظور ہے جو آپ ملیں
شاید آجائے راہ پر کوئی
دردِ دل خوشگوار ہے یارب

لُطفِ زیرِ مزار اور سہی
ایک، پروردگار اور سہی
زنگِ فصلِ بہار اور سہی
نہ سہی یہ بہار اور سہی
حشر کا انتظار اور سہی
کچھ نسیم بہار اور سہی
اضطراب و قرار اور سہی
پھول کے ساتھ خار اور سہی
کچھ دنوں اشکبار اور سہی
اک دل بیتار اور سہی

تو نے نالے بہت کئے نشر

۱۶

آہ بے اختیار اور سہی

۱۶۷

سنانے کو سنا ہے انکو میری دہان کوئی
کہاں تک ہر گھڑی رکھے خیالِ ثیاں کوئی
گلتاں لکھ ہو، لیکن ہے وہ بھی گلتاں کوئی
نہ معنوں گلتاں کوئی، نہ محفوظ ثیاں کوئی
یہ ہر شانِ کرم، اے خالق کون مکاں کوئی

کہاں لایگا لیکن، محبت کی زباں کوئی
کہاں تک رات دن دیکھے نگاہِ باغیاں کوئی
نہ جسمیں ثیاں کوئی، نہ جھکا باغیاں کوئی
گذرے زندگی اپنی یہاں خر کہاں کوئی
کوئی ڈوبا ہوا عشرت میں مصروفِ فناں کوئی

میں دیکھوں پھر جو سن لے میری غم کی دہشتاں کوئی
 ہمارے حال پر کچھ روز سے ہے مہرباں کوئی
 پتہ دیتی ہے گردِ اٹھتی ہوئی راہِ محبت کی
 نہیں خوفِ جبِ یرو حرم پر آپ کا ملنا
 لپٹ کر خوب رو لیتا، یہی دل کی تمتا تھی
 گلی میں انکی جب ہم تھے، تو کیا کیا لطف کتے تھے
 چمن پر آفتیں آتیں، تو کچھ دن کو نکل جاتے
 نہ بھولے گا وہ آنسو جذب کرنا آستینوں میں
 میں اب لذتِ شناسِ نعمتِ نامہربانی ہوں
 نہیں ہے زندگی کی شکل کوئی جو رہیم سے
 ہمارے رفتہ اپنی یاد کر کے خوب روتے ہیں
 اسی کس طرح اظہارِ حال اُن پر کروں اپنا
 کہے جاتے ہیں اپنی، کہے جاتا ہوں میں اپنی
 نہیں کوئی جو محتاجِ کرم تیرا نہیں یارب
 نہ ہمت ہار ابدل جھیل سختیِ زندگانی کی
 ہماری دہشتاں کیا، ایک ہی قصہ ازل سے ہے
 یہ نکمیں شمعِ حزن سے دہکی ہوئی آنکھیں!

ملاؤ درد اگر تھوڑا سا اس میں قصہ خواں کوئی
 شگوفہ چھوٹنے والا ہے شاید آسمان کوئی
 ابھی اس راہ سے ہو کر گیا ہے کارواں کوئی
 تو کیوں بھٹکا پھرے آخر یہاں کوئی وہاں کوئی
 دکھا دیتا مجھے اکبار میرا اشیاں کوئی
 وہاں کیا اور تھے یارب زمینِ آسمان کوئی
 بیاباں بھی ضروری تھا، قریبِ گلستاں کوئی
 نظر آیا ادھر آتا ہوا مجھ کو جہاں کوئی
 نہ ہوا ب مہربانی کر کے مجھ پر مہرباں کوئی
 نئی صورت نکالے اب تو مرگِ ناگہاں کوئی
 نظر آتا ہے جب شاداب ہلو گلستاں کوئی
 ارادہ کرتے کرتے روک لیتا ہے زباں کوئی
 نہ اُن کا ہمزباں کوئی، نہ میرا ہمزباں کوئی
 نہ بالائے فلک کوئی، نہ زیرِ آسمان کوئی
 پس پردہ یہ تیرا لے رہا ہے امتحاں کوئی
 ہماری دہشتاں پڑھ لو، اٹھا لو دہشتاں کوئی
 بھر دیتا ہے میرے دل میں لاکھوں بجلیاں کوئی

مزد کوٹے ہو ہیں ہم کسی کے رنج پیہم کے
 دوئی کا جب اٹھا پردہ ہم اور وہ ایک ہی بھلے
 تمہارے غم کا فریادی ہو یا ملنے کا شائق ہو
 یہ میرا ہوش بھی لیلو کہ قصہ پاک ہو جائے
 کئے دیتا ہے ثابت نامناسب میرے شکوہ کو
 اسی اک خوف سے اک چھپا کر دلیں بیٹھا ہوں
 قیامت کے مرے ہیں ساکنان گور کو نشر

نہ لیں ہم، دے اگر ہم کو نشاط و جہاں کوئی
 ہمیں خود دریاں نکلے، نہ نکلا دریا کوئی
 ابھی دوڑا گیا ہے اُس طرف نالہ کتاں کوئی
 حجاب کیوں ہے میرے تھارے دریاں کوئی
 ذرا اُس شوخ کا دیکھتے تو یہ حین بیاں کوئی
 مبادا چین لے مجھ سے مراد و نہاں کوئی
 کوئی خوف زمیں ان کو، نہ خوف آسمان کوئی

جو میرے دل میں ہے نشر وہ ہی میری زباں پر ہے

۳۰

۱۶۸

نہیں جب راز ہی کوئی، تو کیوں ہو راز دل کوئی

بشر خیر چاہیں اگر اپنی اپنی
 جہاں میں ہے وہیں اہل اپنی اپنی
 غرض ہے جو تیرے اپنی اپنی
 انھیں مجھ سے نفرت، مجھ کو ان سے نفرت
 بُتِ ماہ و شب بے حجاب آ رہا ہے
 نظر تو وہ ہی ہے جو بکھوٹی ہے
 نگاہیں تری انقلابی ہیں، پھر بھی
 وہ بے خواب ہیں دہشتاں کتنے والے

خطاؤں پہ رکھیں نظر اپنی اپنی
 ہے اک منزل اور گھنڈا اپنی اپنی
 بکے جائیں بشر اپنی اپنی
 پند اپنی اپنی، نظر اپنی اپنی
 جھکالیں سارے نظر اپنی اپنی
 گر ہے نشاط نظر اپنی اپنی
 جگہ پر ہیں قلب جگہ اپنی اپنی
 کہیں داستان مختصر اپنی اپنی

یہ ہیں محو غفلت کہ بھولے ہوئے ہیں
 تجھے اُس نے دیکھا، جو اہل نظر تھا
 بہت کچھ سنانا تھا محشر میں اُنکو
 انہیں کی بدولت ہوساری خرابی
 بھرے باغ میں نغمہ سبجان گلشن
 نہ یہ مانتا ہے، نہ وہ مانتا ہے
 تھے جہان کی رات کے شمع و اجسم
 ہیں غارِ نگر ہوش جلو کسی کے
 تمام اہل دُنیا خبر اپنی اپنی
 لگائے رہے سب نظر اپنی اپنی
 پڑی تھی وہاں تو، مگر اپنی اپنی
 کرو خواہشیں مختصر اپنی اپنی
 سناتے ہیں شام و سحر اپنی اپنی
 ہیں فکر و غمیں قلب جگر اپنی اپنی
 کہ لی راہ وقتِ سحر اپنی اپنی
 ہٹالیں نہ دیدے نظر اپنی اپنی

وہ رخصت ہوئے اپنی محفل سے نشر

۱۷

سمیٹا کر میں سب نظر اپنی اپنی

۱۶۹

مصرفِ نظارہ ہے، بے منتِ مینائی
 اب اسکے سوا کیا ہے، ارمانِ تمنائی
 رونا ہے کبھی ہنسا، ہنسا ہے کبھی رونا
 کچھ نورِ محبت میں ابٹن بھی مر گزریں
 یا صبح و یا میں تھا، اور چاروں طرف خوشیاں
 پائے نہ تجھے کوئی، یہ ہو ہی نہیں سکتا
 جب چین لیا تو سب صبرِ شکیبِ دل
 خود ایک تماشا ہے، دُنیا کا تماشا
 بس تیرا تصور ہو، اور عالمِ تنہائی
 کیا دل سے کہیں اپنے سوائے ہو سوائے
 میں تیرا تماشا ہوں، تو میرا تماشا
 یا اب ہے خوشی محکو، یا مٹیِ تمنائی
 دراصل نہیں تیرا دُنیا میں تمنائی
 اُسے ہو سکھانے کو اب صبر و شکیبائی

آخر انھیں سو دانی، تم نے ہی بنایا ہے
 ہے عالم ہو ہر سو، ہر سمت ہے تو ہی تو
 کس وقت محبت میں رکھا تھا قدم ہنسنے
 کرنے کو خلافِ غم، اگر بیٹھے عا میں ہم
 جو بات ہے تیری وہ، دُنیا سے زالی ہے
 تو سمع ہوئی ٹھنڈی، پرانے کے جلتے ہی
 تنہائی میں پہلے تو تھیں غمیں لاکھوں
 ہو معتدل افسانہ، اسی جوش جنوں میرا
 جو بات ہو اب لکی، وہ تھی نہ کبھی پہلے
 اندیشہِ روائی، ہے دل کے لئے خطرہ
 مانگے سے کبھی خوشیاں، نادانیاں نہیں ملتیں
 لہذا کوئی رو کے کبخت تمنا میں
 گھر کر تری جلووں میں بیہوش نہ ہو جاؤں
 کیا واسطہ آہوں، نالوں سے غرض کیا ہے
 کیا حرجِ شرب میں تغیر ہوئی یا رب؟
 وہ عشق ترا ظالم، صداقت و صد محشر
 انساں ہے، نہ دُنیا ہے، سب تیرا ہی جلوہ

تم تو نہ کو منہ سے عشاق کو "سو دانی"
 تاروں بھری راتیں ہیں اور تیرا تماشائی
 جو راہ کبھی سوچی، وہ راہ نہ اس آئی
 غالب ہے مگر ہر دم، اب حجب پذیرائی
 دھونڈو سے نہیں ملتا، ہی کہنے کو ہر جانی
 کس کام جفا آئی، کس کام وفا آئی
 اب جنہوں میں ہے کیفیتِ تنہائی
 کچھ سیر گلستاں ہو، کچھ باد یہ پیمانی
 جب تک نہ تری غم سے، تھی دلی شناسائی
 ہے موجبِ رسوائی، اندیشہِ رسوائی
 حشر ہے خوشی کی تو، اگر غم سے شناسائی
 چھینے لئے جاتی ہیں، مجھ کو مری تنہائی
 آنکھوں کو عطا کرے، سرمایہِ بینائی
 کہنے سے ہیں مطلب، ہو یا نہ موشنوائی
 پھر میری تڑپ میں ہے اندازِ ٹیکائی
 وہ حاصلِ بدنامی، اکافر میری رسوائی
 تجھ کو لئے پھرتی ہے، تیری ہی خود لائی

تہائی محض میں کیوں قی کروں نشر تہائی مجھے محض، محض مجھے تہائی

ہے جلوہ گہ عالم، کیا خوب جگہ نشر
ہر شخص تماشا ہے، ہر شخص تماشا ئی

۲۶

۱۶۰

آج کافر نے وہ نظر ڈالی
تجھ پہ جس شخص نے نظر ڈالی
موسم گل کا جشنِ دھوم سے ہے
الاماں وہ نگاہِ یاس مری
جان میری نکال لی تم نے
وہ چمن چھوڑنے کا منظر ہائے
جب اُسے دیکھنا ہو مقصود
ہم سے دُنیا سے واسطہ کیا تھا
تھی خطا دل کی ہمیں رہنمائی
مجھ کو الزامِ عشق دیتے ہو
دل ہرا ہو گیا قفس میں بھی
بعدِ رخصت وہ بھولتی ہی نہیں
لے لیا اُس نے میرا صبر و قرار
کھل گئی سب حقیقتِ دُنیا
دل کی دُنیا تباہ کر ڈالی
پھر کسی پر نہ بھول کر ڈالی
پیش کرتا ہے ہر شیخ ”ڈالی“
وقتِ رخصت جو باغ پر ڈالی
چلتے چلتے جو اک نظر ڈالی
اشیاں بن گئی تھی ہر ڈالی
بند کی آنکھ اور نظر ڈالی
ہم پہ دُنیا نے کیوں نظر ڈالی
بات کئی، ہمارے سر ڈالی
کس نے بنیادِ پشتِ ڈالی؟
اپنی ”ڈالی“ پہ جب نظر ڈالی
تو نے مُڑ مُڑ کے جو نظر ڈالی
اور کہنے کو اک نظر ڈالی
ہم نے دُنیا پہ جب نظر ڈالی

ڈالیاں تھیں ہزار ہا، امحرق
وعدہ شام کر کے ظالم،
میری ڈالی پہ کیوں نظر ڈالی
وہ عمارت نہ پاسکی تکمیل
نہیں تو نے حسرت ام کر ڈالی
غم کی بھر مار جب ہوئی دلیر

میں نے سوچا کبھی نہ اسے نشر

۱۹

۱۶۱

بات جو دل میں آئی، کر ڈالی

جو حالت ہے میری، تری ہو ہو تھی
محبت میں کیا صورت جستجو تھی
میری آرزو جب تری آرزو تھی
نکالی نہ تو نے، مگر درحقیقت
کد دل اک طرف تھا، نظر چارو تھی
تمہارا تصور تھا، یا تم، شب غم
میری آرزو ہی تری آرزو تھی
تری یاد میں صرف کرتے، جو ملتی
کسی سے میری رات بھر گفتگو تھی
جہاں تو نے لی راہ، اسی موسم گل
ہمیں عمر رفتہ کی پھر آرزو تھی
نکالا نہ اس کو کبھی تم نے دل سے
نہ کیونہیں نہت نہ پھول نہیں ہو تھی
وہ آئے تو یہ ہو گیا حال دل کا
میری آرزو بھی کوئی آرزو تھی
ہنسی آرہی ہے مجھے اس خودی پر
نہ کوئی تمنا نہ کچھ آرزو تھی
جسے آرزو اپنی سمجھا میں ہر دم
مرے پاس تم تھے، مگر جستجو تھی
فریب تمنا کھلا مجھ پہ جس دم
حقیقت میں تیری ہی آرزو تھی
تمنا تھی پھر کچھ، نہ کچھ آرزو تھی

یوں ہی کٹ گئی رفتہ رفتہ ہماری
 نکلنے کو نکلیں تمام آرزوئیں
 مٹا کر مری آرزو، مار ڈالا
 مری آرزوؤں کو ٹھکانے والے
 یوں ہی کٹ گئی راہِ اُلفت میں بنی
 کبھی اُن کی محفل سے یہ واسطہ تھا
 سربطِ نکلی جو موسیٰ کے دل سے
 نہ کہتا تھا کچھ، اور کہتا تھا سب کچھ
 ابھی تک دن محکوم بھولے نہیں ہیں
 گئے اے اُمیداب کہاں مرے دن
 محبت کی میری نمازیں بھی کیا تھیں

وہ تھے یا نہ تھے میرے پہلو میں نشتر

۲۳

۱۶۲

مگر اُن سے ہر دم مری گفتگو تھی

خستہ دل ہوئی مقبول جو دیوانوں کی
 بھیر ہفت ہی دلیں مرے، اداؤں کی
 ہے جو کچھ دن یہی حالت تری دیوانوں کی
 فکر محفل میں کسی کو نہیں پروا ان کی

آئینوں نے بھی کی نقل گریبانوں کی
 یورشل سے گھر پڑا ہی ہے مہانوں کی
 آئین کی ہے، نہ ہے خیر گریبانوں کی
 صفت میں جان گئی سوختہ سامانوں کی

یوں پہونچنا نہیں ممکن مرا بچانے تک
 اُنکے وعدے یقین ہے جو دلِ ناداں کو
 کچھ تو دیکھا ہے، جو میں اہ میں لکھا اچھ
 اور ہی رنگِ طبیعت نظر آیا مجھ کو
 اے جنوں تو بھی ہوتا تو گندِ مشکل تھی
 بحث کیا خاک کرو حضرت عطر سے کوئی
 اپنی استغموں سے پلائیے جگرِ حنہ
 مصلِ حن کی باقی ہے فقط یادِ تہی
 آج دُنیا نہیں سنتی ہے تو نشر نہ سنے

۱۳

۱۴۳

ایک دن قدر کر گئی مرے افسانوں کی
 عمر کی کوئی گھڑی یاد سے خالی نہ گئی
 کیا ضرورت تھی بلانے کی سہِ طورِ آخر
 پوری ہو سکتی تھی تعمیرِ محبت کیونکر
 بیچ ہو کر بھی سمجھتا ہوں کہ میں سب کچھ ہوں
 آپکے دید کا ارمان تھا کب سے دلیں
 جان ہم نذرِ قضا کرتے، یہ مشکل تھا مگر
 کیا مزیدِ محبت کی تھی اپنی یہ سکت
 میر دل سے تری تصویر خیالی نہ گئی
 ایک حسرت بھی تو موسیٰ کی نکالی نہ گئی
 ایک انداز سے بنیاد ہی ڈالی نہ گئی
 آدمی کی یہ کبھی خام خیالی نہ گئی
 وقت آیا تو نظر آپ پہ ڈالی نہ گئی
 خواہشِ دوست و مجبور تھی، مالی نہ گئی
 ہار کی بار ہوئی، ہاتھ سو پالی نہ گئی

یہ غلط ہے کہ ہمیں طاقت دیدار نہ تھی
جب میں بیتاب ہوا اُن کیلئے، وہ آئے
کوئی بات نہ سننی پڑی مجھ کو بے غدر
باغباں یوں تو سمجھتا تھا چمن کو اپنا
غدر کرتے نہ بنی آج انھیں بھی آخر
یاو ایام، تھے جب پنو چمن میں ڈیرے
کیا خبر دل پہ اثر وقت اسیری کیا تھا
جھوٹا وعدہ ہی سہی، قول تو ظالم نے دیا
قتل مظلوم کو اسے چرخ زمانہ گذرا
یا دیکھا کر کے ہم اب ہجر کی راتیں کاٹیں؟
یوں تو ہر سمت کو گلشن میں گھٹائیں اٹھیں
دامنی ہجر سے پیچھا نہ چھا آخر تک
میں ہوں محرومی قسمت کا گنہگار، مگر
ریج و غم کی بہن تکلیف ہی تا دم مرگ

ہم سے خود حسرت دیدار نکالی نہ گئی
دل سے جب آہ نکالی، کبھی خالی نہ گئی
میری کینات میں ک شاخ نکالی نہ گئی
جب گیا باغ سے ساتھ ایک بھی لی نہ گئی
دل بھرا آیا تو مری بات بھی خالی نہ گئی
جو گھٹا باغ پہ آئی، کبھی خالی نہ گئی
آخری ایک نظر باغ پہ ڈالی نہ گئی
میں تو خوش بن ہو، مری بات خالی نہ گئی
تیرے دم میں مگر خون کی لالی نہ گئی
اک نظر آپ چلتے ہوئے ڈالی نہ گئی
دل سے لیکن جو سابر شمالی نہ گئی
کو ششوں سے بھی بلا ہم سڑیا لی نہ گئی
آپ سے بھی تو کوئی راہ نکالی نہ گئی
چونکہ تکلیف ہماری تھی خیالی نہ گئی

ہے وہ ہی آدمی، جیسا ہے اُسی نشر

ہاتھ سے جس کے کبھی ہمتِ عالی نہ گئی
یوں بھی کچھ روز محبت میں بسر ہو جاتی
میری بے چینیوں کی اُن کو خبر ہو جاتی

میری جانجی تری ایک نظر ہو جاتی
مقاضی میں یادہ کا نہیں تھاے ضبط
یوں تو دیدار میسر نہ ہوا اور نہ ہو
کاش اس درجہ محبت میں اثر ہو جاتا
پھر تجھ میں تجھے اور جواں کو تری
صبحی دم گرم خبر ہے کہ وہ آئیں گے ضرور
ہو گئی میں جگر کی مرے کچھ کم ورنہ
دیکھنے والے زمانے کے امری بھی سنتا
کیوں تری بزم سے ناکام ملنے ہم، اگر
تھی جو قسمت میں شب غم تو یہی ہو جاتا
تیرے وعدہ کا یقین تو مرے دکھ کو تھا ضرور
لوٹتی بادِ سحر انکی گلی سے جدم
بچ گیا عاشق ناشاد شب ہجر ضرور
کون پاداشِ گنہ سے تھا چانیوالا
آبرو و عرصہ محشر میں مری رہ جاتی
ہے یقین پھر دو کبھی ظلم نہ مجھ پر کرتے
یاد نے تیری جگایا مجھے شب بھر ظالم

شب تاریک بھی ہمزگ سحر ہو جاتی
چار آنسو مجھے ملتے تو بس ہو جاتی
کچھ بلند اور یہ کمبخت نظر ہو جاتی
کچھ نہ کہتا میں انھیں میری خبر ہو جاتی
یہ میری آہ، جو مانوس اثر ہو جاتی
آج کی رات کسی طرح بسر ہو جاتی
اور بڑھتی تو یہی دردِ جگر ہو جاتی
میری جانب بھی کسی روز نظر ہو جاتی
وقت دید بہ اندازِ نظر ہو جاتی
جب میں گھبراتا اسی وقت سحر ہو جاتی
اور اچھا تھا جو تائیدِ نظر ہو جاتی
کیا بُرا تھا، جو گھڑی بھر کو ادھر ہو جاتی
ورنہ اب تک تو زمانے میں خبر ہو جاتی
انکی رحمت نہ اگر سینہ سپر ہو جاتی
مہربانی جو تری دیدہ تر ہو جاتی
میرے دل کی انھیں لے کاش خبر ہو جاتی
دو گھڑی اور نہ آتی تو سحر ہو جاتی

بچ نہ سکتا تھا مریض غمِ فرقتِ نشتر
ٹیس اگر قلب کی ہمرنگ جگر ہو جاتی

۱۷۵

۱۹

لکھ دے تحریرِ پانی کوئی تحریرِ نی
روز تکلیف ہیں تیری ہے تقدیرِ نی
رحمت حق مجھے دامن میں لیگی کیونکر
مسجدِ و خانہ خمار میں کیا نسبتِ شیخ
قید ہو کب رہا کر بھی کہیں اے صیاد
ایک بار اور ترے ملنے کی کوشش کرتے
دل کی تخلیق کے ہمراہ ہوئی ہے کندہ
آبد موسم گل سن کے ہمیشہ صیاد
خنگی ہو جو مرے کی تو مزہ آئے نیا
خواہشِ حال کبھی، خواہشِ اضنی کبھی
خواہشِ مثنیٰ تھیں سب میں فنا کر ڈالیں
روزِ مٹ مٹ کے ابھرتی ہو تمنا دلیں
تازہ کر لیتا ہو بھولی ہوئی خواہشِ پنی
روزِ اک دلیں تمنا مجھے پیدا کرنی
روزِ گذری ہوئی افسانہ کو کبیا کر کے

کر دے تقدیرِ مری کا تب تقدیرِ نی
قصد ہے روز کریں ہم کوئی تدبیرِ نی
ایک میں نے ہی تو کچھ کی نہیں تقصیرِ نی
میری تعمیرِ پرانی تری تعمیرِ نی
ہو گئی کتنی پرانی، مری زنجیرِ نی
ہمیں تقدیر سے بجاتی جو لغتِ دیرِ نی
پردہ دل پہ نہیں ہے تری تصویرِ نی
ڈال دیتا ہے مرے پاؤں میں زنجیرِ نی
آج ممکن ہو تو ایدل کوئی تقصیرِ نی!
کبھی زنجیرِ پرانی، کبھی زنجیرِ نی
اب غایت ہو مرے واسطے زنجیرِ نی
وہ ہی زنجیرِ پرانی، وہ ہی زنجیرِ نی
کہنہ زنجیر بھی ہو جاتی ہے زنجیرِ نی
روزِ دانستہ پہننی مجھے زنجیرِ نی
ٹوٹی کر یوں سے بنالیتا ہوں زنجیرِ نی

عقل کو دخل نہ دے چھوڑا پر سب کچھ عقل تیار کیا کرتی ہے زنجیر نی
 ہو گیا ظلم میں کچھ اور اضافہ ^{نشر}
 یہ دعاؤں نے دکھائی مری تائید نی ۱۶۶

کیا جان کا مال، بلا سے نکل گئی
 آئی ہبا باغ کی رنگت بدل گئی
 کیوں میرا گل پہ گلے پڑ گئے مرے
 توبہ کیواسطے کہیں وہ غلط نہ پھر
 رو داد عشق اب مری ستا ہی کون ہے
 ہی نہیں میں کی جھوک بھی ظالم غصہ کی
 تھی پاباں جو کل سے مری آؤ آتشیں
 اچو بوا ہوس، ہوس کی یہ مینوں چھوڑ
 فصل خزاں کی توبہ بھی توبہ تھی وہ غلط
 بیتی ہزار بار کی کتا ہوں تجھ سے میں
 اب لذت اسیری زنداں نہ پوچھے
 سوار زو میں ساتھ میں تھی لیکے روح
 سب جانتے ہیں موت یقینی ہے ایک دن
 کیوں مینوالے کے لئے ماتم کرے کوئی
 آئی بکام زلیت، بکام اجل گئی
 ہر برگ سبز ہو گیا، ہر شاخ پھل گئی
 اک بات تھی نکل گئی منہ سے نکل گئی
 اس وقت تو خدا کی عنایت سے مل گئی
 ہاں بزم ناز میں کبھی بات چل گئی
 اب بھی ہے منہ کھلا ہوا، دنیا نکل گئی
 کترا کے آج باغ سے بجلی نکل گئی
 ہونے کو صبح آگئی، اب بات ڈھل گئی
 ہم کیا کریں ہبا میں نیت بدل گئی
 جب تو بدل گیا مری دنیا بدل گئی
 اک کھانس بھی رہائی کی وہ بھی نکل گئی
 سوار زو میں ساتھ میں لیکر نکل گئی
 پھر بھی جب اسکا ذکر چلا جان نکل گئی
 کیا کم ہے یہ کہ موت کی حسرت نکل گئی

آہی گئے وہ پوچھنے بہیں سب کو اپنا سامنہ لئے ہوئے آخر اجل گئی

ہونچے مزار میں تو قیامت کے خوف سے

۱۶

نشر زمین پانوں تلے سے نکل گئی

۱۷

ورنہ ہر تصویر دنیا میں، تری تصویر تھی
چاہتے تھے جس سے ہم بچا، وہ ہی تقدیر تھی
ایک میں تھا، ایک میری خاطر دلگیر تھی
وہ تو بہیں رحمت کی بڑی تقدیر تھی
اور زنجیریں تو تھیں ہی، یہ بڑی زنجیر تھی
کوئی زنداں تھا، نہ کچھ پابندی زنجیر تھی
ہم نہ تھے لیکن ہماری خاک دامگیر تھی
میری آزادی بھی میری جان کو زنجیر تھی
کچھ مری تصویر تھی، کچھ آنکھ کی تصویر تھی
بد نصیبی زندگی میں مانع تصویر تھی
با اثر نالے بھی تھے، آہونیں بھی تاثیر تھی
ورنہ کیوں ہر دم طبیعت مائل تصویر تھی
ایک دن وہ تھا کہ خاموشی مری تقریر تھی
ہم نے جو تدبیر کی، وہ تابع تقدیر تھی

کیوں دیکھا میں نے جھکوا، یہ مری تصویر تھی
ہجر کا باعث ہماری وصل کی تدبیر تھی
کاٹنے والے شبِ آلام کے دوہی تو تھے
کس کو یہ اُمید تھی، وہ وقت پر آجائینگے
لذتِ قیدِ نفس نے عمر بھر رکھا اسیر
قید تھی بھی عجب اک قید تھی انسان کو
زندگی بھر جو نہ آئے تھے، وہ آئے قبر پر
راہِ دن اس کے بچانے کی رہا کرتی تھی فکر
دونوں ہی ناکامی نظارہ کے تھے ذمہ دار
عمرِ محشر میں مجھ پر جا کے یہ عقدہ کھلا
کیا ہو کر وہ دن محبت کے مرے جذبِ عشق
تیری رحمت کا یقیناً کچھ اشارہ اس میں تھا
ابا مری تقریر رکھتی ہے، خاموشی کا اثر
جب کبھی تقدیر بگڑی، کچھ نہ ہم سن پڑی

از کجای جرم سے پہلے، یہ ہی پیدا ہوئی
 میں اسیر اور پھر اسیر لذتِ قیدِ نفس
 میں شبِ غم بسترِ غم پر کہاں تھا ہنسیں
 موت میں ستونِ نکلی اک حیاتِ متقل
 کون پابند ہو اس قیدِ ہستی میں تھا
 پار ہونا چاہئے تھا، ولیں چھو کر رہ گیا
 مار ڈالا لذتِ قیدِ نفس نے کیا کہیں
 جنتِ دل نے جو چھوڑا بھی تو دودن کے لئے
 ایک کے بس میں نہ تھا جو قید کر لیا مجھے
 میں تمھاری قید میں تھا مجھ کو کیسی باز پرس
 رحمتِ حق سے کہو کیوں موڑتی ہو مجھ کو منہ
 مرگ عاشق کا نہ ہو ماتم، یہ ممکن ہی نہیں
 کیوں نہ کرتا میں محبت آپ ہی نہایتے
 دیکھتا اگر شبِ فرقت کوئی نقشہ مرا
 جراتِ عشق آپ نے اپنی جفا پر ٹال دی
 فطرت پر وانہ انکی موت کی باعث ہوئی
 فی زمانہ منزلِ مقصود ملتی ہے کے

خواہشِ تقصیر گویا، مادرِ تقدیر تھی
 یعنی پابندی مری، زنجیر در زنجیر تھی
 وہ تو گویا انتظارِ بار کی تصویر تھی
 خواب اچھی ہائے خواب کی تبصر تھی
 ساری دنیا قید تھی اور ایک ہی زنجیر تھی
 تھی خطائے دل نہ جانے، یا خطائے تیر تھی
 ورنہ یہ زنجیر باز جیسے میں زنجیر تھی
 چار دن میں پھر وہی ہم تھے، وہ ہی زنجیر تھی
 آرزوئے قید بھی تو تھی، جہاں زنجیر تھی
 یہ بھی تو سوچو کہ میرے ہاتھ میں تقصیر تھی؟
 آرزوئے جرم بھی تو آخر اک تقصیر تھی
 نفس پروانہ بہ آخر شمع بھی دلیکس تھی
 جب محبت آپ کی وابستہ تقدیر تھی
 دل جہاں تھا اس جگہ حسرت کی اک تصویر تھی
 کس قدر تھوڑی سزا، کتنی بڑی تقصیر تھی
 شمع کی اسیں خطا کیا، شمع بے تقصیر تھی
 ملگنی شترِ مجھے، تیری بڑی تقدیر تھی

حضرت نشتر عجب حالت میں کل دیکھے گئے

۱۴۸

۳۲

آنکھ میں آنسو بھر کے تھے، ہاتھ میں تصویر تھی

لاکھ نشتر میں رہا نا کامیاب عاشقی
 عشق کہتے ہیں کسے، اسکا پتہ کسوں نہیں
 ہم وفا کو اور جفا کو جانتے ہیں تقدّر
 تو خواب عشق پر بنتا ہے کیوں دلوں کو اس
 کسل عاشق کو نہیں ہوتا وہ ہی جو اسکا کسل
 ہر وفا پر تو نے میری، سو جانیں گے کہیں
 جسے ڈرتا ہے زمانہ، جسکو سب کہتی ہیں موت
 طور کی تعبیر کا ہم پر اثر کچھ بھی نہیں
 کیا خبر ہو کہ دنیا جا رہی ہے کس طرف
 وہ نمایاں تو یہ بھی نرم زون میں بھیجاں
 عشق فحشت کا مہر ہے لے لے ناواں ہی
 جو ہر پاس سر پہ تھا، اب ہو آنکے پاس
 ہیں کہیں نالے، کہیں فریاد ہو، آہیں کہیں

۱۴۹

عرصہ محشر میں نشتر ایک بل چل بیٹھ گئی

حشر میں جس وقت میں پہونچا خراب عاشقی

۱۴۹

کر لے جو کرنا ہے، جتیک گلتاں ہے زندگی
 زندگی اُنکے لئے نشر کہاں ہے زندگی
 دل ہوا گرمی سے خالی، پھر کہاں ہے زندگی
 عشق خود ہے زندگی، عاشق فنا کی طرح ہو
 موت سے بچنا ہے تو ہو واصل ذاتِ خدا
 موت میں مضمحل اگر ہے زندگی مستقل
 موت انسان کو گھڑی بھر بھی نہ زندہ چھوٹی
 زندگی وہ ہے جو تیری یاد میں تھ جائے صر
 دیکھتا اسکو کوئی جب تھی نہ مانوس فراق
 میں سمجھتا ہوں کہ ہے اسکی روانی وجہ موت
 ایک وہ ہیں چھپے گلشن میں ہیں جنکو نصیب
 عاشقوں کی زندگی اور موت ہو سب سے جدا
 دستانِ زندگی اپنی کسی سے کیا کہے
 دیکھئے جس کو لئے پھرنا ہے اپنے ساتھ موت
 آدمی کی زندگی کا ٹھیک اک ساعت نہیں
 زندگی بھی زندگی کوئی ہے ہجر یار میں
 وصل ہے اسکا کبھی تمت کبھی قرت نصیب

ایک دن آخر تو بربادِ خنراں ہے زندگی
 موت ہے جنکو سکوں، دردناں ہے زندگی
 آگ سے اپنی الگ ہو کر دھواں ہے زندگی
 موت کا قابو کہاں جب دیاں ہے زندگی
 موت میں بھی ویرا غافل نہاں ہے زندگی
 موت کہتے ہیں جسے وہ بیگماں ہے زندگی
 وہ تو یہ کہنے کہ ہر دم پاسباں ہے زندگی
 دوسری صوت میں ناہے، کہاں ہے زندگی
 زندگی جو زندگی تھی، اب کہاں ہے زندگی
 لوگ کہتے ہیں کہ یہ عمر رواں ہے زندگی
 ایک ہم ہیں قید میں صرف فناں ہے زندگی
 موت ان کو کوئی خاموشی، فناں ہے زندگی
 جو سمجھتا ہے کہ خود اک داستاں ہے زندگی
 موت کا اک چلنا پھرنا کارواں ہے زندگی
 جو سمجھتا ہے کہ میری جا وداں ہے زندگی
 لاکھ میں کہنے کو یوں کہو کہ ہاں ہے زندگی
 فصل گل ہے زندگی، فصلِ خزاں ہے زندگی

موت سے پہلے خزاں کا خوف ہے ہر دم اسے
موت میں اور زندگی میں فرق اتنا ہی تو ہے
جسم مٹی ہے اگر اس میں نمودِ جاں نہ ہو
موت میں اور زندگی میں فرق کرنا ہے فضول
شام ہستی دیکھئے، روزِ ازل کو دیکھئے
زندگی ہی کی طرف تہنا نہ رکھ اپنی نظر

جب محبت تھی کسی سے زندگی کا لطف تھا

۲۴

اب ہماری زندگی نشر کہاں ہے زندگی

۱۸۰

دیکھو کسی دن آکے دلِ داغدار بھی
کیفیتِ الم بھی، فریبِ تار بھی
دنیا میں رُخِ رنج و الم سے گریز کیا
آنا بھی اُنکا قہر نہ آنا بھی اُنکا قہر
اُسے تو تونے کان میں اُس کے کہدیا
وہ پھول کون قبر پر آکر چڑھا گیا
بھولیں نہ لے بہار تری گلشنیاں
وہ میرے پاس بیٹھے ہیں مجھ سے کچھ ہوئے
اُس نگدل کا عشق جو دینا تھا لے خدا

اس لالہ زار میں ہے خزاں بھی بہا بھی
کیا چیز ہے خدا کی قسم انتظار بھی
پھولوں کے ساتھ ہوتے ہیں سستہ خار بھی
اُسے تو لے گئے مرا صبر و قرار بھی
اب ہے سکوں پذیر دل بقرار بھی
پھولی نہیں ساقی زمین مزار بھی
کونے میں اک طرف ہے ہمارا مزار بھی
یعنی مینا مراد بھی ہوں کا نگار بھی
دینا تھا اپنے دل پہ مجھے اختیار بھی

اس تیری خاک را نوازی کا شکریہ
 شکوہ یہی ہے عشرتِ شام وصال سے
 ہر شرمسار کو نہیں جوتی کبھی نصیب
 اُس چشمِ مست ناز کے قربان جاے
 اے دل شبِ صال پر اترنا استعداد
 آتی ہے اس کے بعد شبِ انتظار بھی
 رونا خزاں کو مجھ کے نشرِ فضول ہے

۱۸۱ آئیگی پھر حمن میں کسیدن بہار بھی ۱۵

دو ہاتھ چل کے قاتلِ بسل میں رہ گئی
 مجھ کو نکال کر کبھی سوچا بھی آپے
 کیا میری دلیں رہ گئی مجھ سے نہ پوچھے
 اوی جذبِ شوق اور لئے چل یونہی مجھے
 قاتل کبھی خیال اُدھر بھی ترا گیا
 اے پاس ضبط تو نے بچا یا ہے بارہا
 دیکھیں طریقِ عشق میں تیا ہر ساگون
 وہ اور مجھ کو پوچھے کچھ اے نگاہِ یاس
 دل لیکے اُنکی بزم سے کیونکر میں لوٹنا
 بسل کی چشمِ یاس نے کچھ کمد یا ضرور
 امید دلی دو نوں طرف دلیں رہ گئی
 کیا بات جب آپکی محفل میں رہ گئی
 جو دلیں رہ گئی وہ سر دلیں رہ گئی
 اب کیا بڑی کسری منزل میں رہ گئی
 تصویر تیری دیدہ بسل میں رہ گئی
 دل سے شکایت اُسکے مرد دلیں رہ گئی
 شمعِ خرد تو پہلی ہی منزل میں رہ گئی
 تیرے سبب آبرو محفل میں رہ گئی
 محفل کی اُنکی چیز تھی محفل میں رہ گئی
 تلوار کا پ کر کفِ قاتل میں رہ گئی

بھٹی بھری نگاہ، دم قتل بہر طرف
پھر جذب ہو کے چہرہ قاتل میں رہ گئی
لاکھوں حسین آپ سے اُس نے بنائے
تصویر آپ کی جو مرے دل میں رہ گئی
اتنی ہی یاد ہے غلشِ عشق کی مجھے
بھٹی کسی کے دلے مرے دل میں رہ گئی

کتنی ہی اپنے دل کی کہوں شتران سو میں

۱۴

۱۸۲

پھر بھی یہ دیکھتا ہوں، بہت دل میں رہ گئی
کمالِ عجز کا ارکان ہی نہیں باقی
کہ ہونگے سجدہ ہزاروں ہے جس میں باقی
یہ سب مٹیں گے رہو گے فقط تھیں باقی
بس ایک میں توں کہ میرا دلِ حریفِ باقی
ہے اک یہ اور ابھی ماہِ آتیش باقی
ابھی ہے دلیں مچا آہ آتیش باقی
جو دلیں نہیں باقی تو کچھ نہیں باقی
ہمارا رفتہ کے کچھ چاک آتیش باقی
کہ اب قرار کہیں نام کو نہیں باقی
گس رہی ہے جتنک کہ انگلیں باقی
یہ ہی بہت ہے جو رجائے آتیش باقی
ہنوز ہے وہ ہی بیانی جس میں باقی
نہ لطفِ سجدہ وہ اب ہو نہ وہ جس میں باقی

فلک رہیگا نہ باقی، نہ یہ زمیں باقی
نہ دوست ہے کوئی باقی نہ ہنیش باقی
خود می بھی جا تو سمجھوں کہ مٹ گئے دشمن
نہ مطمئن مری خاموشیوں سے ہو دنیا
تم سے وصال کی خواہش نہ ہو کبھی پوری
ہیں ہمارا گذشتہ دلا ہے ہن یاد
یہ رفتہ رفتہ ہوا دلیں قحطِ صبر و سکون
ہوش جایگی انسان کی زندگی میں کبھی
کہاں کی جیب کسے فکر ہے گریباں کی
تمام عمر ہی صرف سجدہ دریا
کسی کے عشق میں کیا اور ہو گئی تھی جس

جو تو نے مجھ سے محبت نہ کی تو اے بے مہر
میں بنا ہوں محبت کہیں نہیں باقی
کرونگا نذر جنوں فصل گل میں کیا ایک
نہ جیب ہے، نہ گریباں، نہ آستیں باقی
یہی جو زورِ طبیعت ہے کچھ دنوں نشتر
نہ رہنے دیگا کوئی شر کی زمیں باقی
خدا کے لطف و کرم کا ہے شر کے نشتر

۱۵

۱۸۳

ہمارے دل میں کوئی آرزو نہیں باقی
جو معتقدِ پیرِ خرابات نہ ہوگی
کچھ اور بلا ہوگی، مری ذات نہ ہوگی
کیوں ہجر میں ہو جان کے در پہ دل مضطرب
پھر شام نہ ہوگی کبھی یارات نہ ہوگی
بھولا ہونے بھولے گا وہ طولِ شبِ فرقت
معلوم یہ ہوتا تھا کہ اب رات نہ ہوگی
تاعمرِ جوانی نہ پیلگی دلِ ناداں
اک روز وہ آئیگا کہ یہ رات نہ ہوگی
کب درجہائی کی مے صبح ہوئی تھی
کیا دن ہی رہیگا کبھی اب رات نہ ہوگی
دُنیا میں کوئی کام وہ کر ہی نہ سیکے گا
جس شخص سے پابندیِ اوقات نہ ہوگی
اُس شخص سے اس رات کی کیفیتیں پوچھو
دُنیا میں جسے لوٹ کے پھر رات نہ ہوگی
جب بیٹھ گئے پینے نہ خم کر دے خالی
میںو سنی کبھی ہم سے بذوات نہ ہوگی
نشتر وہ زمانہ ہے کہ دیکھے گا نہ کوئی
جب تک کہ ترے شعر میں کچھ با نہ ہوگی

نشتر مری دُنیا کے محبت سے زیادہ

۱۰

۱۸۴

دُنیا کوئی وابستہ اوقات نہ ہوگی

اُتھی کیا وہ ظالم مجھ پہ ہوگا مہرباں پھر بھی
کیدنِ یل ویرانہ ہوگا گلستاں پھر بھی؟

ابھی منڈلا رہی ہیں گلتاں پر بجلیاں پھر بھی
 فغاں کی جنگو عادت ہو کر گئے وہ فغاں پھر بھی
 کہے جاتے ہیں اپنے آئیاں کو رشتیاں پھر بھی
 روا ہیں راہ میں تیری ہزاروں رواں پھر بھی
 محبت میں ضروری ہے گراک راز داں پھر بھی
 بہت آرام ہے انساں کو زیرِ آسماں پھر بھی
 کہے جاتی ہے دُنیا اعتبارِ گلتاں پھر بھی
 بہت کچھ پُراثر ہوتی ہے آہ عاشقاں پھر بھی
 ہمیشہ دیکھتا رہتا ہوں خوابِ آئیاں پھر بھی
 زمیں پھر بھی زمین ہے آسماں ہی آسماں پھر بھی
 ہزاروں امتحاں پر ہوئے ہیں امتحاں پھر بھی
 بہت کھلتا ہے انسان کو فراقِ جسمِ جاں پھر بھی

جلا کر خاک کر ڈالا مگر سیری نہیں ہوتی
 ہزار اُن کو تسلی دو، ہزار اُن کو تسنی دو
 ہزاروں طرح کے ٹکٹوں میں ہوتی ہے سیر لیکن
 شکارِ یاس ہوتے ہیں، ہزاروں روز لٹتے ہیں
 یہ مانا رازِ دل باہر نہ ہونا چاہئے دل سے
 ہزاروں طرح کی تکلیف صبح و شام ہوتی ہے
 گھڑی میں اسکی کچھ ماہ گھڑی میں اسکی کچھ ماہ
 ہزار اس کو کہے دُنیا کہ ہے تاثیر سے خالی
 فقس میں ہوں، رہائی تحمل ہو، پرستہ میں
 ہمیں پہنچا دیا دونوں نے ان ہاڑوں محبت میں
 ہزاروں ہو چکے ہیں امتحاں پر امتحاں میرے
 فراقِ جسمِ وجاں ہونا بھرتا ہے کہ لازم ہے

یہ مانا شعر میں تخیل لازم ہے مگر شتر

۱۴

۱۸۵

سخن گوئی میں ہے ایک چیز اندازِ بیاں پھر بھی

اختتامِ زندگی ہے، اختتامِ عاشقی
 ہر صد اوتی تھی جب مجھ کو پیامِ عاشقی
 پی کے سوجاتے ہیں کدن لوگ جامِ عاشقی

شاد کامِ دو جہاں ہے شاد کامِ عاشقی
 کیا ہو وہ رات دن و صبح و شام عاشقی
 موت انسان کو نہیں آتی جو ہم سے پوچھے

ظرفِ جامِ عاشقی سے دنگ ہو جیران ہوں
عاشقی کو کیوں میں کوئین پر رنج و دواں
میں حیات و موت کو اتنا سمجھتا ہوں فقط
ماجرائے طو حُسنِ دنگ ہے سارا جہاں
کیا کسی عاشقی میں دلنوازی کو کہوں
کاش ہو جاتی وفا بھی فطرتِ حُسنِ جہاں
زندگی اسکی ہے شاد مکی ہے، دُنیا اسکی ہے
وسعتِ عالم کی آزادی کو لیکر کیا کروں
ایک وہ جو عاشقی کے مرحلے طے کر چکے
وائے ناکامی کہاں نے لگی طاقتِ جواب
دیکھتے کیسے نبھے، کیونکر نبھے، کب تک نبھے
اور صورتِ پنجرہ دُنیا سے چھٹنے کی نہیں
شورشِ رنج و الم کا کون ذمہ دار ہو؟
رات دن بھکھو جزائے عاشقی کی فکر ہے
ہر خباہتِ یار پر اسے دل نہ لے یقیناً!

ساری دُنیا مت ہے اور ایک جامِ عاشقی
بادلوں کو بھی دیکھا ہے غلامِ عاشقی
ایک صبح عاشقی ہے ایک شامِ عاشقی
ہے میری اک داستانِ تمامِ عاشقی
صبحِ روشن سے کہیں بھی ہو شامِ عاشقی
یوں بھی ہو کچھ دنوں یارب نظامِ عاشقی
جو پیامِ موت کو سمجھے پیامِ عاشقی
مجھ کو اچھا ہے کہیں صبرِ وِرامِ عاشقی
ایک میری داستانِ تمامِ عاشقی
آگیا جب سامنے نظروں کے باہمِ عاشقی
وہ تمام بے نیازی میں تمامِ عاشقی
فکرِ دُنیا چھوڑ دے ہو جا تمامِ عاشقی
روزِ نکمہ لیتا ہوں اسے غمِ بنامِ عاشقی
ہوا ہوس کر تا ہے کیوں بدنامِ عاشقی
کیوں شام ہے اسے کجخت نامِ عاشقی

جلوہ خالق کجاشیہ، کجا طور و کلیہ

اللہ اللہ کتنا اونچا ہے مقامِ عاشقی

قبر بھی کیا جگہ ہے راحت کی
 یاد ہے ہم کو راتِ فرقت کی
 ہجر کے روز و شب کو کیا کہئے
 ہو گئیں خواب میری آنکھوں کو
 مٹ گیا دل کا داغ بھی افوس
 یوں محبت ہو کچھ دنوں ایدل
 بارِ خاطر ہے اُن کو بوسے سمن
 کیا زمانے کو لائیں خاطر میں
 داغِ غمائے دلِ حزیں کیا ہیں
 کیا کرے کوئی ایسے دن و رات
 ساتھ وہ بھی گئی محبت کے
 دلیں ہو ذوق اگر تڑپنے کا
 ایک یہ مصیبت بھری دُنیا
 مجھ کو عصیاں سے واسطہ کیا تھا
 حُسن اور یہ مرا غیبِ کدو!
 ساکنانِ نجد کا کیا کہنا
 جل رہا ہوں و رُاف نہیں کرتا
 نیند بھی آئی تو قیامت کی
 اک گٹھادل پہ تھی مصیبت کی
 دنِ قیامت کا راتِ آفت کی
 وہ نگاہیں تری محبت کی
 وہ نشانی غمِ محبت کی!
 لوگ کھائیں قسمِ محبت کی
 انتہا ہو گئی نزاکت کی
 آنکھ دیکھ ہوئے محبت کی
 یادگار ہیں کچھ محبت کی
 دنِ جدائی کے راتِ فرقت کی
 تھی جو دُنیا میری محبت کی
 ایک نعمت ہے راتِ فرقت کی
 ایک دُنیا میری محبت کی
 یہ بھی چٹک تھی تیری محبت کی
 یہ کدھر آج تم نے زحمت کی؟
 نیند لیتے ہیں سب قیامت کی
 ہائے مجبوریاں محبت کی!

کیوں دلاتے ہو بار بار یقیں آنکھ چھپتی نہیں محبت کی

پھر فریب جہاں کہاں نشتر
کھل گئی جس دن آنکھ عبرت کی

۱۸۷

۱۹

کوشش نہیں ہوتی یا تدبیر نہیں ہوتی
نظر نہیں تمہاری جب تصویر نہیں ہوتی
کم تیرے، واعظ کی تقریر نہیں ہوتی
اب ننگ عاقل، یہ دیکھ رہا ہوں میں
اُس روز بچتا ہوں، میں باغی حجت ہوں
کیوں فکر اسیری میں صیا و پریشاں ہے
دیوانے کا سنا ہے یہ خواب محبت بھی
قیمت میں لکھا ہو وہ مٹ ہی نہیں سکتا
جب ایک ہی کاتب ہے ہر لوح مقدر کا
کیوں لین رکھیں ہم تصویر تیری نہاں
تقصیر چھپالی ہے، محشر کے لئے اپنی
ہے مطمئن اس درجہ صیا و مراجمہ کو
ترکیب عا سے خود واقف نہیں یہ دنیا
تقدیر سے لڑنے کو تدبیر تو کرتا ہوں

تبدیل کبھی لیکن تقدیر نہیں ہوتی
ظلمت کدہ دل میں تنویر نہیں ہوتی
اور حق یہ سکوا ہے تاثیر نہیں ہوتی
تسکین تو ہوتی ہے، تاثیر نہیں ہوتی
جس روز کوئی مجھ سے تقصیر نہیں ہوتی
زنجیر کبھی مجھ کو زنجیر نہیں ہوتی
فی الجملہ کوئی اس کی تعبیر نہیں ہوتی
تدبیر ہم آثارِ تقدیر نہیں ہوتی
کیوں ایک سی دنیا کی تقدیر نہیں ہوتی
ہم سے تو محبت کی تشبیر نہیں ہوتی
اس چیز کی دنیا میں تو قیر نہیں ہوتی
اب پانوں میں دودن دیکر نہیں ہوتی
اور پھر یہ شکایت ہے، تاثیر نہیں ہوتی
قیمت سے مگر پوری تدبیر نہیں ہوتی

کچھ دیر تو زنداں میں زاد بھی رکھ ظالم
 ناراض نہ ہو ہم سے معلوم نہ تھا ہکو
 زنجیر محبت بھی زنجیر انوکھی ہے
 اس وقت پہنچا ہوں قتل میں ہمیشہ میں
 اس شمع کا دل آخر پتھر ہے کہ آہن ہے
 ہے قدر وہی دلیں ایمان محبت کی
 صیاہ کی خاطر سے وہ لطف ہوندا میں
 آہن میں کس لئے ہوں، ہوتے نہیں جب لہو
 دیکھا تھا اسو اکدن اور روز ازل وہ بھی
 تقصیر کا ہونا بھی تقدیر سے ہوتا ہے
 زنجیر محبت سے، گھر اندہ دل وحشی
 سب اہل نہیں ہوتے زنجیر محبت کے
 ہے قید عناصر بھی زنجیر حقیقت میں
 تقصیر نہ کر کے بھی تقصیر کے مجرم ہیں
 کیوں نہ ادا ان میں کیوں ہو جفا انہیں
 تم انکو تصور میں کیوں کیلنج نہیں لیتے
 رحمت پہ بھروسہ رکھ، غمگین نہ ہو نشتر

ہرقت پہننے کو زنجیر نہیں مٹی
 ہاتھوں میں پہننے کو زنجیر نہیں مٹی
 ہوتی ہے مگر پھر بھی زنجیر نہیں مٹی
 جب ہاتھ میں قاتل کے شیر نہیں مٹی
 پروانوں کے جلنے پر دلیگر نہیں مٹی
 گوروز کے ہماں کی توفیر نہیں مٹی
 زنجیر اسیرں کو زنجیر نہیں مٹی
 ہونے کی طرح ان میں تاثیر نہیں مٹی
 پہاں مگر آنکھوں سے تصویر نہیں مٹی
 تقصیر کو مٹا ہوں تقصیر نہیں مٹی
 ہر شخص کی قسمت میں زنجیر نہیں مٹی
 ہر پاؤں میں، وں یہ زنجیر نہیں مٹی
 معلوم بظاہر گوزنجیر نہیں مٹی
 تقصیر یہ کیا کم ہے تقصیر نہیں مٹی
 سورنگ نہ ہوں جب تک تصویر نہیں مٹی
 تسکین نظر نشتر تصویر نہیں مٹی

۱۸۸ دُنیا میں بھلا کس سے تقصیر نہیں ہوتی؟ ۳۱
 خوشی قریب آئی، تو پھر خوشی نہ رہی
 وہ اک خیالِ مستی، وہ بخود ہی نہ رہی
 ہمارے حال سے لینے لگی سبقِ دُنیا
 سنا ہر شیخ بھی جانے لگے ہیں میخانے
 کبھی بہار کے دن تھے، کبھی تھا دورِ خزاں
 کرے بہار کا کس سُنے سے شکریہ کوئی
 گیا جو دل تو گیا درِ دل کا قصہ بھی
 اُمید سے دل تیرہ میں تھی ضیا کیا کیا
 دیا جو کچھ بھی محبت نے، سیر ہو کے دیا
 نگے پہ مجھ کو نہ مجھ کو دلِ وحشی
 یہ کون آج خراماں ہے میری تربت پہ
 اُسی کو موت کا دن جانتا ہوں میں اپنی
 ابھی تو غم میں سے نذرِ بخود ہی سائے
 کہاں ہو گا آئی جو بخود ہی نہ رہی

حیات کا نہ کرو اعتبار تم نشتر
 ہے کوئی ٹھیک بھی کجنت کا رہتی رہی

۱۸۹
 اپنی بگڑی ہوئی تفتیر بنائی نہ گئی
 شور کرنے سے بھی بیچارہ نوائی نہ گئی

بات بگڑھی ہوئی محشر میں بنائی نہ گئی
 عمر بھر چلتی رہی سانس پاری نہ ات
 شکریہ بخود ہی عشق کا کس نہ سو کروں
 کر دیا طالب دیدار کو تو نے بیہوش
 اقتباب اس سے مناسب ہجواؤں
 نام رکھے نہ مجھے ترک محبت پہ کوئی
 میرے سودائے محبت کو زمانہ گذرا
 جلوہ یار سے محرم گئے وہ خود میں
 رات بھر جھکوتا روں نے تڑپے دیکھا
 زندگی جب گئی اکبار تو لوٹی نہ کبھی
 اپنے اعمال ہی ہمراہ گئے دنیا سے
 سوچتے تھو بہ کہیں گے وہ کہیں گے اُن سے

خوشنوا دل جو مقدر سے ملا ہے

۱۴

کتنے ہی رنج پڑے نغمہ سرائی نہ گئی

۱۹۰

ہوئی کہاں بھی پینے کی آرزو پوری
 تمام عمر ہوئی ڈھونڈتے تجھے لیکن
 سرور عشق کا تکمیل آرزو میں کہاں
 ملا بھی ہے مر ساتی ہے سب پوری
 ہوئی ہنوز نہ منشا جستجو پوری
 مزہ ہے اس میں کبھی ہونہ آرزو پوری

کبھی تو پاؤں تھکیں گے تبھی ناکامی
یہ سنتے آؤ ہیں ہر شے کی انتہا ہے کمال
مری وفا کی نہ پوری ہو آرزو نہ سہی
میں جب لذتِ حسرت سے ہو گیا وقف
کبھی تو ہوگی رسائی کی آرزو پوری
مگر ہوئی نہ کبھی کوئی آرزو پوری
تری جفا کی تو ہو جائے آرزو پوری
تو آرزو ہے نہ ہو کوئی آرزو پوری
کبھی ہوئی نہ تنائے گفت گو پوری
تمام عمر ہوئی اُن سے گفت گو لیکن

نہ آئے موت تو کیا اس کلِ حشر و نشر

۹

۱۹۱

قضا ہی کرتی ہے انساں کی آرزو پوری

وصال سے کہیں چٹا ہے انتظار مجھے
نہ دوست چاہے کوئی نہ غمگسار مجھے
دیا تھا ذوقِ ندامت جو کردگار مجھے
نہ اب شکیب مجھے ہے نہ ہے قرار مجھے
نصیب جب ہے کیفِ نگاہِ یار مجھے
خدا کی واسطے مجھ کو نہ چھڑے صیاد
کبھی خزاں بھی پیامِ بہار دیتی تھی
نشاطِ دہرہ دُنیا میں کیا کوئی خوش ہو
میں در عشق میں وارفتہ قرار غلط
مجھے ہے تشنگی کیفِ جاوداںِ رب
خزاں بھی نہیں لگی ہے بڑی بہار مجھے
مگر خدا کرے چھوڑے نہ درِ دیار مجھے
تو آنکھ بھی مجھے دینی تھی انکسار مجھے
یہ کیا بنا دیا تو نے نگاہِ یار مجھے
تمام خلق سمجھتی ہے بادِ خوار مجھے
چمن میں ہو کہ نہ ہو جانے پھر بہار مجھے
اور اب بہار بھی دیتی نہیں بہار مجھے
خزاں چکیدہ ہے ہر جلوہ بہار مجھے
وہ وقتِ موت ہی آجائے جب قرار مجھے
خزاں کا منہ جو نہ دیکھے وہ ڈے بہار مجھے

نفس میں بکے بھی اک افتخار ہے مجھ کو
 خزاں میں دیکھنے والا ہوں میں بہاروں کی
 میں چل رہا تھا اشاروں پر اپنی فطرت کے
 یہ مضطرب کی لذت، یہ لطیف غم توبہ
 جگر میں سینے میں دلیں کہیں اٹھ اورد
 خراب عشق ہی ہونا ہے مقصد ہستی
 انہیں بھی کشش دل ابھی یہاں ہے آ
 وفا پرست نے جانا مجھے وفا کر دار
 بنا دیا مرے دامن کو روکش گلزار
 وفا پسند نگاہوں کے کام نیگی
 سنا تو دوں دل مضطرب کی دہتاں لیکن
 بٹی شراب تو یہ میکہ میں شور ہوا
 و فور شوق میں حال ہے معاذ اللہ
 پیے ہیں چھپ کے محبت میں عمر بھر انو

سکون روح محبت میں مل چکا نشر
 اب ایک موت کا ہے اور انتظار مجھے

۲۵

۱۹۲

دل جو مجھے نہیں ل کہیں پھر مل ہو جائے
 محل دوست بنے، دوست کی منزل ہو جائے

اک ذرا درو کہیں اور جو شامل ہو جائے
 اختیار آپکے دل پر مجھے حاصل ہو جائے
 لطفِ تمہیلِ محبت مجھے حاصل ہو جائے
 پوچھ منزل نہ رہ عشق کے سیاحوں کی
 ابھی کھل جاؤ حقیقت ہوس دل کی ابھی
 آج پھر دلیں ٹرنے کی اُٹنگ اُٹھتی ہے
 خانہ دلیں ہے ارمان و تمنّا کا، ہجوم
 عشق کی سیرِ تکمیل ہوائے وائے نصیب
 اب تو غم ہو کہ تمنّا ہو کہ ارمان تیرا
 خود نہ ڈھونڈے اُسے منزل تو ہمارا دمہ
 ہستم تو باغ کا مفہوم ہی سمجھا ہے
 پاس بیمار کے بیٹھے ہیں وہ بادیدہ تر
 ہر قدم پر ہے نئی حُسن کی دُنیا آباد
 آرزو دلی نہ رہنے دو پریشانِ دل میں
 دل کو مانوس جہاؤں سے کئے جاتا ہوں
 دل جے کہتے ہوئے شرم سی آتی ہے مجھے
 غیر ممکن ہے ترے غم کی سمانی دل میں

جسے سب کہتے ہیں بجلی، وہ مراد دل ہو جائے
 آپکے سینے میں جنج دل ہے، مراد دل ہو جائے
 درو بڑھ جائے کچھ اتنا کہ مراد دل ہو جائے
 جس جگہ چھاؤنی چھائیں وہ ہی منزل ہو جائے
 میری شکل جو کہیں غیر کی شکل ہو جائے
 لطف آجائے اگر ہر رنگ تن ل ہو جائے
 یہ ہی انبوہ مرتب ہو تو محفل ہو جائے
 روز بڑھ بڑھ کے مہِ نوسہ کامل ہو جائے
 جو ٹھہر جائے مے دلیں، مراد دل ہو جائے
 پہلے خود قافلہ گم گشتہ منزل ہو جائے
 دو گھڑی روز جہاں شورِ عنادل ہو جائے
 ہوشیاری کو مناسب ہے کہ غافل ہو جائے
 کیوں سافر کا دل آرزوہ منزل ہو جائے
 کیا مصیبت ہو اگر یہ بھی کہیں دل ہو جائے
 کیا عجب ہے جو کسی ن کسی قابل ہو جائے
 اک نظر آکی طربائے تو ہاں دل ہو جائے
 وستیں دیکھ کہ ترا غم ہی مراد دل ہو جائے

جیتے جی بزم سے اٹھانے جے ہو منظور
اب یہ حالت دل پر مردہ کی ہے آخر کار
ایک دل اور تینائیں ہزاروں، یہ کیا؟
کچھ عجب حال ہے فرقت میں کسی کی اپنا
پھر گونا باری منزل کا کے ہوا حس
مثل پروانہ وہ خاکستر محفل ہو جائے
پھول مل ڈالے لیکر تو مرا دل ہو جائے
ہر تنہا کے لئے ایک جُدا دل ہو جائے
چاروں یوں ہی چلے اور تو مشکل ہو جائے
واقفِ راہ جو آوارہ منزل ہو جائے

کیا قیامت ہے یہ دستورِ محبتِ نشر
دیجئے جس کو جگہ دل میں وہ قابل ہو جائے

۲۴

۱۹۳

کب ل میں مے جلوہ جانا نہ نہیں ہے
افسانہ ہے دنیا، مجھے معلوم ہی، لیکن
جو تابہ لب آئے نہ ترے ہاتھ سوساتی
دیکھا تھا ازل میں کوئی رنگین سا جلوہ
میر بھی ہوئی لہ ہے جو پروانے کا دل ہے
او شمع ازل تیرے لئے ہم بھی ہیں بیتاب
دنیا سے نرالی ہے مری بادہ پرستی
جنت کو سمجھتے ہیں وہ اک حیلہ باطل
او شمع بتائے یہ ہے انصاف کہ اندھیر
تیری نگہِ مست کا یہ فیض ہے ساتی
کب نور سے لبریز یہ کاشانہ نہیں ہے
محسوس یہ ہوتا ہے کہ افسانہ نہیں ہے
وہ تو مری دانت میں پائے نہیں ہے
قابو میں ابھی تک لہ پوائے نہیں ہے
صورتِ مری گو صورتِ پروانہ نہیں ہے
پُر سوز فقط فطرتِ پروانہ نہیں ہے
پتیا ہوں مگر ہاتھ میں پیمانہ نہیں ہے
دیوانے کو کہتے ہیں کہ دیوانہ نہیں ہے
محفل میں تری ماتمِ پروانہ نہیں ہے
میخانہ ہے ابل مرا پیمانہ نہیں ہے

ہیں میرے لئے کاتبِ اعمال تو دو دو
عبرت کا سبق اس سے لئے جا ہیگیا
عاشق وہ ہی جو سوزِ محبت کے مری لے
قائم جو یہی بے خبری اور ہی کچھ دن
ٹھکر کے قحارت سے لے پھینک ساقی
انکھوں اب نکھوں میں آنے لگی مستی
کیون لیں اس عارضی خوشیوں جہاں کی
لو جکی ہے اصلی، اسے کیا بغض کسی سے
ہر شخص کے مینا میں نہیں بادِ زلفیں
خیم منہ سے لگا لینے کی خود اپنے نشتر

۲۰

۱۹۴

پیمانہ کبھی ہے کبھی پیمانہ نہیں ہے

اے صاحبِ محفل ہم بے جا بے چلے آئے
جب مومش سے گہرائے مینا نے چلے آئے
لو شمع کے پہلو میں، پروانے چلے آئے
دیوانہ کی محفل میں جب ہوش نہیں جاتا
تم باتوں ہی باتوں میں ہلا کے گئے تھوکل
فر باد گیا گذرا، مجھوں نے لیارستہ
آتے ہوئے کچھ دیکھے پروانے، چلے آئے
مینا نے سے پھر بند کر دیوانے چلے آئے
خود جان گنوانے کو دیوانے چلے آئے
کیون مومش کی محفل میں دیوانے چلے آئے
پھر باتوں ہی باتوں میں ہلانے چلے آئے
دنیا میں گر ان کے فسانے چلے آئے

پہانے نہیں کچھ کر میخانے چلے آئے
 دُنیا کے تھکے ماندو سستانے چلے آئے
 جو چلنے کے قابل تھو افسانے چلے آئے
 تم قبر پر کیوں حق پچھتانے چلے آئے
 پہانے چلے آئے، میخانے چلے آئے
 تم تو لے ساتھ اپنی، میخانے چلے آئے
 جب ٹھان لی بنو کی میخانے چلے آئے
 مسجد سے جو گھر لے، میخانے چلے آئے
 تھی تشنہ، غم فتم، غم کھانے چلے آئے
 لوٹ آؤ جو اپنی تھے بیگانے چلے آئے
 جاتے تھو سوئی مسجد میخانے چلے آئے
 مسجد اُٹھے یہ ہے میخانے چلے آئے

جب بیٹھ گئے چشم ساتی کے تصور میں
 کیا کام تھا مرقدی کیوں بھاگتے دُنیا سے
 دُنیا کے محبت میں قصے تو بہت نیکلے
 اب جاؤ گذرنی تھی عاشقی پہ جو کچھ گذری
 سب لگے اس دلیس اللہ کو طرف دل
 ان مت نگاہوں کو، دیکھو تو ذرا اپنی
 میخانے نہیں جاتے، ہم زندقہ کش ہیں
 تقدیر سے مسجد ہے، میخانے سے کچھ آگے
 اس عالم فانی میں ہم، اور قدم رکھتے؟
 ہیں ساتھ محمد تک سب، پھر کون کسی کا ہے
 ساتی تری محفل میں ہے جذب کش کیسی
 اپنی تو یونہی گذری، اور نکلی خدا جاتے

تھا عرصہ محشر سے کیا کام ہیں نشر

۱۹

خود کردہ گناہوں پر، پچھتانے چلے آئے

۱۹۵

تھے بہارِ جادواں تو، خزاں کیوں ہو گئے؟
 تو بتا سکتا ہے کچھ لے باغیاں کیوں ہو گئے؟
 خوفناں تھی ہی ریحتر فناں، کیوں ہو گئے؟

شاو کا مان وفا، وقفِ فغاں کیوں ہو گئے؟
 پھول تھے بلوغ کے نذرِ خزاں کیوں ہو گئے؟
 کر دیا کیا تو نے زخموں کو سرے لے چارہ گر

ہم زمین کیوں ہو گئے تم آسماں کیوں ہو گئے؟
 بولتے ہی بولتے تم بے زباں کیوں ہو گئے؟
 بے مروت اس قدر اہل جہاں کیوں ہو گئے؟
 تم مرے دشمن نصیب شناس کیوں ہو گئے؟
 متفق باہم زمین آسماں کیوں ہو گئے؟
 کیا کہیں اور کیوں کہیں ہم بے زباں کیوں ہو گئے؟
 واقعات عاشقی پھر داستان کیوں ہو گئے؟
 بیچ اب نظر و نہیں لطف و جہاں کیوں ہو گئے؟
 ہائے آزادی، اسیر آشتیاں کیوں ہو گئے؟
 میری تمت عشق میں وہ وفاں کیوں ہو گئے؟
 ہے خطا اپنی، قریب آشتیاں کیوں ہو گئے؟
 اب ہی ظلم و ستم، روح رواں کیوں ہو گئے؟

دل ہمارا بھی شگفتہ ایک دن ہو گا ضرور
 ورنہ لے نشر بیاباں گلتاں کیوں ہو گئے

۱۶

ہائے رسوائی، کہ ہم لوٹ آئے بزمِ ناز سے
 دو گھڑی کو باہر آ جاؤ حسرتِ ہم ناز سے
 کیا کروں مجبور ہوں اس مدیدہ غماز سے

اے بلند ایوان والو تم نے یہ سوچا کبھی
 نقشِ عاشق پر وہ انکار دے کہنا بار بار
 دم نہکلتے ہی کیا کیوں مرنیوالے کو وداع
 غیر دشمن ہے، تو خیر اسکا سبب معلوم ہے
 رہر و راہِ محبت کو مٹانے کے لئے
 بے زباں جو ہو، وہ جانے بے زبانی کے مزے
 تم تو کہتے ہو ابھی جو دوستم میں ہے کمی
 کرو یا اے لذتِ غم، تو نے یہ کیا حسرتِ سا
 آشتیاں جب تک نہ تھا، ہر شاخ اپنی شاخ تھی
 ضبط کی تاکید جب میرے لئے مقوم تھی
 رات دن بجلی کا کٹسکا آشتیاں میں کیوں ہو
 پہلے انکے ظلم تھے میرے لئے سوہانِ روح

۱۹۶

کیوں جرأت مانگ لی پروانہ جانا ز سے
 اب قتل ہو نہیں سکتی فقط آواز سے
 کیا کوئی آگاہ ہو سکتا تھا میرے راز سے

درد دنیا ہو تو دے لے عشق اس انداز سے
 دل ہی دل میں گفتگو کیونکر نہ وہ ہم سو کریں
 منہ سے کنا اور ہے اور جان نیا اور ہے
 لیکے دل ٹوٹا تو یہ سمجھو کہ دل والا نہ تھا
 اب ہی انداز آنکھوں میں ہے شکلِ آئینہ
 بے تکلف خم کے خم اتوں نہ ہا دیتے ہیں ہم
 درد جو کل تھا کچھ اسیں اور اضافہ ہو گیا
 کیا گلہ اسکا محبت میں یہ ہوتی آئی ہے
 درپے جاں ہو ہی ہے آرزوے دیدِ حُسن
 دعوتیں اب بھیجتے ہو کیوں حسیم ناز کی
 ہم ازل کے جُرمہ کن ہیں آج کے میکش نہیں
 رنج ہو چاہی خوشی دونوں میں ہم رہتے ہیں مت
 ضبط کی طاقت مجھو دے، ورنہ اب کھلتا ہی بھید
 عالم جذبات میں اک حشر برپا ہو گیا
 آگے ہیں حضرت و عظم بھی میخانے میں آج
 آنکھ کھلتے ہی حُسن میں ہنسنے دیکھا ہے قفس
 اس تھی تیری کہ میری آرزو تھی کیا جسہ

ایک سا اے مزہ انجام تک آغاز سے
 دُور دُور سے کیا کرتے ہیں بات آواز سے؟
 جاں نثاری کیسے پروانہ جانناز سے
 ورنہ دل لیکر کوئی لوٹا ہے بزم ناز سے
 دیکھ آئے تھے انھیں محفل میں جس ناز سے
 ہو گئے وہ ن ہوا، پتے تھے جب انداز سے
 روگ اچھا مول لے آیا میں بزم ناز سے
 ایک سی کس کی نبھی، انجام تک آغاز سے
 اب اٹھا وہ بھی کہیں پردے حریم ناز سے
 پہلے تم نے کیوں نکالا تھا حریم ناز سے
 جام ہو چاہے نہ ہو، پتے ہیں یک انداز سے
 کوئی نغمہ ہو ملا لیتے ہیں دل کے ساز سے
 پھوٹ نکلتے ہیں فسانے پردہ ہائے راز سے
 سوتے سوتے کون اٹھ بیٹھا یہ خواب ناز سے
 میکش اٹھو، بٹھاؤ، آپ کو غم ناز سے
 اپنے پر وہ پر ہیں جو واقف نہیں بچ وار سے
 دل کے اندر چیز ٹوٹی ہے کوئی آواز سے

آج کچھ شاید زیادہ پی گیا انداز سے
کچھ تو ہوتا واسطہ انجام کو آغاز سے
کچھ میں واقف سا نظر آتا ہوں سناؤ اسے
پاس والے کو بلانا عیب ہے، آواز سے
تھکیاں تیا ہو جیسے کوئی دستِ ناز سے

حضرت شتر ہیں ہے بار ہا کا تجھ سے

۲۶

دشمن اچھا ہے کہیں، یا زمانہ ساز سے

دل جس سے ہو روشن، وہ محبت کا کنول سے
یہ کیا ہے کہ جب کام کا انسان تو توصل سے
ہے انکی دوا یہ کہ جب آئیں تو کچل سے
تاخیر سے ڈرے کہیں ہیما نہ چل سے
بہوش نہ ہو جاؤں، کہیں توش نہ چل سے
اب فکر یہ رہتی ہے، کہیں نہ نہ چل سے
اور اسے یہ حسرت ہے کہ ہمت بھی چل سے
کیا ہو جو نہ اللہ مکافاتِ عمل سے
بدلے نہ مرادِ وق، تو دل اٹکا بدل سے
کیوں کوشش ہے سو میں نہ اپنی چل سے

لغزش پاہم نے دغط میں نہ دیکھی تھی کبھی
ابتداءِ عشق میں تم کیا تھے اب کیا ہو گئے
کچھ نوس دلیں بھرانے لگی ہے اک صدا
ای موزن تو نے اپنے دلیں یہ سوچا کبھی
کچھ نوس وہ سکونِ قلب حاصل ہے مجھ سے

۱۹۷

یار ب مری راتوں کو تجلی ازل سے
دینی ہے مجھے زلیت تو آزادِ اجل سے
سچ کہتے ہو انسان کو کھا لیتی ہیں فکریں
چلنے میں بہت دیر نہ لگتا لگاؤ
کیف نگہ یار ہے اب شرم ترے ہاتھ
رہتی تھی کبھی فکر، چلا جائے کہیں درد
ہوتا نہیں خود مرنے پہ تیار یہ انسان
کس درجہ حریص اپنے گناہوں پہ ہے انسان
یار نہیں اب اور کوئی بھنے کی صورت
جب تک نہ وہ آجائینگے ہم جا نہیں سکتے

ممکن ہو تو دل کو کسی پتھر سے بدل دے
یا اس کو مٹا، یا مری دنیا کو بدل دے
پھر دیکھ لوں میں نکو جو کچھ وقت اجل دے
ہر سانس بیمار سے کہتی ہے کہ چل دے
گر زندگی دی ہے تو مجھے شوق اجل دے
اب اس کو شفا کوئی اگر دے تو اجل دے
دینی ہے اگر زیت تو محفوظ اجل دے

اُس دل سے تو ہر طرح میں عاجز ہوں اکی
دنیا مری اب سہنے کے قابل نہیں یا رب
ہر سانس میں آنا و دم باز پس میں ہیں
کہدے کوئی اُن سے کہ جو آنا ہو تو آجائیں
یہ کیا کہ ہوں مرنے سے میں نرات ہر سال
بالیں سے وہ بیمار کی یہ کہہ کے اٹھے ہیں
ہم روزِ ازل بھول گئے اُس سے یہ کہنا

نشر کی طبیعت میں اُنگو نہ ہے مستی

۱۸

لا ابر بہار آج کوئی تازہ غزل دے

۱۹۸

زندگی دنیا میں دُن کی ہو کیا کیا کیجے
میرِ نظر نہیں بھی اس دنیا کو دُنیا کیجے
رات ہو یا دن خیالِ دُور یا کیجے
اک تماشا ختم کر کے اک تماشا کیجے
کبتک سکی آرزو کبتک تمنا کیجے؟
اب کہاں ہمت کہ ارمانِ تمنا کیجے
چاہتا ہے جی، اُسے دن رات دیکھا کیجے
دل کو پھر کیوں مُفت مریوں تمنا کیجے

فکر دُنیا کیجے یا فکرِ حقیقی کیجے
الشفاتِ رحمِ مجہر پر بھی خدا کیجے
حُسن کی تنویر سے دلیں اُجلا کیجے
رویتے، پھر اپنے ہر آنسو کو دریا کیجے
جس کو ملنا عالمِ امکاں میں ممکن ہی نہیں
ایک ہی جلوے سے چشمِ شوق خیر ہوگی
لے تصور تیری رحمت تو یقینی ہے مگر
جب تمنا ہے تقاضا و محبت کے خلاف

کیا کہوں کیفیتِ نظارہ حُسن و جمال
حضرتِ دل ہم نہ کہتے تھے کہ خاموشی ہی خوب
جب مسلم ہے کہ دینے والا کوئی اور ہی
مرنوالا مرچکا ہونا تھا جو کچھ ہو چکا
ہم بھی غلامِ موش بن کر لٹیں مگر ستم
رفتہ رفتہ ہو گیا میں جو گرجور و ستم
ہم تو ہیں روزِ ازل سے آپ کے مشورتناس
صحنِ گلشنِ مرکزِ آفت بنا رہا ہے روز
مجھ کو دنیا کے بکھیرے آپ کہتے ہیں دیر
دمِ زدن میں چھوڑ دیتی ہے ایک ت کا ساتھ
چاہتے ہیں آپ اگر فے ساتھ دنیا آپ کا
بجلیان لیں بکھرتے ہیں میر آپ تو
کامیابیِ تمنا دل کے حق میں رہ رہے
لوگ کہتے ہیں ذکرِ عیش نصفِ عیش ہے

دیکھئے اسکو تو حسرت ہو کہ دیکھا کیجئے
بار بار اور اُن سے اظہارِ تمنا کیجئے
کیوں کسی کے در پہ اظہارِ تمنا کیجئے
اب قیامت ڈھائیے یا حشر برپا کیجئے
جس جگہ قابو نہیں اپنا، وہاں کیا کیجئے
اب جہالم کیجئے چاہے زیادہ کیجئے
جو نہ دیکھ آ یا ہو، اسے آپ پڑا کیجئے
اب مذاقِ سیر کو مانوس صحرا کیجئے
ہوا اگر ممکن مجھے بیزار دُنیا کیجئے
زندگی بھر میری دُنیا "میری دُنیا" کیجئے
سہل سی تدبیر ہے، ترکِ دُنیا کیجئے
دیکھئے ایسی نگاہوں نہ دیکھا کیجئے
سب اچھے یہ ہی، ترکِ تمنا کیجئے
جب نہ ہو صہبا، تو ذکرِ جام و صہبا کیجئے

یوں سال اُس شگدل کا حضرتِ نشر کیا

۲۳

دل کو پتھر کیجئے، پانی کلیجہ کیجئے

۱۹۹

ساتی تری آنکھوں کو مینا نہ بنالیں گے
اپنے دلِ بخود کو، پیمانہ بنالیں گے

اک روز فضاؤں کو زندانہ بنالیں گے
 دنیا کے کرشموں، نزدیک نہ جانے دل
 دنیا سے الگ ہو کر، ہو جائیں بہار وہ
 بھولے سے نہ کرتے ہم، نظارہ حسینوں کے
 کیا حال کہیں ان کے، ہم اپنی خرابی کا
 سمجھتے بنالیں گے، بیگانوں کو ہم اپنا
 کچھ اور محبت میں حاصل نہ اگر ہو گا
 شے میں محبت میں، اب اس کو خدا جانے
 ہے سوزِ محبت کا، پیغام اگر جاری
 کا فر تری نظر و فکری، دل پر چڑھی یورش
 دل توڑ رہے ہیں، یہ انکی عنایت ہے
 جا بیٹھیں گے مسجد میں، ساتی کے قصوں میں
 یہ بعدِ مسافت ہی، تفریق کا باعث ہو
 ساتھی نہیں حشمت میں، کوئی تو نہ ہو اپنا
 ساتی کی نگاہوں کو، اپنے دل لگیں کو
 جب آئیں گے پیٹے پر اسے ساتی، میخانہ
 اچھا جو تھا ہو تو، دیں گے نہ بجھے رحمت

مسجد کو تری زاہد، میخانہ بنالیں گے
 تجھ کو بھی یہ دیوانے، دیوانہ بنالیں گے
 ہم سائے زمانے کو بیگانہ بنالیں گے
 کیا جانتے تھے ظالم، دیوانہ بنالیں گے
 معلوم ہے وہ سُن کر افانہ بنالیں گے
 اپنوں کو، خبر کیا تھی، بیگانہ بنالیں گے
 اک دردِ محبت کا، افانہ بنالیں گے
 تقدیر بنالیں گے ہم، یا نہ بنالیں گے
 ہم شمع کو بھی اک دن پر و نہ بنالیں گے
 اس کعبہ کو ہم اک دن بتخانہ بنالیں گے
 ہم ٹوٹے ہوئے دل کو پیمانہ بنالیں گے
 کچھ دیر کو مسجد میں، میخانہ بنالیں گے
 مسجد کی بعل ہی میں، بتخانہ بنالیں گے
 ہم اپنے ہی سائے کو دیوانہ بنالیں گے
 میخانہ بنالیں گے، پیمانہ بنالیں گے
 میخانے کو ہم تیرے، پیمانہ بنالیں گے
 ہم دل ہی کو اسے ساتی، میخانہ بنالیں گے

اس گلشن ہستی کے پھولوں پہ نہ پھولے دل
ہر نگ ہے یہ تجھ کو، دیوانہ بنا لینگے
گلگشت کو جائیں گے، دیوانے اگر نشتر
گلشن کو بھی دو دن میں ویرانہ بنا لینگے

۲۰

۲۰۰

اب ہجر سے غرض ہے، نہ مجھ کو وصال سے
بیخود بنا ہوا ہوں کسی کے خیال سے
جو طالب کمال ہو پوچھے ہلال سے
کے مرتبہ زوال ہو ہے کمال سے
جس دن آگے وہ ہمارے خیال میں
نکلے نہ ایک لمحہ ہمارے خیال سے
عاشق کی واسطے ہے وہ ہی روز موت کا
جس روز تم نکل گئے اُس کے خیال سے
لے چارہ گریہ درد میری ہوتی فضول
ماؤں سے میرے زخم نہیں اندال سے
لازم تھا میری طاقت دیدار کا خیال
شکوہ ہے یہ مجھے تری برق جمال سے
بجلی کو اپنی سی زخامی پہ ناز تھا
آگے نہ جاسکی کبھی میری خیال سے
محشر میں شکایت جور و جبرامی
وہ اُن کا دیکھنا، نگہ انفعال سے
کیا لطف ٹھوکر نہیں ہے اس گداز کی
پوچھے کوئی ہمارے دل پائال سے
اب کیوں بھجار ہی ہے نشاط جہاں مجھ
واقف ہو خوب لذتِ رنج و ملال سے
پاسِ جنائے حسن ہو، پاسِ فائے عشق
خاموش کیا بتاؤ نہیں میں کین خیال سے
خوشیوں کا ٹھیک کیا ہو، ابھی میں بھی نہیں
ایدل بدل گئے ان کے غم لار و ال سے
کیا کیا شکست تو بہ کے سامان لے ہوئے
گھنگور اُمید رہی ہیں گھٹائیں شال سے
اب کس کا رنج ہجر کہاں کی نشاط وصل
مردموش ہو رہا ہوں شمر خیال سے

دو باتیں دلیسے میں وا غط سے میکشو آنے لگے نظریہ مجھے ہنجیال سے
 کہہ دو کہ میرے دل سے خوشی اپنی راولے شرمندہ ہو ہا ہوں کسی کے ملال سے
 آنے ہی یاد آگئی بزم جمال پھر اے ہی کیوں تھو ہم تری بزم جمال سے
 نشتر بہت گراں ہے اگر دستہ گناہ

۱۸

۲۰۱

دھو ڈالو ایک دن عرق انفعال سے

انساں اگر نہ پائے تمنا کہیں جے
 لے دل کہاں نصیب تمنا کہیں جے
 سب صرف کر دو، طاقت دُنیا کہیں جے
 ممکن نہیں کہ ڈھونڈ نہ نکالیں نہ ہم تمہیں
 ہم پہلے یہ کہیں کہ وہ ہو جائیں باوقا
 کیا تو نے سحر کر دیا اسے دشمن ہمار
 چشم کرم ادھر بھی جو ہو جائے آپ کی
 پھر کس کی یاد آج ستانے لگی مجھے
 دل کیا ہے، ایک بوند ہو کی ہے ہجر میں
 برباد کر رہے ہیں وہ میرا جہان دل
 کیا اپنا حال کوئی سناے بھلا تمہیں
 اچھا کسی کو سارا زمانہ کتے تو کیسا
 دُنیا نظر نہ آئے وہ، دُنیا کہیں جے
 دعویٰ ہے تیرا، دعویٰ بجا کہیں جے
 ملتی کہاں کی کو ہے عقیقی کہیں جے
 اب تک کیا کہاں ہے ارادہ کہیں جے
 ہو جائے گرا زبان سے جیسا کہیں جے
 اب رنگ باغ وہ ہے کہ صحرا کہیں جے
 دُنیا مرے لئے بھی ہو دُنیا کہیں جے
 اک سلسلہ ہے شک کا، دریا کہیں جے
 سمٹا پڑا ہے خونِ تمنا کہیں جے
 میرے تمام شوق کی دُنیا کہیں جے
 اس طرح جب سُنو کہ نہ سُننا کہیں جے
 اچھا وہ ہی ہر منہ سے وہ چھا کہیں جے

غم اپنا ہم کو دو، توبہ مقدارِ ظرف دو
 پھر آج بخود ہی میں کمی پارہا ہوں میں
 دُنیا سے ہم کو اصل میں کوئی گناہ نہیں
 اے بوالہوس یونہی کہیں تے ہیں کامیاب
 دُرات میں توں، اور مری خواہشیں تمام
 عرصہ ہوا کہ دل میں تمنا نہیں کوئی
 تم کیا مری نگاہ سے اوجھل ہوئے کہ اب
 پوری ہوئی نہ ایک تمنا کوئی کبھی
 دن ہو کہ رات گریہ پیہم سے کام ہے
 دل میں جگر میں سینے میں چشمِ رُباب میں
 پھرتے ہیں دل میں درد کی سیکائے ہوئے

نشر نہ کہا فریب طلسم مجاز کا

اک محشر خیال ہے، دُنیا کہیں جے

۲۴
 قید سے چھٹ کر بھی ہیں ہم باغ سے چھوٹے ہوئے
 لٹ کے بیٹھے ہیں محبت کے مری لوٹے ہوئے
 پھول مری جھڑپے ہیں جا بجا ٹوٹے ہوئے
 ہم ابھی آئے ہیں بد سے قید سے چھوٹے ہوئے

۲۰۲
 کیسے پہنچیں باغ تک ہیں بال پر ٹوٹے ہوئے
 خود سے غافل اور خوش آشنا چھوٹے ہوئے
 سوگ کس بلبل کا ہوا مری باغیاں گلشن میں آج
 باغیاں کچھ تو بتا کیا استیاں کا حال ہے

بے ثباتی جہاں کا، دل پہ نقشہ کچ گسا
 آٹیاں میں کچھ تو ہو عمر قفس کی یادگار
 اب تو اپنے حُسن کا صدقہ، چلے ہی آئے
 ہیچ نظروں میں نہ کیونکر ہونٹا دو جہاں
 کر لیا کرتے ہیں تیری یاد تازہ اے اہل
 یہ مری رنگین فطرت تھی، کہ میرے جسم سے
 تیرے دل کا حال ہم پوچھیں گے تجھ سے، ہو وفا
 آمد آمد آج پھر ساقی کی ہے مدت کے بعد
 دیکھنا یہ کس نے دیکھا سچی نظروں سے مجھے
 ٹیس اک ہفت ایسی ہے کہ تو بہ ہی بھلی
 کیوں قفس میں چھوڑ دیں صیاد آخر ہم انھیں
 کوئی بھی شہر خوشاں کا نہیں پُرساں حال
 اپنے آنکوں میں ملا کر، نذر کر دو نگا انھیں
 ہے ہے ہیں کچھ مری صحرانوردی کے پتے
 دل جہاں ٹپٹے، نہیں رہتے کسی مضر کے پھر
 کل جہاں تھا آٹیاں اور نغمہ ہائے عندلیب

ہم نے جب کچھ کسی کے بال پر ٹوٹے ہوئے
 ساتھ لچائی گئے اپنے بال پر ٹوٹے ہوئے
 ایک مدت ہو گئی ہے آپ سے چھوٹے ہوئے
 عمر بھر ہم ہیں تے غم کے مری لوٹے ہوئے
 دیکھ کر صحن چمن میں پھول کچھ ٹپٹے ہوئے
 قطرہ ہائے خوں گری گری ہی گن ٹپٹے ہوئے
 لیکے جب محشر میں سب پھینک دیے ٹپٹے ہوئے
 جوڑے کوئی مری جام و سبو ٹپٹے ہوئے
 کون یہ جاتا ہے صبر ہوش سب ٹپٹے ہوئے
 کیا قیامت ہیں دل کے آبلے پھوٹے ہوئے
 لاسہیں دیے ہائے بال پر ٹپٹے ہوئے
 ہے یہاں اک گھر سلامت، چار گھر ٹپٹے ہوئے
 کچھ تار و اپو دیدیئے فلک ٹپٹے ہوئے
 زخم میر پاؤں کے اور آبلے پھوٹے ہوئے
 کام آتے ہیں کسی کے، آئینے ٹپٹے ہوئے؟
 آج کچھ تنکے وہاں ہیں پر ٹپٹے ہوئے
 کہتے آزادی پہ بلبل اپنی روئے یا ہے

دل شکستہ اُس پہ نشر بال و پر ٹوٹے ہوئے
 جہن ہے جو سنہ نو پہ کیا کیا، فضا بھی پہلو بدل ہی ہے
 ہر ایک شایخ خمیدہ سر سے، حسین کوئل نکل رہی ہے
 الہی یہ کون سی ہوا ہے، جو آج دنیا میں چل رہی ہے
 فلک بھی ٹنگہ نہیں ہے، زمیں بھی نقشہ بدل رہی ہے
 ذرا تو سوچ اپنے دل میں غافل، یہ عمر ہرقت بدل رہی ہے
 کہیں کیو ہے آج حال، وہ بات جو اسکو کل رہی ہے
 مری طبیعت ملی ہے ان، انھیں کمانچے میں بدل رہی ہے
 شراب جیسے وہ کر رہے ہیں، انھیں شادون چل رہی ہے
 ہمارا شوق شہادت آخر کسی کے لب سے نئے یہ کبتک
 ”ابھی وہ دامن اٹھا رہے ہیں، ابھی سُر سی سنبھل رہی ہے“
 فغاں کی شورش بڑھی ہے جب سے، نہ ختم ہیں آرزو میں
 جس قدم کیا کسی، دلیں کہ ایک آنکھ سی چل رہی ہے
 ہوا کا بندہ بنا، سخت شکل، کنارہ کش اس سے ہو تو ایدل
 ہوا بہت ہی خواب ہی یہ، جو آج دنیا میں چل رہی ہے
 بُرا ہوا تو وقت کا کہ ہم نے، شراب پینے سے توبہ کی تھی
 وہ دن ہے اور آج کی گھڑی ہے، ہینہ نیت بدل رہی ہے

کسی سے وعدہ وفا کیا ہو، تو کچھ نہیں اطلاع ہسم کو
 ہوائے حق میں تو زندگانی بھر آج کل، آج کل ہی ہے
 رہا ہمیشہ یہ حال دُنیا، کوئی ہے نالاں کوئی ہے خنداں
 کیسکی میت نکل رہی ہے، کسی کی حسرت نکل رہی ہے
 نکلنا حسرت کا دل سے گویا ہے باطنی موت آدمی کی
 اگر یہ سچ ہے تو مر رہا ہوں، کہ میری حسرت نکل رہی ہے
 کہو نہ اس زندگی کو اپنا، کہ اس پہ قابو نہیں کسی کا
 ہمیشہ ملک اجل رہیگی، ہمیشہ ملک اجل رہی ہے
 ہے ساری دُنیا فلک کی شاکی، زمین سے کہتا نہیں نی کچھ
 تمام دُنیا نکل گئی ہے، تمام دُنیا نکل رہی ہے
 خیال میں کچھ سرور سا ہے، نگاہ میں کچھ حین ہے
 یقیناً آئینکا دل کسی پر، کہ پھر طبیعت نکل رہی ہے
 میں صبر اس سے سوا کر دنگا، کرینہ کرتے ہیں ظلم کتنا
 مری طبیعت اٹل رہیگی، مری طبیعت اٹل رہی ہے
 تلی میں نے پر آج آنکھیں، نہ اُلٹی مانیں نہ سیدھی مانیں
 خبر نہیں کون سی تمنا، یہ اشک بست کر نکل رہی ہے
 گو وہ اب گئیں وہ راتیں، گو وہ لوگ بگئیں وہ باتیں

کہ زلزلہ آگیا تو بولے، زمین کروٹ بدل رہی ہے
میں رہا ہوں، تو رو بھی لینے دے، جھکولے ضبط چکے چکے
ترا بگڑتا نہیں کچھ اسیں، مری طبیعت بدل رہی ہے
یہ بار بار، یہ برق لڑاں، یہ ریزش اب قطرہ قطرہ
کرے نہ ذکر شراب کوئی، کہ یونہی نیت بدل رہی ہے
مریضِ فقرت کہ جسکی سانسیں ابھی گئی جا رہی تھیں کل تک
نسا ہے جبکہ وہ آگئے ہیں، طبیعت اسکی سنبھل رہی ہے
نہ جانے کیا ہوا آل منزل، ابھی قدم بھی نہیں اٹھائے
زمین پیرں تلے سے نشر ابھی سے مگر نکل رہی ہے

۲۱

۲۰۴

ہر موئے تن کو عشق سراپا بنائے
پیدا کرے نگے وسعتِ دل ہر سرشک میں
ہم اور ترکِ میکشی، تو بہ جنابِ شیخ!
پھیلاؤ آرزو کے مبارک ہیں عشق میں
وعدہ تو ہم سے جلوہ نمائی کا کیجئے
دیوانہ تم بنا کے انہیں مں ہے ہو کیا
میکش میں انکا چھڑنا دماغ نہیں روا
پیدا کریں گے مرکزِ حست میں انقلاب
جس طرح ہو گا ہم تمہیں اپنا بنائے
اس قطرہ حقیقہ کو دریا بنائے
کیا عاقبت بگاڑ کے دنیا بنائے؟
ہر آرزو سے اک نئی دنیا بنائے
ہم اپنی ہر نگاہ کو موئے بنائے
دیوانے ایک دن تمہیں لیے بنائے
بیباک ہو گئے تو زیادا بنائے
صحر کو مانع، باغ کو صحر بنائے

دوانہ تو ابھی سے اُنھوں نے بنا دیا
 کیا جانیں گے چل کے ہیں کیا بنائینگے
 مانینگے غرق ہو کے محبت میں ہم تری
 دریا اگر نہیں ہے تو دریا بنائینگے
 سیما بگ جو فیض ہے نشرِ شریکِ حال
 ہم ہر زمیں کو عرشِ معلیٰ بنائینگے
 نشر نہ دیتے دل انھیں ہم بھول کر بھی
 کیا تھی خبر وہ اس کا تماشائینگے

۲۰۵

۱۲

غم میں انسان بگڑ جائے تو تقدیر بنے
 جو خوشی چاہے یہاں پہلے وہ لگیر بنے
 قسمتِ غیر کے انداز پہ تقدیر بنے
 جب کہیں جا کے ترے وصل کی تدبیر بنے
 موقلم کو مرے بے حُسن عطا کر وہ کمال
 کوئی تصویر بناؤں، تری تصویر بنے
 لکھ دے کچھ اور غم دوستِ سہمی قسمت میں
 جب کہیں بات مری، کاتبِ تقدیر بنے
 دوسروں کو متحیر ہی اگر کرنا ہے
 پہلے انسان خود اک درد کی تصویر بنے
 میں اُلجھ کر یونہی رہ جاؤں محبت میں تری
 میری ہر آرزو میرے لئے زنجیر بنے
 خود غرض میں نہیں اور دکھا چاہتا ہوں
 سب کی تقدیر بنے، پھر مری تقدیر بنے
 جاگے سوتے جو نظروں سے نہاں نہ کبھی
 پردہ دل پر اک ایسی تری تصویر بنے
 لذتِ قید بھی زنجیر سے کم جھکو نہیں
 کیا ضرورت ہے کہ میرے لئے زنجیر بنے
 عشق وہ ہے کبھی شاہد ہو، کبھی ہوشوہود
 کبھی تصویر بنائے کبھی تصویر بنے
 نہیں آتا تجھے دراصل دُعا کرنا ہی
 ہو دُعا دل سے، تو پیرایہ تاثیر بنے
 ایک بار اور ارادہ ہے کہ تدبیر کروں
 نہ بنے پھر مری تقدیر، کہ تقدیر بنے

ناز تیرا ہوا کہ انداز کہ عشوہ کہ ادا
 آمرے دلین وہ تصویر دکھاؤں تجھ کو
 قصد کرتا ہوں کہ اب ترک دعا بھی کر دوں
 گاہے گاہے جو اسیری میں گزرے میری
 نہیں جلوؤں کی کمی، دیکھنے والا ہو کوئی
 کوئی مفہوم نہ اعمال کا دنیا میں رہے

بن کے تقدیر بگڑتی ہے ہمیشہ نشر
 وہ بگڑنے کو ہوتا رہتا ہے تقدیر بنے

۱۹

۲۰۶

یہ حال تیری عاشق خستہ جگر کا ہے
 لاکھوں شب فراق ہزاروں شبصال
 میں بیکتا ہوں جلوہ محبوب لیں آج
 قلت نہیں ہے جلوہ محبوب کی یہاں
 اٹھکھلیا تو دیکھے کوئی اسکی ہر طرف
 فصلِ خزاں کو باغ میں لے ہی کیوں یا
 کیا پوچھتے ہو حال، مریض فراق کا
 بیہوش ہم ہوئے تو ہماری خطا نہیں
 خوشبو تمام چھوڑ لی غائب ہو باغ سے

گذری جو پہ شام تو خطرہ سحر کا ہے
 قصہ عجیب زندگی مختصر کا ہے
 جانے یہ واقعہ ہے کہ وہو کا نظر کا ہے
 دنیا میں خط تو نقطہ اہل نظر کا ہے
 گویا تمام بلغ نسیم سحر کا ہے
 کیسا یہ انتظام نسیم سحر کا ہے
 ہر سانس کہہ ہی ہوا دادہ سحر کا ہے
 سارا قصور سہیں تمہاری نظر کا ہے
 اسہیں ضرور ہا قصہ نسیم سحر کا ہے

انداز آج اور ہی در و جگر کا ہے
ایمان سے کہو اب ارادہ کدھر کا ہے؟
کھٹکانہ شام کا ہے نہ دھڑکا سو کا ہے
کتنا لحاظ دل کو ہمارے جگر کا ہے
لیکن سوال ایسے بھی کجغت اثر کا ہے

اللہ کیے ہوگی بسر رات، ہجر کی
مسجد تمھاری یہ ہے۔ وہ میخانہ میرا شیخ
واللہ زندگی کج بھی ہے خوب چیز
بڑھتا ہے میں تو بڑھتی ہے میں نہیں
کچھ دن سوچتے ہیں عاویس کام میں

نشر یہ جرات دل دیوانہ دیکھئے

۱۵

مشتاق پھر تبسم دیوانہ گر کا ہے

۲۰۶

جو کچھ ہو محبت کا یہ دستور نہیں ہے
کب جلوہ ستور سے معمور نہیں ہے
دل نشتر الفت سے مگر چور نہیں ہے
دل میرا یہ کتاب دہن و ہن نہیں ہے
دنیا کا کوئی حال بدستور نہیں ہے
دُور میں بھڑائی یہ فہام تو نہیں ہے
منزل پہنچ جاؤں کچھ دُور نہیں ہے
جلوے کے لئے تیری فقط طور نہیں ہے
زخمِ دل عاشق ابھی نامور نہیں ہے
دل ہو، یہ کوئی جلوہ گہ طور نہیں ہے

باویں، ہمارا دل رنجور نہیں ہے
کب قلب مرا جلوہ گہ طور نہیں ہے
یہ جھوٹ نہ بولو نگا کہ مخمور نہیں ہے
تم ملنے کو کہتے رہو منظور نہیں ہے
قائم ہو اک حال یہ کیوں زندگی میری
ہم بھولتے ہی بھولنے اپنی غلش عشق
دل منزل مقصود کی دیتا ہو گواہی
کیوں حضرت سہی کی طرح جان پہ کیلوں
کمد کہ جفا و نہیں اضافہ ہو ذرا اور
بخون میسر ہے یہاں جلوہ محبوب

کیوں کرنے لگا شکوہ ناکامی قسمت
 کیوں پہ نظر ہے تری، امی برقی شیر بار
 اب مجھ کو ملے، یا نہ ملے، یہ مری قسمت
 اللہ غنی، شورش و ہنگامہ دینا
 آخر یہ فنا قبل فنا کیوں نہیں ہوتا
 دراصل کمی دیکھنے والوں کی ہی، ورنہ
 آنکھیں مری ہوں اب میں مہر و کہ بید
 دنیا کی محبت میں یہ انصاف ہے کیا؟
 دل لیکے کبھی تم نے نہ پرانے وفا کی

واعظ میں کہاں دم کہ اسے پی کے نشتر

۲۰

۲۰۸

یہ بادہ عزم، بادہ انگور نہیں ہے
 بہم نشاط و غم روزگار دیکھا ہے
 کسی کے وعدوں کو نا استوار دیکھا ہے
 گل شکستہ کے پہلو میں خار دیکھا ہے
 عجیب تیر ہے، تیر نگاہ بھی ظالم
 پس فنا تو قیامت کا انتظار نہ ہو
 جب اعتبار کیا، انتظار دیکھا ہے
 اب اضطراب و جلی کو ہو کہ صد ہی نہیں
 نگاہ ملتے ہی سینے کے پار دیکھا ہے
 مری تڑپ کے مزے کچھ سمجھ سکیگا وہ ہی
 تمام عمر تر انتظار دیکھا ہے
 بس ایک بار مجھے بقرار دیکھا ہے
 تڑپ میں جس نے جہان قرار دیکھا ہے

وصال یار کی ہم کو نہیں خبر ہم نے
 کلیم و طور کے قصے کا حاصل یہ ہے
 وہ ہی مرے غم فرقت کا لطف سمجھیں گے
 خوشی کے لطف لئے ہیں غم محبت میں
 اب انتظار مرا، تو بھی تاقیامت دیکھ
 اُنک پینے کی آبی جو جب میرے دل میں
 خوشی و غم ہیں مانے میں واقعی تو ام
 ہوا ہے مجھ کو گماں یہ کہ قافلہ ہے مرا
 مجھے تاروں کے آخر نہ رشک ہو کیونکہ
 ہیں ہزار و خزاں کیا کہ ایک ہیں نون
 نثار مست نظر پر تری، بتا سانی
 نگاہ یار نے کیا کر دیا، خدا معلوم
 نہیں ہیں بس میں ہم اپنی تو ہم یہ چیر کیا
 تڑپ وہ دلیں مٹتی ہے کہ برق چہرہ شا
 صبا بغیر بچائے نہیں ہی ہے اسے
 مچل ہی ہے تنہا گناہ کی دل میں
 ہے حُسن کی ہمہ سونی کا اعتراف مجھے

تمام عمر غم انتظار دیکھا ہے
 کہ مطلقاً نہیں دیکھا، ہزار دیکھا ہے
 جنہوں نے دو و خزاں کو بہار دیکھا ہے
 خزاں کو ہم نے برنگ بہار دیکھا ہے
 کہ میں نے بھی تو ترا انتظار دیکھا ہے
 تمام باغ پر ابر بہار دیکھا ہے
 وصال میں بھی غم انتظار دیکھا ہے
 جہاں غبارِ سر رکھنا دیکھا ہے
 تمھیں تاروں کے بے اختیار دیکھا ہے
 ہزار بار خزاں کو بہار دیکھا ہے
 ہمارے کا بھی بادہ غوار دیکھا ہے؟
 اور سوچ لطف یہ ہوا کیا دیکھا ہے
 کسی کو عشق میں با اختیار دیکھا ہے؟
 کبھی جو دلیں سکون قرار دیکھا ہے
 جہاں محو چرخ مزار دیکھا ہے
 ہوا کی گود میں دامن یار دیکھا ہے
 جد ہر گھٹی ہے نظر روئے یا دیکھا ہے

قسم نہ کہا کہ تُو ستور ہے نگاہوں سے
یہ انکی قبر نہیں وصل گاہ ہے نشتر
ہزار بار تجھے حسن یار دیکھا ہے
جنہوں نے قبر کو آغوشِ یار دیکھا ہے

شکایتِ غم ہستی فضول ہے نشتر

۲۶

۲۰۹

خزاں بھی دیکھ، جو دور بہار دیکھا ہے

تیار کہاں کوئی مصیبت کے لئے ہے
یہ زندگی دنیا کی قناعت کے لئے ہے
اللہ کے بندے، کبھی سوچا ہے یہ تو نے
جس دلیش ہو عشق وہ رخصت ہو یہاں سے
پتھر ہے وہ ل، جس میں نہ ہو دردِ محبت
کننے کو شبِ ہجر شبِ ہجر ہے میری
کھاتے ہیں بس اس ہستی ہو ہوم سے دھوکے
شہرت کی حقیقت نہیں معلوم کسی کو
ہم ہیں کہ قیامت ہے ہمارے لئے ہر صبح
ہم کو گلہ جوڑے کیا عشق میں مطلب
کمدو کہ ہمیں وصل کے ارمان نہ چھڑیں
کیا پوچھتے ہو راہِ محبت کے مظاہر
دنیا سے کہو اپنا کر شمع نہ دکھائے
دیوانہ جسے دیکھے راحت کے لئے ہے
انسان سمجھا ہے حکومت کے لئے ہے
کچھ پاس تھے روزِ قیامت کے لئے ہے
دنیا ہے محبت کی، محبت کے لئے ہے
انسان کا دل دردِ محبت کے لئے ہے
اندازِ مگر روزِ قیامت کے لئے ہے
اندازِ بظاہر، جو حقیقت کے لئے ہے
بتاب جسے دیکھے شہرت کے لئے ہے
سننے تھے کہ اک روزِ قیامت کے لئے ہے
کیا سنہ میں با انکی شکایت کے لئے ہے
دل وقف ہمارا غمِ فرقت کے لئے ہے
جو ذرہ ہے، اندازِ قیامت کے لئے ہے
یہ بیج مری چشمِ حقیقت کے لئے ہے

ہر چہ کچھ اندازِ محبت کے لئے ہے
 سامانِ بہت دیدہ عبرت کے لئے ہے
 کہتے ہیں جسے حوڑہ جنت کے لئے ہے
 نادانِ محبت تو محبت کے لئے ہے
 اسکی بھی ضرورتِ مری فطرت کے لئے ہے
 ہاں شرط مگر ضبط، محبت کے لئے ہے

کس طرح کروں انکی جفاؤں کی شکایت
 انسان نہ دیکھے تو یہ تقصیر ہے اس کی
 کہتے ہیں انھیں حوڑا تو کہتے ہیں ہنس کر
 مطلب کی محبت کو محبت نہیں کہتے
 جلتا ہوں اگر سوزِ محبت میں تو غم کیسا
 ممکن نہیں تاثیرِ سر دکھائے نہ محبت

راحت کی تجھے فکر مناسب نہیں
 تکلیف یہاں طالبِ راحت کے لئے ہے

۲۱

۲۱۰

یہ ہستی بے معنی، دشوار نہ ہو جائے
 "اقتدار" کہیں اُنکا "انکار" نہ ہو جائے
 اک روز کہیں یہ بھی میخوار نہ ہو جائے
 دل سعیِ تمنا سے بے زار نہ ہو جائے
 مرنے کے لئے جب تک تیار نہ ہو جائے
 مرنا بھی کہیں اک دن دشوار نہ ہو جائے
 دُنیا سے کہیں رخصت بیمار نہ ہو جائے
 جب تک رُخِ روشن کا، دیدار نہ ہو جائے
 عاشق کی طبیعت پر، جو بار نہ ہو جائے

دل تیری تمنا سے بے زار نہ ہو جائے
 حق میں تیرے زہرے دلِ صرار نہ ہو جائے
 واعظ کی زباں پر ہے، ہر دمِ مومنا نہ
 ہر سعی جو کرتا ہوں، ہو جاتی ہے لا حاصل
 انسان کو جینے کا کچھ لطف نہیں آتا
 جینا تو محبت میں دشوار ہی ہے مجھ کو
 کہتے ہیں چہ چاہو وہ آئے وہ آہو نیچے
 موسیٰ نہ سمجھ لینا، جھپکیں گی نہ یہ آنکھیں
 اے فطرتِ غم پیر، غم دے، مگر اتنا دے

ہرے بدن جب تک سرشار نہ ہو جائے
 پروہ یہ کہیں بڑھکر، دیوار نہ ہو جائے
 آسان تو کیا ہوگا، دشوار نہ ہو جائے
 اعلان یہ کر دو جو میخوار نہ ہو جائے
 مرنے کے لئے دنیا تیار نہ ہو جائے
 یہ ذوقِ نظر خود ہی دیوار نہ ہو جائے

اس ٹرے نہیں آتے، وہ خواب میں بھی لکھتے

۱۶

خوابیدہ مری قسمت، بیدار نہ ہو جائے

کیوں نہ دیے صدقے، سب لعل و گہر تو نے
 بے طرح تیا ہے، اے درِ جب کر تو نے
 یہ سیکھ لئے کس سے اندازِ نظر تو نے
 کس کام یہ آئیں گے، بنوائے جو گھر تو نے؟
 سب آئے خبر لینے، لیلیٰ جو خبر تو نے
 کس وقت جگایا ہے، اے مرغِ سحر تو نے
 احسان کئے، کیا کیا اے دیدہ تر تو نے
 اس کو بھی کبھی سوچا اے بندہ زرد تو نے
 کیوں مجھ کو دیا تھا پھر، ارمانِ نظر تو نے

یہ مستِ نظر مجھ سے اپنی نہ ہٹا ساقی
 ہے شرم و حیا نکلی، اک پردہ روز افزوں
 جینا مرا فرقت میں اے ضبطِ تری ہاتھوں
 میخانے میں آتا ہے اب ساقی میخانہ
 مرنے ہی ملنے کا وعدہ نہ کراے ظالم
 بیتابیِ نظارہ، اتنی بھی نہیں اچھی

۲۱۱

وہ آئے توخت کی، اے دیدہ تر تو نے
 رکھا ہے مجھے مضطر، آٹھ آٹھ ہر تو نے
 پڑتے ہی نظر لوٹے، سب قلبِ جگر تو نے
 سوچا کبھی اتنا بھی کوتاہِ نظر تو نے؟
 دنیا کی نظر بدلی، پھیری جو نظر تو نے
 وہ خواب میں تھے میرے کچھ تھکوا خبر بھی ہے
 بھولے ہیں بھولینگے، جبے وقت پڑا ہم پر
 تو بندہ خالق تھا، تو مالکِ ہستی تھا
 محرومیِ نظارہ قسمت میں جو لکھی تھی

اک روز دکھانا تھا، تجھ کو رخ روشن بھی
تو مجھ کو سلاتی تھی، کل تھکیاں دے کر
سب راز محبت کے، دُنیا پہ کئے ظاہر
تاریکی مروت میں، کیا حال مرا ہوتا
ارمانِ تجلی میں آنکھوں کو بھی رو بیٹھا
ہے حرفِ تری اور یہ ہوشِ تراے دل
آثارِ محبت کے، آدابِ محبت کے
برداشت کی طاقت بھی، یا رب مجھ بچائے
جب ان کو ترے غم میں بے کیف گزرنا تھا

جب اہ دکھائی تھی، یوں شام و سحر تو نے
اب خاک اُڑا دالی، اے بادِ سحر تو نے
کچھ دیدہ تر تو نے، کچھ دردِ جگر تو نے
احسان، کہ بخشے ہیں، کچھ داغِ جگر تو نے
رکھنا کہیں کل بھی، اے ذوقِ نظر تو نے
سمجھا ہی نہیں اُنکا، ایمائے نظر تو نے
اٹھ اٹھ کے بنائے ہیں، اے دردِ جگر تو نے
بخشا ہے اگر مجھ کو، یہ دردِ جگر تو نے
دُنیا میں بنائے تھے کیوں شام و سحر تو نے

پیری کا یہ عالم اور یہ بے خبری نشتر

۱۸

۲۱۲

اب سونے کی ٹھانی ہے، ہنگامِ سحر تو نے

یوں ہی ہو کر ٹپے دل رنجور ہے
آکھ تیرے نور سے معمور ہے
— شمعِ ڈالے کاش اس پر روشنی
— لاکھ تدبیریں کرے، کیا فائدہ
دیکھتی ہے آنکھ، دل کو ہے سرور
زخمِ دل رستا رہا یوں ہی اگر

اب اگر چھپڑا تو چکنا چور ہے
ساری دُنیا اب نظر میں طور ہے
کیوں حسینوں سے وفا کا فور ہے؟
آدمیِ تقدیر سے مجبور ہے
کوئی پیتا ہے، کوئی مخمور ہے
کچھ دنوں میں دیکھنا نا سور ہے

اب کہاں منزل ہماری دُور ہے
 ایک میں ہوں، اک دل رنجور ہے
 اب تغافل بھی مجھے منظور ہے
 جو تجھے منظور ہے، منظور ہے
 آج آخر کیا تمھیں منظور ہے؟
 پوچھا ہوں سب سے کتنی دُور ہے
 کون کہا ہے قیامت دُور ہے
 یہ بھی کوئی شربت انگوڑ ہے
 دل یہی کہا ہے، ولی دُور ہے
 زندگی میری اگر منظور ہے
 بے وفائی حُسن کا دستور ہے
 شام ہی سے دردِ دل کا فور ہے
 ورنہ منزل میری کتنی دُور ہے
 حُسنِ یوسف ہے جمالِ حُور ہے

منزل مقصود نشر کیا ہے

۲۱

راہ کا ملنا ہی کو سول دُور ہے

نہ سب فلک کیلئے ہیں نہ سب زمیں کے لئے
 کوئی کہیں کے لئے ہے، کوئی کہیں کے لئے

دل نے اب منزل کی بہت بازہ لی
 دیکھیے کیوں کر کٹے فرقت کی رات
 عشق کی سب غامیاں جاتی رہیں
 جا بھی پر چھوڑتا ہوں اپنے کام
 ایسی سچ و نچ۔ اللہ اللہ یہ بکھار
 محبت دیکھو، پوچھ کر اُن کے گھر
 اُٹھ رہے ہیں ہر طرف شور و فساد
 واعظ اور بادہ کشی، توبہ کرو
 دل سے ملنے کو دے دیتے ہیں، مگر
 کر بھی دے مجھ کو شہید تیغِ ناز
 تار واپے بے وفائی کا نگلہ
 ہونہ ہو وہ آج آئیں گے ضرور
 دوسووں سے بڑھائیں دشواریاں
 اللہ اللہ یہ ترانگہ شباب

۲۱۳

نہ یہ فلک کے لئے ہے، نہ یہ زمین کے لئے
 ہے دل تمہارے، تم دلِ حزیں کے لئے
 تمام ملک پہ قبضہ کرے تو کیا حاصل
 خدا کرے، وہ ہمارے یہاں بھی ہو جائیں
 جہاں تمہارے قدم پڑ گئے ہیں دنیا میں
 ہماری پیش نہیں چلتی، اپنے دل سے کبھی
 یہ، روزِ اہل جہاں کے خلاف رہتا ہے
 تجھے جگہ بھی بتانی تھی سجدے کی یا رب
 سوال میں کسی اُمید پر نہیں کرتا
 لگانے کو تو لگا آسمان میں پیوند
 جنوں کے جوش میں جب کچھ کمی ہوئی محسوس
 جب اتنا ہے ترا ایک، پھر یہ کیوں یا رب
 دفاتے یا رب بھی ہوگی جہائے یار کے بعد
 نہ جانے آج میں قدموں پہ گر پڑا کس کے
 خدا کی واسطے اک بار اور جلوئے حسن
 کہو فضا کو چمن سے کہ اب اجازت دے
 خدا کے ہاتھ ہے، پہونچائے یا نہ پہونچائے

ہے اُنکا نقشِ کفِ پا، مری جبین کے لئے
 مکیں مکاں کے لئے ہی، مکاں مکیں کے لئے
 ہے عاقبت تو بٹ جندِ گز زمین کے لئے
 جو اپنے گھر سے چلے ہیں ابھی کہیں کے لئے
 فلک بھی آج تر پناہ دے زمین کے لئے
 اتنی کیا کریں اس بارِ استیں کے لئے
 کوئی فلک ہو نیا، اب تو اس زمین کے لئے
 جو شوقِ سجدہ دیا تھا مری جبین کے لئے
 ہے اک بہانہ فقط آپ کی نہیں کے لئے
 مگر نہ بھول کہ آخر ہے تو زمین کے لئے
 گلوں مانگ لئے چاک، آستیں کے لئے
 جگہ جگہ ہے تعین، جبین جبین کے لئے
 ہے یعنی زہرِ مقدم اس انگلیں کے لئے
 کہ میرے سجدوں نے بوسہ مری جبین کے لئے
 ہیں ہم میں بھی گنجائشیں یقین کے لئے
 میں بقرار ہوں، اک آہ آستیں کے لئے
 چلا ہوں لے کے دلِ کھل جبین کے لئے

لگا رکھی ہو بس اک سانسِ اُپس کے لئے
ثبوت چاہئے دنیا کو کچھ یقیں کے لئے
نہیں ہے بند طبیعت کسی زمین کے لئے

خدا کے واسطے کدو وہ جلد آجائیں
کبھی کبھی ہے ظہورِ جمال بھی لازم
طفیلِ حضرت سیما ب اکبر آبادی

نہ جانے ضبطِ محبت نے کیا کئے نشتر

۲۲

۲۱۴

اتنی پھر اُسی محفل میں اب ہم جائیں کس دل سے
نظر آئی میں سائے رنگ اس دنیا کے باطل سے
صد البتیک کی آنے لگی ماحولِ منزل سے
کبھی لوٹے نہ اُس دل سے کئے محفل میں جن دل سے
وہیں تہا ہے دل اور ہم چلتے ہیں محفل سے
جو ارماں لیکے آئے تھے، لے جاتے ہیں محفل سے
نہ میرا راہبر کوئی، نہ میں آگاہِ منزل سے
کہ ہم اُٹھتے ہیں محفل لیکے، جب اُٹھتے ہیں محفل سے
نہیں معلوم ہم نزدیک ہیں یا دورِ ساحل سے
نہ جانے کیا نکل جائی، ہمارے غم بھرے دل سے
تا شاعر بھر دیکھا کرے یوں کون ساحل سے
کبھی جاتا ہوں محفل میں کبھی آتا ہوں محفل سے

بہت یادوں کو کل اُٹھے تھے انہی محفل سے
نگاہیں پہ جب الی ہیں ہم نے دیدہ دل سے
جہاں منزل کی جانب قدم بھی کھدے دل سے
شکایت ہی رہی ہم کو ہمیشہ تیری محفل سے
کبھی ایسا نہیں تاکہ واپس آئے ہوں دل سے
دیکھا کوئی ہم سا بھی تجھے محرومِ شکل سے
مری گمراہی منزل کوئی پوچھے مرے دل سے
ہمارے بعد محفل میں کوئی رونق نہیں رہتی
تلاطم بھی وہی ہے، اور موجوں کے تپیر بھی
بلایا ہے شبِ فرقت، نہ آئیں وہ تو اچھا ہو
ارادہ ہے کہ کشتی ڈال دوں طوفانِ ہستی میں
نہ جانے کب نجات اس دردِ شد سے مجھے ہوگی

نہیں واقف، میں گناخی مٹا، آدابِ محفل سے
 بنو گنا خاکِ محفل پھر، بنا تھا خاکِ محفل سے
 قریب منزل مقصود، ہے بیزار منزل سے
 کہیں بھٹکا ہوا تو میں نہیں ہوں ادا منزل سے؟
 تری تصویر سے کچھ شور ہے ہوتے ہیں کچھ دل سے
 بلاٹ پر بلاٹ آئے ہیں کوپے قاتل سے
 کہیں جانے لیتے ہیں اجازتِ شمعِ محفل سے
 نتیجہ یہ نکالا اضطرابِ شمعِ محفل سے
 نظر آتے نہیں اب اہل محفل، اہل محفل سے
 مری کشتی غمِ مل جائیگی آغوشِ ساحل سے

بہت دشوار ہے ملکِ عدم کا راستہ
 نلے تو مانگ لو تھوڑا سا دمِ شمشیر قاتل سے

۲۳

مہرِ چرخِ پڑہ ہے، پھر پردہ دری کیوں ہے؟
 جسکے تجھ دیکھا ہے، دُنیا نظری کیوں ہے؟
 پھر پوچھا ہے خود ہی، یہ بخبری کیوں ہے؟
 یہ شاخِ ہری کیوں ہے، وہ شاخِ ہری کیوں ہے؟
 خاموش فضا ساکن، بادِ سحر کیوں ہے؟

نہ برہم ہو مری بیا کیوں پر صاحبِ محفل
 کہا جاؤں، اٹھا تا ہے مجھے کیوں صاحبِ محفل
 ذرا توفیق ہے نل کو یارب اور بہت کی
 نہیں ملتی ہے مجھ کو منزل مقصود کیوں آخر
 شبِ غم کاٹتے ہیں بلج نہی ہم باتوں تو نہیں
 مری سائیں نہیں ہیں دعوتِ شوقِ شہاد ہیں
 ضرورت کب نویدِ برہم کی ہوتی ہے عاشق کو
 یقیناً اسکے دلیں بھی ہے سوزِ عشقِ پروانہ
 قیامت ہو گیا محفل میں اُنکا بے نقاب آنا
 خدا جس روز ہو جائیگا میرا نا خدا نشر

۲۱۵

ہر چیز میں چُپ چُپ کر، یہ جلوہ گری کیوں ہے؟
 دُنیا کے محبت تو، جلووں کیوں ہے؟
 خود بے خبر دُنیا کرتا ہے ہیں ظالم
 کیا شاخِ نشیمن ہی سے لاگ خزاں کو تھی
 بیمارِ محبت پر، کچھ بیت گئی شاید

خاموشی بھی تک لے مرغ سحر کیوں ہے؟
 تبیر سے بے بہرہ، خواب سحر کیوں ہے؟
 اعمال کی یہ کھیتی، ہرقت ہری کیوں ہے؟
 اس گک میں صدقے، یہ نوحہ گری کیوں ہے؟
 مرنے پر آئے دن یہ نوحہ گری کیوں ہے؟

فتمت کی طرح میری کیا خواہیں ہے تو بھی
 اشد نہیں آتا کیوں آج بھی وہ ظالم
 ڈر اس کو نہ پالے گا، خوف اس کو نہ پھر کا
 عاشق کو مٹا کر تو آرام سے سونے دو
 کب سمجھ گی یہ دُنیا مرنے کی حقیقت کو

نشر ترا دل کیونکر سمجھوں کہ نہیں آیا

جو بات تو کہتا ہے، وہ درد بھری کیوں ہے

۲۱۶

۱۱

ہاں گور ہے تو نگاہ غلط انداز میں ہے
 ایک روانِ محبت مری آواز میں ہے
 جانے کیا کیا مری ڈوبی ہوئی آواز میں ہے
 مجھ سے پوچھو جو مزہ حسرت پر آواز میں ہے
 لطف پر واز مجھے حسرت پر آواز میں ہے
 میرا انجام نہشتہ، مرے آغاز میں ہے
 سچ کہا ہے کہ اثر درد کی آواز میں ہے
 چارون کی ہے یہ تکلیف جو آغاز میں ہے
 نقص جو کچھ ہے، امری ہمت پر آواز میں ہے
 نقص ہے میری سماعت میں کہ آواز میں ہے

لطف انجام میں کچھ ہے، نہ کچھ آغاز میں ہے
 نغمہ حسن ترا جب سے مے ساز میں ہے
 حسرتیں بھی ہیں، تمنائیں بھی، یاوہی بھی
 جن کو ہے موقع پر واز وہ کیا سمجھیں گے
 رات دن ہے جو اسیری میں تصور اس کا
 دوسرا نام قضا کا، ہے حیات جاوید
 آج کرنا ہی پڑا جسم اُنھیں آخر کار
 روزیہ کہہ کے دل زار کو بھلاتا ہوں
 آستانِ تیرا بلندی میں کوئی عرش نہیں
 کچھ دنوں سے نہیں تیں وہ صدائیں دل کی

میری آواز نہیں ہے مری تنہا آواز
 جانے انجام محبت میں ہو کیا حال مرا
 عشق تیرا میں چھپاؤں تو چھپاؤں کس سے؟
 ظلم کرنے تو لگے ہیں وہ، مگر رُک رُک کر
 جان کو کھیل سمجھنا، نہیں ہر شخص کا کام
 کیا کروں چلکے طریقوں پہ ترے اے زاہد
 عشق سے حُسن کا دیکھتے تو کوئی استغنا
 کس باں سے ہو ادا شکر تصور تیرا
 عمر بھر کوئی پکارا کرے لا حاصل ہے
 کاش ہوت وہ آجائیں، تو کہہ لوں ل کی
 تم اور آواز کو شکر نہ تڑپ جاؤ مری
 اک نظر دیکھ لیا جس کو، اُسے جیت لیا
 آرزوؤں سے گھرے قلب کا ہیجان پوچھ
 عمر بھر ہم کو تو فرقت میں تڑپتے گزری
 ہر نفس کشمکش دل کا پستہ دیتا ہے
 کیا کہوں لطف جو گویائی کا حاصل ہے مجھے
 فے کے انسان کو سب کچھ، نہ دیا کچھ تو نے

تیری آواز بھی شامل مری آواز میں ہے
 شدت مرگ، مری کاہش آغاز میں ہے
 ساری دنیا تو مرے دائرہ راز میں ہے
 میرا انجام محبت ابھی آغاز میں ہے
 کوئی تو دلولہ پروا نہ جاننا میں ہے
 تیرے انجام میں جج ہے، مے آغاز میں ہے
 ہم پریشان ہیں، وہ جلوہ گہ ناز میں ہے
 میں میری میمنوں دل عالم پُرازیں ہے
 ہوا اگر دل سے تو کام ایک ہی داز میں ہے
 آج کچھ درد زیادہ مری آواز میں ہے
 کیا کروں اس کو کہ خامی مری آواز میں ہے
 جانے کیا سحر تمہاری نگہ ناز میں ہے
 ایک نعمت ہے کہ جو کشمکش ساز میں ہے
 لوگ کہتے ہیں اثر درد کی آواز میں ہے
 آج نعمت کوئی بیتاب مے ساز میں ہے
 جب خاموشی بھی داخل مرا آواز میں ہے
 راز کی بات بھی جو کچھ، وہ ابھی راز میں ہے

جلیوں نے شکایت، نہ خواں سے شکوہ
میں جب ل سے پکارا ہے سنا ہے اُس نے
بے مزہ درد نہیں یوں تو کبھی بھی نشتر

یعنی تقدیر چین، دست چین سازیں ہے
ایک تاثیر کی دنیا مری آوازیں ہے
وہ مزہ اور ہے، جو درد کے آغاز میں ہے

دیکھتا ہوں یہ تماشا کے چین اے نشتر
کوئی اڑتا ہے کوئی حسرت پرواز میں ہے

۳۱

۲۱۷

ایک قاتل، کہ نہیں رحم بھی بسمل کے لئے
دلخ کیوں عشق مہیا نہ کرے دل کے لئے
ذبح کرتا ہے تو کو ذبح مجھے ہنس ہنس کر
چار چھ جام لبالب، مے اچھے ساتی
قصر دریا میں کوئی سانحہ شاید گذرا
جان پر دانت قضا کا ہے بہت مدت سے
کیوں خفا ہے جو فنا ہو گئے پروانے چند
کوئی پروانہ نہ مرنے کی ہوس میں مڑتا
اس کو آسپ نظر کہا گیا ہوتا کب کا
وعدہ دید قیامت پہ اگر تھا موقوف
کیون پروانے بنے، جبریت محفل یارب
مٹا شئی جو خدا کے ہیں عنہم دنیا میں

ایک بسمل، کہ مرا جاتا ہے قاتل کے لئے
روشنی چاہئے تاریکی منزل کے لئے
کچھ تو تفریح کا سامان ہو بسمل کے لئے
گھر سے نکلا ہوں، ذرا وعظ کی محفل کے لئے
آج بیتاب ہر اک موج، ہر ساحل کے لئے
کاش محفوظ رہے نجو قاتل کے لئے
تجھ کو ساماں تو ملا گرمی محفل کے لئے
شمع اک ایسی بھی جوتی تری محفل کے لئے
آج اگر داغ نہ ہوتا مہ کامل کے لئے
کچھ تجھے صبر بھی دینا تھا مردل کے لئے
یہ تو آئے تھے یہاں زینت محفل کے لئے
مضطرب تھے ہیں یا میں بھی ساحل کے لئے

نہ کوئی ساتھ میں رہ رہا ہے، نہ منزل کا پتہ
 باغیاں اس کو بہتر ہے کہ لے چل کا نئے
 کون آوارہ مری طرح ہے منزل کے لئے
 پھول کھلائے ہوئے اور غنا دل کے لئے
 کچھ جگر کے لئے، کچھ دردِ سر دل کے لئے
 دیدے دونوں کو برابر سے، تو مٹ جائے گلہ

فرق انسان و بھائم میں نہ ہوتا شتر

۱۶

دردِ ملت نہ موتِ درد سے اگر دل کے لئے

۲۱۸

تمام درد نہ کر چشمِ ناز رہنے ہے
 نہ کچھ دل مرا لے چشمِ ناز رہنے ہے
 ابھی جگر میں مرے تیر ناز رہنے ہے
 نگاہِ ناز کو مصروفِ ناز رہنے ہے
 نہ ہے آئی ہر اک بواہوس جذبہ شوق
 کراٹھات نہ ظاہرِ خبا کے پردے میں
 میں اپنے دارِ محبت کو راز ہی رکھوں
 سرودنے ترے مطرب، ابھاری حُسن
 کسی کو اور ہوئی ہو تو ہو مجھے بھی شفا
 نہیں ہوں لے اگر روزہ و نماز ترے
 میں جانتا ہوں حقیقت کو بھی مجاز کو بھی
 میں لطفِ سحرِ تری مستی کے کیوں ہو محروم
 دل اور در میں کچھ امتیاز رہنے ہے
 بہت ہیں سینِ نشیب و فراز رہنے ہے
 ٹھہر ٹھہراے او جلد باز رہنے ہے
 کسی کو بھی نہ کہیں پاکباز رہنے ہے
 مذاقِ عشق میں کچھ امتیاز رہنے ہے
 جو ہے یہ راز تو اب اس کو راز رہنے ہے
 تری نگاہِ محبت جو راز رہنے ہے
 یہ ہی ہے ساز و تیرا، تو ساز رہنے ہے
 علاجِ دردِ جگر، چارہ ساز رہنے ہے
 خدا کی واسطے روزہ نماز رہنے ہے
 جنونِ شوق ابھی امتیاز رہنے ہے
 ذرا سا ہوش تو لے چشمِ ناز رہنے ہے

عجب سکون محسوس کر رہا ہوں میں تو میرے دل پہ یونہی دستِ ناز ہے
جو بے نیازِ خودِ کر دیا ہے، جوشِ جنوں تو کچھ دنوں مجھے اب بے نیاز ہے
دُعا ہوئی کا در ہے اگر بڑھے آگے نگاہِ ناز کو تاحِ ناز رہنے ہے

دلِ حزیں کی قفاں کے مزے اٹھاؤ

۱۶

۲۱۹

دراز ہے جو شبِ عنس دراز رہنے دے

کیوں ہم کسی سے پوچھیں تیرا کہاں نشان ہے؟
تیرا سچنے والا، کوئی یہاں کہاں ہے؟
ہر آدمی پہ یارب کیاں تو مہرباں ہے
دل پر یہ ظلمِ ہر دم، شایاں نہیں ہیں جھکو
عشق اور بدگمانی شاید الگ نہیں ہیں
ہر خندِ دل کو اپنے رکھتا ہوں خوش میں لیکن
صیاد اس کی دہن میں بجلی کو اسکی حسرت
قیدِ مئی فصلِ گل سے، شغلِ نفس نہ پوچھو
پہلو میں لے ہو، دلیں گھر ہے مرے خدا کا
گر مئی زلیتِ میری، قایم ہے جب اسی سے
جبکہ زباں نے میری، سیکھی ہے بے زبانی
غم کے مقابلے میں، دُنیا کا عیشِ باطل

آخر تو ایک دن ہم، پہنچیں گے، تو جہاں ہے
تشویش میں میں ہے، چکر میں آسمان ہے
دُنیا ہے باغِ تیرا، تو اس کا باغبان ہے
مانا کہ دل مرا ہے، لیکن ترا کہاں ہے
میں سے بدگماں ہوں مجھ سے بدگماں ہے
جو بات پیشتر تھی، وہ بات اب کہاں ہے؟
اور دیکھنے کو ظالم، تنکوں کا آشیاں ہے
یا ذکرِ آشیاں ہے، یا فکرِ آشیاں ہے
یعنی وہ میں توں میں بھی، میرا خدا جہاں ہے
کیونکہ کہوں کہ میری ہر سعی رنگاں ہے
میں توں باں مجسم، ہر موئے تن زباں ہے
اک بے بہار گلشن، اک باغِ بے خزاں ہے

پہلے جو آسمان تھا، اب بھی وہ آسمان ہے
 دو چار دن یہاں ہے، دو چار دن یہاں ہے
 ہر وقت آزمائش، ہر وقت امتحان ہے
 تیری زبان نہیں ہے، ظالم مریٰ باں ہے
 دل ہے اگر سنگت، ہر چیز گستاخ ہے
 یہ شاخ نے نہیں ہے، یہ شاخ آشیان ہے
 لے پردہ دار مجھ کو آواز دے کہاں ہے؟
 چاروں طرف زمیں ہی، ہر سمت آسمان ہے
 اس آشیان سے بہتر اک اور آشیان ہے
 اور کتنے فالے یونہی کتے رہے کہاں ہے؟
 ہر وقت جس چمن کو اندیشہ خزاں ہے
 لوسعی آخری بھی عاشق کی رہ گلاں ہے
 اک سمت ساری دنیا، اک سمت آشیان ہے
 دو دن میں دیکھ لیگا ہر شخص ازداں ہے
 ہم میں قفس کے اندر نظروں میں آشیان ہے
 اور وہ سمجھ رہے ہیں شاید یہ بے زباں ہے

مانا گناہ میرے ہیں بے حساب نشر

دنیا تمام بدلی، کبخت یہ نہ بدلا
 ہر پھر کے درو تیرا ہے، لمبیں ورجر میں
 کب آزا چلکے، یارب وہ میری اُلفت
 جو کھدیا زباں سے، وہ کھدیا زباں سے
 دل خوش اگر ہے اپنا، دشت و چمن ہیں کیا
 لے برق دیکھ ظالم، اسپر نہ آج آئے
 بنزار ہو چلا پھر، میں جستجو سے تیری
 گھبرا کے میں جو بھاگوں، تو جاؤں کس طرف کو
 برباد کیوں ہے غافل، تو آشیان کے پیچھے
 جنگی طلب تھی صادق، وہ پاگئے ہیں تجھ کو
 کیا اُس چمن سے اپنا، دنیا میں دل لگائیں
 وہ نزع کی خبر سے خاموش ہو گئے ہیں
 مانوس کس قدر ہوں میں اپنے آشیان سے
 کتنا ہی راز کوئی اپنا چھپا کے رکھے
 کیا ہم کو قید کر کے حاصل ہوا کسی کو
 نشر مجھے شکایت کرنے کی خونیں ہے

۲۲۰

رحمت بھی تو خدا کی، اک بجز بیکراں ہے

۲۹

جو ملا ہے سب جہاں کو، مجھ کو تنہا چاہئے
 جسکو یہ دنوں میتر ہوں اُسے کیا چاہئے
 جسکو ہم چاہیں جو وہ چاہے، تو پھر کیا چاہئے؟
 اُنکو مطلب ہے تماشے سے، تماشا چاہئے
 آدمی کے دلیس لیکن درد ہونا چاہئے
 عشق والوں کو جُدا اک اپنی فُتیا چاہئے
 موت کو بھی تو بالآخر اک بہانا چاہئے
 نبھ سکے جو عمر بھر، وہ کام کرنا چاہئے
 وہ کسی کا ہنس کدینا کہ ”دیکھا چاہئے“
 کچھ دنوں تو حضرت دل اور دیکھا چاہئے
 عشق میں کیا کچھ نہیں ممکن دلِ ناپا چاہئے
 بھولنے کیواسطے بھی اک زمانا چاہئے
 اب میں سمجھا مجھ کو شاید ضبط کرنا چاہئے
 کچھ تسلی، کچھ تشفی، کچھ دلاسا چاہئے

کیا کہوں تجھ سے کہ مجھ کو درد کتنا چاہئے
 یا دیر می دل کو، اور آنکھوں کو جلوا چاہئے
 پوچھئے دل سے ہماری زندگی کا حاصل
 کیوں جفا سے باز آئیں، کیوں جنائیں چھو دیں
 تم جہاں چھوڑو نہ چھوڑو، یہ تمہیں ہے اختیار
 کیوں میں کھوں، جو ہم آرزو چاروں طرف
 عشق تیرا فطرتاً انسان کی قسمت میں ہے
 ابتدا و عشق میں تم نے وفا میں کیں فضول
 وہ میرا، آنے کے بارے میں کسی سے پوچھنا
 ناامیدی اس قدر بھی عشق میں بھی نہیں
 موت بھی آتی ہے، ملتے ہیں وہ بھی زلیت کے
 چاروں میں بھول جاؤں کس طرح روداد عشق
 اور بڑھ جاتے ہیں ظلم اُنکے، جو کرتا ہوں فغاں
 جو کچھ دن کے لئے رو کو کہ اب دل کو مرے

آرزوئے دید جاناں کر کے نشر کیا کروں
 آنکھ بھی پہلے بہ انداز تماشا چاہئے

۱۵

۲۲۱

فنا ہو جائے جو قبل فنا نبینا اُسی کا ہے
 ارے نادان جس کا باغ ہے صحر اُسی کا ہے
 نہ لوٹے جاگے انکی بزم سے، جانا اُسی کا ہے
 کسی کو چشم دل سے دیکھ لو، جلو اُسی کا ہے
 جو مر جاتا ہے اسکی راہ میں، جینا اُسی کا ہے
 بساط عشق و الفت میں قدم کھانا اُسی کا ہے
 نہ لکھ کر کچھ مکے سب کچھ یہاں کھانا اُسی کا ہے
 جو اپنے سوز سے جل جائے جل جانا اُسی کا ہے
 ہمارا آپ کا جینا نہیں، جینا اُسی کا ہے
 کہ دُنیا بے خدا کی ہے، خدا گویا اُسی کا ہے

جو ادروں کے لئے زندہ ہے، چرچا اُسی کا ہے
 یہ لچھی بیزاری ہے کیوں بارغ اور صحر اسے
 طلب اسکی ہے، جو پروانہ ساں جل جل کے مر جائے
 بھٹکتا کس لئے کوئی پھرے دیر اور کبھے میں
 بشر جینے کو یوں سمجھا کرے دلیں کہ ہے زندہ
 پہونج جائے جو چل کر منزل مقصود تک اپنی
 جے کہنے کی عادت ہے نہیں سنتا کوئی اسکی
 پتنگے شمع پر یوں تو جلا کرتے ہیں محفل میں
 نشاط و غم کا جس پر کچھ اثر ہونے نہیں پاتا
 جو زاہد و عظمیٰ کتاب ہے، تو یہ معلوم ہوتا ہے

جو اس کو اس طرح دیکھے کہ جیسے کچھ نہیں شتر

۲۲۲

۱۱

یہ دُنیا ہے اُسی کی گلشن دُنیا اُسی کا ہے

جو دین بباد ہوتے ہیں تو ایک آباد ہوتا ہے
 چمن بھی اک طرح کا خانہ صیتا ہوتا ہے
 خیال انسان سے اچھا جو آزاد ہوتا ہے
 یہ ہی گھر ہم نے وہ دیکھا، جو بے بنیاد ہوتا ہے
 کہ اب جو چھوڑ دیتا ہے مجھے صیتا ہوتا ہے

کہیں بس انتظام گلشن ایجاد ہوتا ہے!
 اسیر رنگے بوانسان کو رکھتا ہے دُنیا میں
 ہزاروں سب کی انسا کے لئے قیدین میں نہیں
 نہیں اس قلب خاکی کا اطمینان دم بھر بھی
 مرہ قیدِ قفس کا اس آیا ہے طبیعت کو

ابھی جان لینے کے طریقے جانتے کیا ہیں
 ابھی تک جنگلوں میں تعزیت ہوتی ہو مجھ کو
 مصیبت اپنی کس کے سامنے روؤں کہاں؟
 محبت میں جہاں سب رہیں کہ یہ بھی مکمل ہے
 یقیناً کامیابی عشق میں تیرے ہوئی مجھ کو
 ارغوانوں کی موت پر ماتم سے کیا حاصل
 عبث ہوا آشاں کا بیج، بجلی کا گلاب ناسخ
 زمانے کو شکایت ہے کسی کے جو رہیم کی
 تسلی دلو ہو جاتی ہو، بندہ جاتی ہو دھارس
 یہ کیا کم ایک شاعر کے لئے ہے فخر کا باعث
 سخن گوئی زمانہ کر رہا ہے اور کئے جائے
 ترپنے کو نہ نے، اگر نے سے نشر برق کو مطلب

۱۶

۲۲۳ بلا سے اُس کی کوئی خانماں برباد ہوتا ہے

صبح تک مجھ کو جنگنا شام سے
 نام پر جن کے مٹے جاتے ہیں ہم
 ہم تجھے آواز دیں کس نام سے
 بند ہو جاتا ہے رستہ شام سے

صبح شرماتی تھی میری شام سے
 بے خبر میں اپنی اپنی شام سے
 کیوں ڈروں میں کاش لام سے
 ہم کبھی تو سوئیں گے آرام سے
 اپنی جھوٹی دوا لب کلفام سے
 آن گھر اہٹ بہت ہو شام سے
 صبح کی سرحد ملا دے شام سے
 صبح آجاتی ہے ظالم شام سے
 جس طرح سو بوج غبار شام سے
 خم بھرو جاتے ہیں زس جام سے
 کٹ گئی تکلیف یا آرام سے
 کام رکھ نادان اپنے کام سے
 ملگنی فرصت جو شغل جام سے
 دل کو بھر لے عشق کے آلام سے
 دل بھی تو نے بھریا ادھام سے
 اس طرح کھیلو نگا کبتک جام سے
 دل میں جادو بنکر شام سے

صبح مثل شام ہے اب، یا کبھی
 صبح کی رنگینوں کے شیفٹہ
 یہ نہ ہو تو شادمانی پھر کہاں
 جان چھوڑے گی کبھی تو زندگی
 تشنہ کامی یوں میری جا چکی
 دیکھئے کس طرح ہوتی ہے سحر
 شام کا وعدہ ہے اُس سے ایخدا
 وصل کی شب کا کہیں کیا اختصا
 چھپ گیا ہے دل تناؤ نہیں یوں
 ظرف چشم ساتی مستانہ دیکھ
 چار دن کی زندگی کا کیا گلہ
 تجھ کو کیا ایدل جو وہ ہیں بیوفا
 تیری بھی سن لینکے و خط ایک دن
 آنے جائے اس میں نیا کی خوشی
 یونہی کیا کم تھے حجاب اندر حجاب
 خم کا خم ساتی خدا کی واسطے
 ایک ساتھی چاہئے فرقت کی رات

اُسکا ملنا ہے، ملے جو بے غرض یوں تو سب ملتے ہیں پنہو کام سے
 جو اُتر جاتی ہے قسمت سے مری
 ۲۲۴ خود چھلک جاتی ہے شتر جام سے ۲۲۵

رات گذری میری کس آرام سے پوچھ لو آکر چراغِ شام سے
 کلفتِ شہاوتِ فرقت کچھ نہ پوچھ صبح تک بیداریاں ہیں شام سے
 صبح سے تا شام تیرا انتظار رات بھر اخترِ شامی شام سے
 اُن کو دھوکے سے ہلائے ہنشیں وہ نہ آئیں گے ہمارے نام سے
 روزِ جلِ جل کر جلاتا ہے ہیں سخت عاجز ہیں چراغِ شام سے
 کامیابی گر تجھے منظور ہے عشق میں کدِ کام اپنے کام سے
 ونِ محبت کے وہ مجھ کو یاد ہیں صبح کی تیاریاں تھیں شام سے
 جب ہوئی تیری عنایت کی نظر کٹ گئی تکلیف بھی آرام سے
 ہائے یہ ہر وقت تیرا انتظار باز آیا ایسی صبح و شام سے
 آج ساتی آنکھوں آنکھوں میں پلا جام میں نے سے سیدھی جام سے
 مست نظری روک اپنی ساقیا چھلکی جاتی ہے ہائے جام سے
 موت کہتے ہیں جسے وہ ہے فقط سیر ہو جایا غمِ ایام سے
 کس نے شورِ حشر برپا کر دیا سو رہے تھے ہم ٹر ہو آرام سے
 جب میرے گھر پہ سوتے ہیں کبھی صبح بلجاتی ہے ظالمِ شام سے

ہائے یہ غم اور یہ یاس و ہراس
مستی دنیا کو کافی ہے وہ ہی
ہیں جو مست چشم ساقی ازل
چھوڑ کر سب کچھ خدا کی واسطے
موت کے آنے لگے پیغام سے
جو چھلک جاتی ہے میرے جام سے
کیوں ڈریں وہ گردش ایام سے
آج دو باتیں دلِ ناکام سے

یو فادوں سے تجھے چشم وفا

۱۹

باز آنشتر خیالِ خام سے

۲۲۵

سفاک ہے جو آنکھ تو قاتل نظر بھی ہے
اللہ کیا بلا ترا تیرے نظر بھی ہے
زخمی تری نگاہ کے لاکھوں سہی، مگر
یہ دیکھنے کا ڈھنگ تو دیکھے کوئی ذرا
ارمان دیدار تو سبجا نہیں، مگر
خوف خدا نہیں جے، وہ آدمی نہیں
آخر ہمارے واسطے بخل گناہ کیوں
ہو دھوم فصل گل کی چمن میں اٹھو چلو
مانا کہ میرے دل کو بھی تھا فطران لگاؤ
دل لیکے عاشقوں کے تاتے ہو رات دن
جی چاہتا ہے دل کیلئے کچھ دُعا کروں
دید و جان میں تو کروں کیا مضر بھی ہے!
مجرع ضرور ہی نہیں ہے جگر بھی ہے
کوئی ہماری طرح خراب نظر بھی ہے؟
انکی، نظر بھی مجھ پہ نہیں، نظر بھی ہے
پہلے یہ دیکھ لوں کہ مجال نظر بھی ہے
دُنیا اُسی کی ہو جسے خالق کا دہ بھی ہے
تیری ہی تو نہیں ہے، ہماری نظر بھی ہے
لے میکشوبنت کی تم کو خبر بھی ہے؟
لیکن قصور وار تمہاری نظر بھی ہے
آخر تمہیں کسی زمانے میں ڈر بھی ہے؟
اس وقت کچھ سکوں بھی ہو تو بحر بھی ہے

یار ہمارے راہ کی آخر سحر بھی ہے؟
 سمجھا تو نے گھر غافل وہ گھر بھی ہے؟
 اٹھکیا یوں پر آج سیم سحر بھی ہے
 ہم کیا کریں ہیں بھی فوق نظر بھی ہے
 نالے بھی ہیں فغان بھی دعا سحر بھی ہے
 عقی کا ڈر بھی ہے ہیں تیا کا ڈر بھی ہے
 اک مجرہ ہماری دُعاے سحر بھی ہے

کبخت آفتاب کہاں جا کے سو گیا
 قیدِ قفس میں گھر کے لئے رورہا کیوں
 آند جو ہے چمن میں کسی مہرِ حسن کی
 سارا جان جلوہ گرہ طور ہے تو کیا
 ممکن کچھ ہے عشق میں وہ کر رہا ہو میں
 اس کشمکش میں خاک ملے لطفِ زندگی
 آنے سے جنگو عذر تھا، لو وہ خود آگئے

نشر لکھ ہے اُس کے تغافل کا ناروا

۱۹

سب کی خبر جے ہے، تمہاری خبر بھی ہے

۲۲۶

لیکن یہ محبت میں میسر تو نہیں ہے
 مانوس تھا جس گھر میں وہ گھر تو نہیں ہے
 ہوتا مگر انسان کو باور تو نہیں ہے
 ارشاد سے لیکن ترے باہر تو نہیں ہے
 قابو میں ہمارے دل مضطر تو نہیں ہے
 مشکل سہی، امکان کے باہر تو نہیں ہے
 انکی ہی طرف داورِ محشر تو نہیں ہے
 وہ سامنے بھیگا ہوا منظر تو نہیں ہے

بے شک کوئی شے صبر سے بہتر تو نہیں ہے
 مانا کہ قفسِ باغ سے باہر تو نہیں ہے
 عقی سے یہ دُنیا کبھی بہتر تو نہیں ہے
 مانا ترے قابلِ دل مضطر تو نہیں ہے
 ہم کیا کریں کس طرح کریں ضبطِ محبت
 ہم راہ پہ لائیں انھیں، ہو نہیں سکتا
 سنو انی بیباں بھی نہیں ہوتی نظر آتی
 مانا کہ تصور میں ہیں ساتی کی نگاہیں

یہ قصہ داراؤ سکندر تو نہیں ہے
 عشق بُتِ مغرورِ مقدر تو نہیں ہے؟
 بجلی بھی کسی کا دل مضطر تو نہیں ہے
 رحمتِ تری وابستہ محشر تو نہیں ہے
 مہنم میں کچھ دل کے لئے ڈر تو نہیں ہے
 دل ہی تو ہے آخر کوئی پتھر تو نہیں ہے
 پہاں مری نظروں وہ منظر تو نہیں ہے
 مجبور ہوں دلِ عشق کا خوگر تو نہیں ہے
 اب زندگی لیکن مجھے دو بھر تو نہیں ہے
 چاند آب کا عکس اُنخِ انور تو نہیں ہے
 دریائے محبت کا سناور تو نہیں ہے

ہنس ہنس کے نہ سُنے مری رودادِ محبت
 ہوتا ہی نہیں ترک اُروں ترک میں کیونکر
 ملتی ہے تڑپ اسکی، تڑپ سے مرے دل کی
 انصاف نہیں کیوں نہیں موتا مرا یا رب
 جاتا ہوں نہیں لیکن کوئی اتنا تو بتا دے
 براشت کئے جا میں ترے ظلم کہاں تک
 مانا کہ مجھے باغ کو چھوڑے، ہوئی بدلت
 میں تجھ کو ستم کے لئے تکلیف نہ دیتا
 مانا کہ ترا دروِ بڑی چسپ ہے ظالم
 راتوں کو نظر اُس سے ہٹائے نہیں ہٹی
 جو عشق میں گھبرائے، وہ کچھ اور ہے نشر

جائے کوئی گھر بہ تو وہ باہر نہیں آتے

۲۲۶

۲۰

یہ پوچھتے ہیں پہلے کہ نشر تو نہیں ہے؟
 خاموش رہیں گے، کبھی فریاد کریں گے
 ختم اپنی یونہی قید کی میعاد کریں گے
 کچھ روز ہم اب خاطر صیت ادا کریں گے
 کھینچیں گے کوئی آہ نہ فریاد کریں گے
 جس دن کوئی نازہ ستم ایجاد کریں گے
 اُس روز وہ دانستہ مجھے یاد کریں گے
 بھولے ہیں جن مجھ کو، وہ کبھی یاد کریں گے

یہ اہل ستم بھی تجھے کیا یاد کریں گے!
 بھولینگے ہم اُن کو وہ ہمیں یاد کریں گے
 کیا قید سے ہم چھوٹ کے صیاد کریں گے
 جس چیز کو دیکھیں گے تھیں یاد کریں گے
 واہ ہم بھی کیدن لب فریاد کریں گے
 کچھ اور علاج دلِ ناشاد کریں گے
 اُس دوز سے ڈرتا ہوں جب آنے یاد کریں گے
 خاموشیوں کو داخل فریاد کریں گے
 سمجھتے تھے کہ جی کھول کے فریاد کریں گے
 اہل کو غمِ دوست سے آباد کریں گے
 جو ہم سے بکے گا دلِ ناشاد کریں گے

دُراشت کئے جا ستم اُن کو یونہی اے دل
 کامل ہے اگر جذبِ محبت تو کسی دن
 جب موسمِ گل ہو گیا گلزارِ سحرِ صحت
 کیا جانتے تھے ہم جو چلے جاؤ گے گھر سے
 وہی ضبطِ محبت نے اگر ہلکا اجازت
 کوتاہی جھاؤ نہیں بدستور ہے اُنکی
 کافر ہوں اگر قید کا ہو دلیسِ ذرا ڈر
 کچھ روز بنا بیٹھے ستم آپ کے یوں بھی
 اے جو قفسِ یقین سے منع ہے فریاد
 خوشیوں نے تو ہر وقت ہمیں رنج میں لکھا
 ہنر بھی محبت میں اب سوج لیا ہے

آنے جو لگا لطیفِ اسیری ہیں نشر
 اب روزِ یہ دہلی ہے کہ آزاد کریں گے

۲۲۸

۱۶

اک ناکِ بو کے حشرِ پشیاں میں آگے
 بچھڑے ہو چمن کے بگلتاں میں آگے
 سارے مزمورے غمِ نہاں میں آگے
 معلوم یہ ہوا کہ بیاباں میں آگے

یہ پہنے کیا کیا کہ گلتاں میں آگے
 صد شکر مر کے کوچہ جاناں میں آگے
 خوشیاں ڈے سیکنتی مجھ کو اب فریبِ بطن
 بکھرے خزاں میں باغ کی جانب ہنسیں

بیٹھے ہے قفس میں گستاخاں میں گئے
 قیدِ قفس سے قیدِ گستاخاں میں گئے
 کیا کچے فریبِ گستاخاں میں گئے
 یہ کیوں ہمارے صحنِ گستاخاں میں گئے
 اوصافِ فطرتِ انساں میں گئے
 آنے تھے جتنے پھول گستاخاں میں گئے
 ہم ہی فریبِ باغ و بیاباں میں گئے
 آنسو مزے کہاں سے گستاخاں میں گئے
 گلشن کے لطف ہو بیاباں میں گئے
 لائے گئے کہ عالمِ امکاں میں گئے
 جب کر لیا خیالِ گستاخاں میں گئے
 تم جان بٹکے قالبِ بجاں میں گئے
 سائے جہاں کے تارِ گریباں میں گئے
 اُٹھے اور اُٹھکے گورِ غریباں میں گئے

اللہ کس غضب کی ہر طاقت خیالیں
 آزادیاں ہاں تھیں میسر نہ ہیں یہاں
 بارغ جہاں بھی کوئی ٹھہرنے کی تھی جگہ
 صیاد اور خزاں کی ہیں واسطہ نہ تھا
 ایمان کی یہ ہے کہ فرشتوں کو جو بچے
 ایدل چل آج بھکو دکھائیں بہارِ باغ
 اچھے وہ ہی ہے کہ جنھوں نے کی تیز
 دم بھر کی بھی جدائی گوارا نہیں ہیں
 مانوس ہم نے کر لی طبیعت جو نہج سے
 اس کا پتہ لگانہ ہیں آج تک کہ ہم
 قیدِ قفس کا رنج ہماری بلا کر ہے
 بیمارِ غم میں کچھ بھی نہ باقی تھا شامِ غم
 یارب یہ کیا ہوا مر جوشِ جنوں میں حال
 راہِ مفرد دکھائی نہ دی جب کہیں ہیں

آباد کیوں نہ باغ یہ نشر رہے کہ پھول
 جتنے گئے تھے پھر وہ گستاخاں میں گئے

جب اپنے دل میں انکی چاند سی تصویر کہیں گے
 تو ہم خلوت میں اپنی عالمِ تنویر کہیں گے

مقدور جو دکھائیگا، بہرقت دریکھیں گے
 دکھائیگی جو ہم کو گردشِ تقدیر دیکھیں گے
 کبھی تو صفحہٴ دل پر تری تصویر دیکھیں گے
 ہم نے خواب کہا ہے، ہمیں تعبیر دیکھیں گے
 کبھی ہم بھی تمہارا حسنِ عالمگیر دیکھیں گے
 کہ جب تک اپنی زنجیروں کو ہم زنجیر دیکھیں گے
 ہمارے ہی اپنے پاؤں میں زنجیر دیکھیں گے
 کماشکِ سخت ہو یہ پاؤں کی زنجیر دیکھیں گے
 پس مرونِ ہماری خاک دیکھیں گے

فغانِ بے اثر، فریادِ بے تاثیر دیکھیں گے
 نہ تدبیر اب، نہ اب تدبیر کی تاثیر دیکھیں گے
 کبھی دُھندلے دُھندلے نقشِ ابھرنے کے تصور
 جو انی خواب ہی تعبیر ہے اُس خواب کی پیری
 عطا ہوگی کبھی آنکھوں کو بھی توفیقِ نظارہ
 ہماری یہ سیری بھی اسیری ہو اسی دن تک
 خیالِ فصلِ گلِ سوسا دتھو ہم، یہ خبر کیا تھی
 ابھی تو کچھ نہیں کہتے، مگر فصلِ گلِ آنے دو
 بچا کر ہم سے دامنِ چلنے والے، یہ سمجھ رکھیں

یہی مشقِ تصور ہے تو ہم کچھ روز میں

نمایاں اپنی ہی صورت میں ک تصویر دیکھیں گے

۱۱

۳۳۰

خراب ہونے کو پھر رہا ہوں، خراب کر دے خراب کر دے
 قسم تجھے اپنی ختمِ میگوں کی، مجھ کو مستِ شراب کر دے
 نہیں بیچ انصاف، حُسن کو تو اگر سکوں انتساب کر دے
 کیا ہے مجھ کو تو اے محبت، اُسے بھی خانہٴ خراب کر دے
 بڑا ہٹے اور اضطرابِ ل اب، مجھے تمام اضطراب کر دے
 یہ تجھ سے کس نے کہا تھا، بجلی کو میرے دل کا جواب کر دے

بنانا آئینہ انجمن کا، تو پھر شریکِ نقاب کر دے
 مری نگاہوں کو چھنے والے کسی طرح کا میاب کر دے
 کہاں تک آخر یہ تیرہ بجتی، نہ ہیگی قایم یوں ہی اتنی
 مری شبِ تارِ ہجر کو بھی، کبھی شبِ ماہِ تاب کر دے
 ہمیشہ سوئی ہوئی رہی ہے، ہماری تقدیر عاشقی میں
 اتنی بد قسمتی کو بھی چند روزِ محبوبِ خواب کر دے
 کہاں چھنا ہے تو انیس ایدل، یہی میں سب محنتوں کے باعث
 اٹھ اور ہوش و خرد کو اپنے، نثارِ جامِ شراب کر دے
 بناہ کی شکل اب کہاں ہے، آئی تجھ سے یہ چاہتا ہوں
 کہ ان میں کچھ انقلاب کر دے، کہ مجھ میں کچھ انقلاب کر دے
 محنت اپنی تمام قوت کے ساتھ، انسان پر ہے حاوی
 کسی کو خانہ بدوش کر دے، کی کو خانہ خراب کر دے
 ذرا درختوں کا جھونکا تو، یہ کوئی صحنِ چمن میں دیکھ
 کہ پتی پتی کو جیسے کوئی، پلا کے مستِ شراب کر دے
 نہ ہو جو ممکن حصولِ عقبی بغیر اسکے کسی طرح بھی
 ہماری عقبی بناوے یا رب، ہماری دُنيا خراب کر دے
 محنت اور اسکے رازِ نشرِ سمجھ میں آئیں گے آتے آتے

کتاب تو ہی نہیں محبت، جو کوئی نقل کتاب کرے
 چمن جو تیرا حقیقتاً ہے چمن یہ مرغ چمن نہیں ہے
 جسے وطن فرض کر لیا ہے، وہ اور کچھ ہی وطن نہیں ہے
 وہ آج ادھر آ رہے ہیں شاید کہ دلیس رنج و محن نہیں ہے
 سکون محسوس ہو رہا ہے، وہ روزِ وصالِ چمن نہیں ہے
 نہیں کسی نئی وقت اب کہ جس وقت، دلیس رنج و محن نہیں ہے
 چمن بظاہر ہی چمن ہے، مگر وہ رنگ چمن نہیں ہے
 گٹھائیں ملی نہیں ہیں ظالم، کہ رنگ بڑے چمن نہیں ہے
 وہ کون سی چیز ہے جو محبت آج تو بہ شکن نہیں ہے
 یہاں نہیں حدِ خوشی کی کوئی، کچھ تھکے محن نہیں ہے
 کسی کے تن پر لباسِ زریں، کسی کو دو گز کفن نہیں ہے
 مرنے بہارِ چمن کے لیے، بہار پر ہے بہارِ جب تک
 کبھی بہارِ چمن ہے غافل، کبھی بہارِ چمن نہیں ہے
 تمام پروانے بے کفن ہیں، یہ کیا ہے اندھیر شمعِ محفل
 کسی کو ہویا نہ ہو، مگر کیا، تجھے بھی فکرِ کفن نہیں ہے
 خدا کی قدرت پہ دم بخود ہوں، نہ کچھ میں ہوں کچھ میں سمجھوں
 وہاں کروں کیا بجزِ خوشی، جہاں مجالِ سخن نہیں ہے

نہیں یہاں کوئی چیز ایسی، بتا سکے جس کو کوئی اپنی
 بدن بھی ملک نہ کہے، یعنی بدن بھی اپنا بدن نہیں ہے
 یہ میرے لیل و نہارِ غربت، بڑی مصیبت، بڑی مصیبت!
 کہ شامِ شامِ وطن نہیں ہے، تو صبحِ صبحِ وطن نہیں ہے
 جوان سب اٹھتے جا رہے ہیں، اجل سے کوئی نہیں یہ کہتا
 یہ تلخ نو ہے ارے شکر، یہ تلخ شاخِ کُن نہیں ہے
 ابھی سے کیوں مرنے والے کو سب، عزیز اقارب بھلا رہے ہیں
 ابھی تو دو دو دن کا بھی پُرانا، مگر کے اندر کفن نہیں ہے
 یہ موسمِ گل اور اُس میں داغِ عطرتی یہ تلقینِ ترکِ بادہ
 بتا دے تو ہی پھر اور کیا ہے، اگر یہ دیوانہ پن نہیں ہے
 رہوشِ غربت میں کیوں میں غمگین کہاں کہاں نشاطِ رنگیں
 وطن کی جُستِ زمیں نہیں ہے، وہ آسمانِ وطن نہیں ہے
 نہیں ہم اُن میں، جو اعتبارِ بہار پر شاویاں سنائیں
 بہار کا اعتبار کیا ہو، جب اعتبارِ چمن نہیں ہے
 غریبِ نوعِ عمر کیا کہ شعر، لطف لائے کہاں سے اُس میں
 شراب تو اُس کے جام میں ہے، مگر شربِ کُن نہیں ہے
 مرے تصور کو قید کر لے، تو جہم کو صیتِ اوقید بچھے

نہیں وہ کون قت ہے، جب نظر میں میری چمن نہیں ہے
 کوئی تباہ کد قیں لیلی، ہوئے زمانے میں کتنے پیدا؟
 حقیقتاً عشق اور محبت بھی، کار ہر مرد و زن نہیں ہے
 کوئی تباہ پس فنا، فرق ہے امیر و غریب میں کیا؟
 امیر اگر عامل کفن ہے، غریب بھی بے کفن نہیں ہے
 مصیبتیں لاکھ ہوں طن میں، ہزار غربت میں احتیج ہوں
 وہ آدمی آدمی نہیں ہے، جو بقرار وطن نہیں ہے
 جہاں گیا میں، وہاں سر آنکھوں پر اپنی، دینا نے جھکوا لکھا
 کسے کہوں میں طن ہے میرا، کسے کہوں میں طن نہیں ہے
 نہ زندگی پر کسی کی خوش ہو، نہ موت پر ہو کسی کی نالاں
 وہ اتھاکے خوشی نہیں ہے، یہ اتھاکے محن نہیں ہے
 فنِ خنکونی آج نشر فروغ پائے تو پائے کیونکر
 مذاق تو ہے سخن کا، لیکن صحیح ذوق سخن نہیں ہے

۲۳

۲۳۲

بات پر اپنی اڑا ہوں، تو مری بات رہے
 دور رہنے کا مزہ یہ ہے کہ دن رات رہے
 دل میں ہر وقت اگر خوف مکافات رہے
 اور مزہ یہ کہ ترے ساتھ ہی ترا رہے

اب تو لے شوخ کسی روز ملاقات رہے
 فصل ہو کوئی بھی، میخانے میں کسار رہے
 بھول کر بھی نہ کبھی راہ سے انسان بھٹکے
 ڈھونڈتے تجھ کو زمانے میں پھر ہم دن رات

جانت کوئی نہیں بات کسے کہتے ہیں
 آپ جاتے ہیں جسے دیکھنے، اب صبح کے وقت
 چپکے آنکھوں سے خیالوں میں ہیں میرے
 بات رہنے کی کر یگانہ کبھی بات کوئی
 اور کیا چاہئے ہم بادہ گاروں کے لئے
 چاہئے تھا کہ سنے عشق سے بخود رہتے
 اور تھا کون، اگر پاس نہ تھے تم شبِ غم
 اور ہو گا کوئی راسِ آئی محبت جبکو
 یہ جو باقی ہے، تو اک روز ملا دیگا ہمیں
 اپنی محرومی قسمت کو کما شکِ رو میں
 محفلِ وعظ سے جو وقت چلے ہم اُٹھ کر
 تو نے رفتارِ زمانہ پہ کبھی کی نہ نظر

۲۳۳

چھوڑ دوں عشق کو بنجد ہا میں کیوں نہ نشر
 اب تو مجھ کو یہ پڑی ہے کہ مری بات ہے

۱۷

ہاتھ آیا ہوا میدان نہ جانے پائے
 گھر سے باہر کوئی مہمان نہ جانے پائے
 وصل ہو، یا نہ ہو، اسکان نہ جانے پائے

دل سے اب عشق کا ارمان نہ جانے پائے
 دل میں آجائے جو ارمان نہ جانے پائے
 کبھی بھولے سو بھی مایوس نہ ہونا لے دل

تجھ کو لازم ہے مداراتِ تناسل دل
ایک آنسو بھی نہ ہوا آنکھ سے باہر لے دل
صاحبِ بزم ہو تو، اسکا بھی لازم ہو خیال
حسرت دید خدا کے لئے پوری کرنا
آج اک جام کچھ اس طرح پلاوے ساتی
گھر سے ناخوش کوئی مہمان نہ جانے پائے
ضبطِ غم کی یہ مے شان نہ جانے پائے
کوئی محفل سے پریشان نہ جانے پائے
میرے ہمراہ یہ ارمان نہ جانے پائے
نی بھی لوں، اور مہرا مان نہ جانے پائے

اُس کا پینا ہے کہ جو ڈٹ کے پیئے بھی نشر
اور ایمان کا ایمان نہ جانے پائے

۲۳۴

۹

دلیلیں اب اسکا نور رہتا ہے
اک غم ایسا ضرور رہتا ہے
غمیر کی ہو خطا، کہ ان کی ہو
جس کے دنیا قریب ہتی ہے
جب بچھڑتے ہیں مل کے وہ ہنسے
تیرے جلوہ نگہی یاد میں ہر دم
حسن جب بے نیاز ہے اتنا
صبر سے تھی طمانیت دل کو
آپ ہوں یا خیال آپ کا ہو
چھڑتی ہے اُسے تمنا بھی
عالم کوہِ طور رہتا ہے
جسکا ہر دم سرور رہتا ہے
بہر ہمارے قصور رہتا ہے
وہ ہی دنیا سے دور رہتا ہے
نہج کچھ دن ضرور رہتا ہے
سانے کوہِ طور رہتا ہے
عشق کیوں نا صبور رہتا ہے؟
وہ بھی اب دور دور رہتا ہے
کوئی دل میں ضرور رہتا ہے
جو تمنا سے دور رہتا ہے

زندگانی میں یاد کے قابل
اُس کی بد قسمتی کو کیا کہئے
کون مرنے پہ پوچھتا ہے کسے
خاکساری ہے فطرتِ انساں
لے غمِ عشق، تیرا کیا کہنا
قلبِ دارِ اُٹھ رہتا ہے

وہ کہاں ہے نشاط میں نشتر
۲۳۵ غم میں جو اک سرور رہتا ہے

غیر خوش ہیں دُور کر کے اُنکی محفل سے مجھے
پاس اسکا بھی نہ لے صیاد کچھ تو نے کیا
بھٹکا جاتا ہوں، پہونچکر منزل مقصود پر
شوق دریا کا دیا ہے تو ذرا اہمیت بھی ہے
اُسے والا ہے نیا کوئی قریبی انقلاب
چاہتا ہوں ہر شاخے پر کہ جاں کر دو انتشار
مستحقِ سیر طوفاں اور مجھ سا کون ہے
رُشک ہے کیا کیا مجھے بہت پہرے کی آج
عمر میں جب اسی محفل میں سب گردی تمام
ہر قدم پر چھڑ دیتی ہیں مجھے یادوسیاں

میں توجیب جانوں نکلو اد کوئی دل سے مجھے
چاہتے تھے ہمسفرانِ چین دل سے مجھے
ہے اگر کوئی توفے آواز منزل سے مجھے
لوٹنا پڑتا ہے سو سو بار ساصل سے مجھے
مل رہا ہے کچھ پتہ اُتارِ محفل سے مجھے
وہ اشارِ میل ہے مینِ حیم قابل سے مجھے
موج خود آ آ کے لیجانی جو مل سے مجھے
کیوں نہ فطرت نے بنایا خاکِ محفل سے مجھے
اب تم آئے ہو اُٹھانے اپنی محفل سے مجھے
کر نہ دیں ظالم کین بیزار منزل سے مجھے

تم اٹھا کر خوش ہو گے اپنی محفل سے مجھے
واسطہ کیا رہ گیا دریا واسطہ سے مجھے
کیوں نہ البتہ کی آتی ہوسا مل سے مجھے
جو شکایت ہے وہ ہو کوتاہی دل سے مجھے
جتنے اعضا میں نظر آنے لگے دل سے مجھے
لوگ تھے ہی ہے آواز سا مل سے مجھے

اب سر منزل پہنچنے میں کہاں نشتر ہے دیر

۱۷
وصدا آنے لگی منزل کی منزل سے مجھے

جو کام کر یہاں وہ بہت دیکھ بھال کے
یہ ابر، یہ بہار، یہ بادل شمال کے
ہم لطف اٹھا چکے ہیں تھامے ملال کے
بحر جہاں میں خطرہ طوفان ہے ہر قدم
کس طرح تجھ کو میری محبت کا ہوتی ہیں
انبار موتیوں کے ہیں تارے نہیں ہیں یہ
کتے ہیں جس کو گلشن ہستی ہے خارزار
اچھا ہوا جو قیس سے حاصل ہوا نیاز
واعظ مرہ تو وعظ کا جب ہے کہ بزم میں

عاشق جاننا ز بھی دنیا میں کوئی چیز ہے
غرق دریاے محبت ہو گیا جب میں تو پھر
سیر طوفان سوا بھی سیری کہاں حاصل ہوئی
درد دینے والے جھکو کچھ گلہ مجھ سے نہیں
اضطراب دل یہ تو نے مجھ نہ کیا کر دیا
عین یاس میں مرہ وہ تھا کہ میں ٹوٹا نہ پھر

۲۳۶

جو کام کر یہاں وہ بہت دیکھ بھال کے
یہ ابر، یہ بہار، یہ بادل شمال کے
ہم لطف اٹھا چکے ہیں تھامے ملال کے
بحر جہاں میں خطرہ طوفان ہے ہر قدم
کس طرح تجھ کو میری محبت کا ہوتی ہیں
انبار موتیوں کے ہیں تارے نہیں ہیں یہ
کتے ہیں جس کو گلشن ہستی ہے خارزار
اچھا ہوا جو قیس سے حاصل ہوا نیاز
واعظ مرہ تو وعظ کا جب ہے کہ بزم میں

اک روز دیکھئے مرے ارماں نکال کے
ہوں سا راہِ غم چھوڑ کے کیوں ایک دل کے
تشنہ میں پھر بھی جلوہ برق جمال کے
باقی یہاں ہیں چاک ابھی پارِ سال کے
قابل نہ ہم کبھی ہوئے قیدِ محال کے
کیا پھینکیں یہ سب پرواز و نکال کے
لئے ہیں فتنہ فتنہ یہاں تک تو مال کے
دل کیا ہے دیکھئے، اگر ارماں نکال کے
چل دیئے، تھوڑی دیر چمن دیکھ بھال کے
محشر میں ہم رہیں گے یہ حسرت نکال کے
کیا خوب دو جواب تھے میرے سوال کے

تکمیلِ عشق کر کے یہ مانے گا ایک دن
نشر ہمارے دل میں ہیں تیور ہلال کے

۲۱

اک قطرہ چاہئے تھا تو دریا دیا مجھے
افسوس تم نے کیا لیا اور کیا دیا مجھے
کیوں تم نے ذوقِ ساغر و صبا دیا مجھے؟
دینا تھا غم جو سب کو وہ تنہا دیا مجھے

منظور دیکھتا ہوا اگر دل مرا، کبھی
کیوں نشانِ بنانے کا آخر کریں خیال
میر خیزن چکے ہیں بہت وارداتِ طور
سُنتے ہیں پھر بہارِ گلستاں میں آگئی
جو کام پڑا اسے چھوڑا نہ، ناتمام
مدت سے ہم ہیں اور اسیری کی زندگی
وہ آج حشر میں بھی نہ دیدیں کہیں جواب
انسان کیا ہے اپنی تمناؤں کے سوا
آزادہ باغباں نہ ہو، جانے کو آئے ہیں
ارماں دید اگر نہیں نکلا یہاں تو کیا
تیور بدل کے مجھ سے، وہ خاموش ہو گئے

۲۳۷

دینے نہ غم جو آئے تو چھلکا دیا مجھے
دل لیکے میرا، عشق میں ہو دیا مجھے
تو بہ ہی تھا اگر کوئی قانونِ لازمی
تنہا خوشی تو مجھ کو نہ دی سب بانٹ دی

یہ درد یہ قلق مری قیمت میں تھے اگر
تھی یاد اگر نہ تیری شب غم تو کون تھا
ہر رات انتظار میں اختہ شماریاں
تھی مجھ کو تیرے غم کے سوا کون شو عزیز
تھا انتظارِ حشر قیامت کا انتظار
اس وقت دیکھتا کوئی رحمت کا اسکی بوش
میں تھا کہ جا کے منزل مقصد پہ دم لیا
اب ضبطِ غم کی کیوں ہے یہ تاکید بار بار
سادن کی بجلیاں بھی ستم تھیں ہماریں
رنج و خوشی میں ایک سا آتا مجھے مزہ
جب ہر نفس کو اسکو کچلنا تھا یاں سے
ستر ہزار پردوں میں چھپنا تھا اگر مجھے
کیونکر ہو شکریہ ترا ای خالقِ جہاں

پتھر کا تو نے کیوں نہ کلیجہ دیا مجھے؟
کس نے تمام رات دلاسا دیا مجھے؟
یہ مشغلہ بھی آپ نے اچھا دیا مجھے!
پھر کیا سمجھ کے یہ غم دینا دیا مجھے
تنہائیوں نے اور بھی گھبرا دیا مجھے
جب آنسوؤں نے حشر میں نہلا دیا مجھے
کیا کیا نہ گم رہی نے بھٹلا دیا مجھے
کیوں پہلے ظرفِ ہمت دریا دیا مجھے
تڑپیں تیرے ہجر میں تڑپا دیا مجھے
کیوں اتنی زکشت و صحرا دیا مجھے
تم نے فضول ذوق تمنا دیا مجھے
کیوں تو نے دلیر شوق تمنا دیا مجھے
دلِ واقفِ حقیقت دینا دیا مجھے

نشر مجھ کسی سے شکایت نہیں کوئی

۱۷

در اصل میرے دل ہی نے دھوکا دیا مجھے

۲۳۸

یہ بال ہمارا ہوتا ہے
مانتا ہے رُلا کے دینا کو
پھول مڑھاکے خار ہوتا ہے
دل سے جو اشکبار ہوتا ہے

وہ ہی لمحہ ہے بقراری کا
صبر کر صبر کے دل مضطر
موت بھی پوچھتی نہیں اسکو
اب کئے جائیں فرد و عدا
اور ہوتا ہے زندگی میں کیا
کاش انکی سمجھ میں آجائے
عشق کا خون حُسن کے ہاتھوں
لاکھ مٹتے غبار ہواناں
عشق انسان بھی ایک طرح وصل
کیونحن شی میں نہ بچ کی ہو نمود

نشر انسان زندگی کو کر

۱۳

دوست سے ہکنا ہوتا ہے

۲۳۹

داغ سینے میں رہتے تھے ہلکے کیا ہوئے
غم سے ناواقف تھے ہم نا آشنا کو بچ تھے
تو نے تو چوری نہیں کی انکی ۱۲ جیب سحر
جب ہمیں صورت کھانے سو بھی تم کو عار ہو
جن تھیں راتیں جوانی کی منور ہنشیں
جن سے ایں تھیں منور وہ تار کیا ہوئے
زندگانی کے وہ دن یارب ہمارے کیا ہوئے
تھے ابھی بکھرے ہوئے لاکھوں تارے کیا ہوئے
تم ہمارے کیا ہوئے پھر ہم تمہارے کیا ہوئے
وہ محبت کے ہلکے چاند تارے کیا ہوئے

آہ وہ ایامِ فرقت کے سہارے کیا ہوئے
 اور دریا میں چلے آئے کتنا رے کیا ہوئے
 آنکھوں آنکھوں میں خدا جانے شائے کیا ہوئے
 آج یہ دونوں غریبیت کے ماٹے کیا ہوئے
 ہو گئی دُنیا ہاری، تم ہمارے کیا ہوئے
 اب کوئی دیکھے درادوؤں کناٹے کیا ہوئے
 ہیں ہی نظریں پھر انکے اشارے کیا ہوئے
 کیا خبر ہم کو جو تھے دریا کناٹے کیا ہوئے
 چاند تیرا کیا ہوا، تیرے تارے کیا ہوئے
 تیرے دریا ہو گئے ظالم، کناٹے کیا ہوئے
 کیا خبر ہے سانچے دریا کناٹے کیا ہوئے

کیا ہوئے احوطِ غم نالے مرے آہیں مری
 مرگ اگر ہے ابتداءِ زندگی متقل
 دل چلا انکی طرف اور ہم بیاباں کی طرف
 قلب کا احساس ہوتا ہے، نہ احساسِ جگر
 دیکھئے جس کو وہ دیتا ہے سر آنکھوں پر جگر
 ابتداءِ عشق میں بحرِ محبت کچھ نہ تھا
 تم تو کہتے ہو، نہیں بدلی محبت کی نگاہ
 ہم تو محوِ سیرِ دریا عینِ دریا میں رہے
 اے فلک کیارات ہی بھر کے لئے تھا یہ ظلم
 پاؤں رکھتے ہی محبت میں نہ تھا میرا پتہ
 ہم سے دریا کی حقیقت پوچھ، ہم دریا میں تھے

آسمان پر گروہ ہی تارے نہیں نشر تو پھر

قلبِ سوراں سے جو نکلے تھے تارے کیا ہوئے

۲۴۰

۱۷

نہ ہم کچھ اُن سے کم نکلے، نہ وہ کچھ ہم سے کم نکلے
 کین دوزِ زیادہ تھے، کسی ن چار کم نکلے
 الگ ہم سے نہ وہ نکلے، الگ اُن سے نہ ہم نکلے
 گئے جب شام کو ہم، میکہ جویں، مسجدِ م نکلے

محبت میں جج دیکھا دونوں پابندِ ستم نکلے
 لیا جب جائزہ دل کا سلسلِ رنج و غم نکلے
 جدا دونوں کو سمجھے تھے، مگر دونوں بہم نکلے
 ہماری لذتِ بادہ کشتی کو، کوئی کیا جانے

ہمیں سب زیادہ کشتہ تیغ ستم بیکلے
 ستمگر جو بظاہر تھے، وہ مجروح ستم بیکلے
 جنھیں بل کرم سمجھتے تھے، محتاج کرم بیکلے
 ہماری آنکھ سے جس روز آنسو چار کم بیکلے
 جنھیں اہل وفا سمجھا کئے، اہل ستم بیکلے
 بہت اچھا ہوا ارمان دل میرے جو کم بیکلے
 ہزاروں حسرتیں لیکر تیری مصل سے ہم بیکلے
 بڑے تقدیر والے عاشقی میں اہل غم بیکلے
 وہ ہی اس کا زارِ دہر سے با چشم غم بیکلے
 جہاں منزل کی دُہن میں ق سے ہم قدم بیکلے
 ہمیں مجھ جو محبت میں تری ثابت قدم بیکلے
 مزہ یہ ہے نہیں باہر ابھی گھر سے قدم بیکلے
 مگر منجھار کی توبہ، ترے قول و قسم بیکلے
 وہ جب نیا سے بیکلے، شکوہ منہ صدالم بیکلے
 کہیں یا نہ ہو میری محبت کا بھرم بیکلے

نہ ہو تاحسن اگر تو کون سلجھاتا انھیں
 نہ جانے قسمت عاشق میں کتنے بیچ و خم بیکلے

ہمارے کانکھانہ کوئی اُن کی مغل میں
 یہ وقتِ داد خواہی حسرت میں عقدہ کھلا آخر
 ہوا اچھا جو اُن کے سامنے دہن نہ پھیلایا
 اُسی دن دل میں اک حُسن تمنا ہو گیا پیدا
 اُمید کا سبانی کیا محبت میں ہمیں ہوتی
 نہ جانے کس قدر مجھ کو یہ غم میں مبتلا کر لے
 ہزاروں آرزو میں لیکر آئے تیری مغل میں
 نشاطِ دائمی میں اُن کو حصہ مل گیا آخر
 بسر ہوتی رہی جنکی ہمیشہ عیش و عشرت میں
 ہزاروں طرح کے دنیا نے قتلے کر دیے پیدا
 نہ جانے کتنے ہمت ہارتے رہتے ہیں روزِ آخر
 عجب منزل ہے تیری ہو گئے، گمراہ منزل ہم
 سمجھتے تھے کہ تجھ کو پاس ہو گا اپنے وعدوں کا
 جنھوں نے عیش و عشرت کی جگہ سمجھا تھا دنیا کو
 جہاں تک ہیں میں شک آنکھوں میں دہن ٹھہریں

ہوتا ہے بہت زنج تو پھٹ جاتے ہیں سینے
دیکھے کوئی ان پر وہ نشینوں کے قرینے
غارت ہوئے اس بحر میں آئے جو سینے
پوشیدہ ہیں رگوں میں تاروں کے خربے
اتناک چلے آتے ہیں پسینے پہ پسینے
ہیں سال وہ ہی سال، مینے وہ مینے
دل ایک لگوٹھی ہے تو یہ اُس کے نکلنے
بلجھاتے ہوں لیے ہی خرابوں میں جھینے
کیا ہونے لگو مجھ سے جو دو چار مینے

ممکن ہو تو بدلو یہ محبت کے قرینے
عشق کو یہ مرنے ہی دیتے ہیں جینے
طوفان محبت سے نکل لے دل مضطر
قدرت کی تری صد نہیں امو قاور مطلق
اک لمحے کو دیکھی تھی تمہاری نگہ شیرم
جب تم سے رہ و رسم ہو جب تم سے ملافا
وہ دل نہیں جس میں نہ نیکی نہ وفا ہو
کیا کیا دل پراں میں ہے دیکھے کوئی اگر
دور و زکی فرقت بھی قیامت سے نہیں کم

بیباکی نظارہ اگر اس کی یہ ہی ہے

نشر کردہ شوق نہ دیکھی ہمیں جینے

۳۲۲

۱۰

کمی ورنہ انسان کو کس بات کی ہے
تری زندگی بھی کوئی زندگی ہے!
خدا کی قسم ایک دُنیا بسی ہے
مری سیکشی بھی جوب سیکشی ہے
ترا غم ہی و لیس یہ کیا کم خوشی ہے
طبیعت میں کجمن سی کیوں ہو ہی ہے؟

ہوس اس کی اسکو لئے پھر ہی ہے
جو کچھ ہے یہاں شیخ، وہ میکشی ہے
مرے دل میں دیکھو، جو م آرزو کا
نہ ساغر، نہ بادہ، ہے جارہا ہوں
نہیں دلیں کوئی خوشی اس کا غم کیا
وہ ایدل نہ آئیں گے کیا حبِ عہ؟

ستم تم کو اچھے، تو ہم کو بھی اچھے
نہ ہم کو ستم اس قدر باغیاں تو
لکے کون کس سے، اُسے کون کیسی
ترے ہجر میں ہیبت راری ہمیشہ
ہیں کیا سب کا دردِ حرم سے

لگایا ہے دل اب تو گھبرانہ نشتر
یہ دل کا لگانا کوئی دُلگی ہے!

۲۲۳

۱۱

غم ترا میرے لئے باعثِ راحت ہو جائے
خوگر رنج جو عاشق کی طبیعت ہو جائے
لطف آجائے جو داہنِ حقیقت ہو جائے
سب کی خواہش کہ حجاب آپکا رخصت ہو جائے
غمِ جاناں سے نہ رکھ دل کبھی خالی غافل
خوگر غم کا ترے، حالِ محبت میں یہ ہے
اُس محبت کی مری قدر نہیں ہے اُن کو
منحصر ہوا اسی اک روز پہ سائے انصاف
سب کو یہ خوفِ قیامت ہے کہ اُسے نہ کبھی
قصہ طور کی آواز ابھی کان میں ہے

درد بھی دلیں آئے وہ طبیعت ہو جائے
وصل کی رات سے بہتر شبِ فرقت ہو جائے
میری صورت بھی کبھی آپکی صورت ہو جائے
مجھ کو یہ ڈر کہ اُسی دن نہ قیامت ہو جائے
نکھر دُنیا کا گدہ ہو تو قیامت ہو جائے
آئے دو دن مصیبت تو مصیبت ہو جائے
جس کے سائے سے محبت کو محبت ہو جائے
اگر آئے نہ قیامت تو قیامت ہو جائے
مجھ کو یہ فکر کہ روزِ ایک قیامت ہو جائے
کیونچا ہوں کہ حجاب آپکا رخصت ہو جائے

اور کچھ طویل نصیبِ شبِ فرقت ہو جائے
 دو گھنٹہ کی بدودہ آئیں تو قیامت ہو جائے
 کہیں بھی نہ ترے وصل کی حسرت ہو جائے
 جانے کس چیز کی کس وقت ضرورت ہو جائے
 ابر آجائے تو در پردہ اجازت ہو جائے
 کہیں ایسا نہ ہو رسوائی و حشت ہو جائے
 واقفِ طویلِ قیامت ہوں بخوبی نشر

۱۷

اور بڑھ جائے تو میری شبِ فرقت ہو جائے

قعر دریا ہے جہاں ساحل دریا بھی تو ہے
 باغ ہی باغ نہیں سینے میں صحرا بھی تو ہے
 سامنے وہ نہیں آتے ہیں، یہ اچھا بھی تو ہے
 کچھ سہی، انکی عنایت کا بھڑ سا بھی تو ہے
 جو اٹھائی نہیں اٹھتا ہے، وہ پردا بھی تو ہے
 وہ فائیں نہیں کرتے ہیں یہ اچھا بھی تو ہے
 دشمنِ یاس ترے پاس تمنا بھی تو ہے
 جو رازِ روز کے انصاف کو فردا بھی تو ہے
 چیز آخر کوئی دُنیا میں ارادہ بھی تو ہے

باقی رہ جاتی ہے ہر روز ترپنے کی ہوس
 رات وہ حال تھا بیمارِ محبت کا خراب
 ہو کے خواہاں غمِ فرقت کا بھی یہ ڈر ہے مجھے
 صبر بھی ساتھ لے لے رہو منزل اپنے
 بادہ پیمانی کی ٹھانی ہے چمن میں ہم نے
 موسمِ گل میں بہت ضبط سے لیتا ہوں نہیں کام

۳۲۴

غم اگر اُس نے دیے، غم کا مداوا بھی تو ہے
 غمِ جاناں ہی نہیں ہے، غمِ دُنیا بھی تو ہے
 پھر وہ ہی ہوش کے لالے ہوں، وہ ہی منظرِ طور
 روزِ محشر سے ہر اس میں ہمارے دشمن
 میں نے مانا کہ مرے دلیں ہے ممکن اسکا
 پھر خواؤں کی کہاں پائیکا لذتِ ایدل
 آنے لے یاس کو کیا کرتی ہے اگر ایدل
 نہ سنی اُس نے یہاں میری تو غم کیوں مجھے
 ہے ارادہ تو پہنچ جاؤنگا منزل یہ کبھی

ایک گوشہ ترے اس باغ کا صحرا بھی تو ہے
انیں صبا ہی نہیں، نشہ صبا بھی تو ہے
دیکھ انصاف حق اسیں ہمارا بھی تو ہے
باغ ہے اسکا بنایا ہوا، صحرا بھی تو ہے
آخر اک چیز یہاں دامن صحرا بھی تو ہے

دلین غمخشاں ہی تو آباو نہیں ہیں غافل
کیا اکہوں مت نگاہوں کو تری اے ساتی
تیری آنکھوں کے لئے ہی نہیں سستی ساتی
اُسے خوشیاں ج بنائیں، تو بنائے غم بھی
تجھے کھٹکا جو چمن میں ہے، تو کر ترک چمن

آج کے عیش کو ان کرے کیا نشتر

۱۵

عیش امروز میں اندیشہ فردا بھی تو ہے

۲۲۵

سُن لو گے کس قوت کہ بیمار نہیں ہے
دم بھر میں گنگار گنگار نہیں ہے
سُنتے ہیں ہاں چرخِ سمرگار نہیں ہے
وہ کون ہے دنیا میں جو میخوار نہیں ہے
اب کوئی ترا طالب دیدار نہیں ہے
جو جائیگا میخوار، جو میخوار نہیں ہے
جب جانتے تھے طاقت دیدار نہیں ہے
لیجاؤ اسے یہ مرا میخوار نہیں ہے
بایل بہ ستم پھر وہ دل آزار نہیں ہے
ہر شخص کا دل جلوہ گہ یار نہیں ہے

دو دن اگر اور اُن کو سرور کا نہیں ہے
ای شانِ کرم، تیرے اس انداز کے صحت
کیوں پر زمین جائیں نہ انسان بالآخر
مستی تری آنکھوں پرستی ہے شبِ روز
افسانہ ایسے ہے سہمی ہوئی دُنیا
عالم جو تری مت نگاہوں کا یہی ہے
کیوں آپے دی دعوت دیدار کسی کو
واعظ کو مرے سامنے محشر میں ہوا حکم
پھر میرے ترپنے میں کی ہو گئی شاید
ہر شخص نہیں قابلِ کیفیتِ جلوہ

تو بہ کا خیال اتو مجھے صرف ہے اتنا
کچھ تیرے حجابات کی پروا نہیں مجھ کو
بیدار ہو انسان تو کیا خاک ہو بیدار
جب تک مجھے خوشیوں کی حقیقت ہوئی معلوم
ہے حسن سے صرار و فاعشق کو اتنا تک
ہوتا نہ وفادار تو کرتا نہ کوئی عشق

جو زلیست یہ ترجیح نہ دے موت کو نشر

۱۷

۲۲۶

وہ عشق و محبت کا سزاوار نہیں ہے

ملفت پھر نگہ یار ہوئی جاتی ہے
دل کے پار ابر کی بوجھار ہوئی جاتی ہے
لذتِ غم میں ہو کچھ اور اضافہ ظالم
شوقِ منزل نے کہا چھوڑ دیا سا مبرا
آندھسِ غیرت گل کی جو بنی ہے میں
ناز پرانکی جیا اور ستم ڈھاتی ہے
لوگ تو عشق کو کہتے ہیں جو حاصلِ زلیست
مریوائے ہے تجھے خوابِ مسلسل کی نوید
اب دو اے دل بیمار ہوئی جاتی ہے
یہ بھی تیرے نگہ یار ہوئی جاتی ہے
زندگی ہجر سے بیزار ہوئی جاتی ہے
سعیِ منزلِ مری بیکار ہوئی جاتی ہے
ہے طبیعت کہ سن زار ہوئی جاتی ہے
اور دیوار یہ دیوار ہوئی جاتی ہے
زندگی کیوں تجھ کو شوار ہوئی جاتی ہے
آج قیمت تیری بیدار ہوئی جاتی ہے
آہ کیوں در نہ شر بار ہوئی جاتی ہے

آج اظہارِ تمنا کا جو موقع بھی ملا
 فطرتِ انسا کی خوشیوں نے بگاڑی ایسی
 کوئی فنونِ کا ترسی چال میں عالم دیکھے
 اب جواؤں بہت کم ہیں فائیں انکی
 آج مستی کا یہ عالم ہے کہ اللہ اللہ
 دیکھے جسکو خوشی پر ہے دل جاں فدا
 نزع میں ساتھ کہاں چھوڑا ہے لے ضبط
 بزمِ عالم کے نظاروں کا نتیجہ معلوم
 فکر پر بہرِ گنہ میں ہے زمانہ مشغول
 آرزوؤں کی نہیں دلیں کہیں گنجائش
 منسوب الے، ہر ایسی میں تو حیاتِ ابدی
 جتنقدر اپنی محبت کو چھپاتا ہوں میں
 ہوئی جاتی ہے مجھے دیرِ حرم سے فرصت
 آرزوؤں کو ایک کناے ہو جائیں
 پاس منزل کے پہنچ کر یہ بھٹکنا میرا
 ناامیدی سے بچا میرے حیرم دل کو
 سب سب قوتِ اظہار ہوئی جاتی ہے
 زندگی غم سے گرا بنا رہوئی جاتی ہے
 اک قیامت تری زقار ہوئی جاتی ہے
 کچھ تو نہیں یہ ہی زقار ہوئی جاتی ہے
 جامِ بادہ منگے یا رہوئی جاتی ہے
 میری خاطر پہ مگر، بار ہوئی جاتی ہے
 محنت اک عمر کی بیکار ہوئی جاتی ہے
 صرف سب طاقت دیدار ہوئی جاتی ہے
 مفت میں خلق گنہگار ہوئی جاتی ہے
 روکے روکے بھرا رہوئی جاتی ہے
 موت کیوں کچھ کو گرا بنا رہوئی جاتی ہے
 اتنی ہی اور نمودار ہوئی جاتی ہے
 آنکھ خود جلو گہ یا رہوئی جاتی ہے
 کیوں کھڑی سامنے دیوار ہوئی جاتی ہے
 جیت کر آج مری بار ہوئی جاتی ہے
 ورنہ تمیہ یہ سہا رہوئی جاتی ہے
 دل گنہگار تو تھا ہی، سیرِ محشرِ شتر

آنکھ بھی آج گنگار ہوئی جاتی ہے

مرے دل میں لاکھ ہیں رنج و غم مئے لیں در دہزار ہے
 غم عشق تیری بدولت آج خزاں میں لطف بہار ہے
 جو بلا کی آج گھٹائیں ہیں، تو غضب کی آج چھوڑ ہے
 یہی وقت بادہ کشی کا ہے، یہی جشن بادہ گسار ہے
 مجھے کیا غرض کہ تلاش میں، دریا کے پھروں در بدر
 جد ہر آنکھ اٹھا کے مین پھٹا ہوں، سر کے لئے دریا ہے
 جو خوشی کو سمجھ نہ تو خوشی، تو خوشی ہو مجھ کو مال بھی
 جو بہار ہی یہ نہ ہو نظر، تو خزاں میں رنگ بہار ہے
 کہو اُس مہن سے لگا کے جی، کوئی خاک پا میگا زندگی
 جہاں چار دن میں خزاں کا دور ہے، چار دن میں بہار ہے
 وہ ہزار ہم پرستم کرے، وہ ہزار ہم پہ جفا کرے
 کبھی ہم کریں گے نہ کچھ گلہ، کہ خیال خاطر پار ہے
 ہمیں اپنی قید سے کام ہے، جہاں زندگی دوام ہے
 ہمیں کیا جو باغ میں ہے خزاں، ہمیں کیا جو فصل بہار ہے
 کرے رہ کے باغ میں کیا کوئی، کبھی رنج ہے تو کبھی خوشی
 کبھی جشن فصل بہار ہے، کبھی داغ فصل بہار ہے

یہ بہارِ مست، گھاٹیں مست، فضا میں مست، ہوا میں مست
جسے دیکھو آج ہے بادِ وحش، جسے دیکھو بادِ گسار ہے
تراراتِ دن کا ہو سامنا، تو نہ جانے حشر ہو کیا مرا
ترے اک اشارہ چشم سے، نہ سکون ہے نہ قرار ہے
نہیں فرق شاہ و گدا میں کچھ، جو نگاہ غور سے دیکھے
وہ ہی اس کی راہ گزار ہے، وہ ہی اُسکی راہ گزار ہے
مجھے ساری عمر گزر گئی، یہ خبر نہیں کہ سکوں ہے کیا؟
کوئی اضطراب سے مضطرب، مجھے اضطراب قرار ہے
نہ خوشی سے کچھ انھیں واسطہ، نہ کیسے بچ سے کچھ غرض
نہ خزاں کی فصل کسی کی ہے، نہ کسی کی فصل بہار ہے
مجھے اتنا زلِ نشاط و غم، مری بخود ہی نے بھلا دیا
جو خزاں ہے سائے زلزلے کی، وہ ہی مجھ کو فصل بہار ہے
تہیں اپنی خوشیوں کی قسم، کرو مجھ پہ تازہ کوئی ستم
مرا اضطرابِ دل و جگر، کبھی دن سے مجھ قرار ہے
کٹے کیونکر آہ یہ شامِ غم، کٹے کس طرح یہ شبِ الم
نہ شریک ہے مری نیند ہی، نہ شکیب ہو نہ قرار ہے
مے دلیں کیا ہے یہ جلوہ گرا، ہو کسی کو علم تو دے خبر

یہ فروغ جلوہ یار ہے، کہ فریب جلوہ یار ہے
مرے دل کو یوں نہ تاؤ تم، مری دل کو یوں جلاؤ تم
کہ اسی سے کام تمام عمر، تمہیں بھی خیر کار ہے
جسے تم نے ایک نگاہ سے، سیر بزم کر دیا مضرب
یہ وہی نو شتر زار ہے، یہ وہی تو سینہ فگار ہے

۲۴۸

۱۹

کاش ہم پھر آشیانِ نذاں سے چھٹ کر دیکھتے
قدر کرنی تھی محبت کی ہماری آپ کو
کن عناصر سے ہوئی ہے اسکی ترتیب وجود
ماہِ واختر ہی سے پوچھو، وہ بتائے تمہیں
آرزو سی رہ گئی ایسے پھنسے دنیا میں ہم
طور پر اک بار کے کھائے ہو میں ہم فریب
کیا کرتی کبخت آنکھوں کو مروت آگئی
کیا بتائیں حشر کے دن کس نے کا تھا سماں
کس سے ہم بڑھے جاتے ہیں راہِ عشق میں
جی میں ہے کچھ روز کرتے آرزو سے ہجر بار
نستے ہیں فصل بہار اب کے بہت زور دینہ ہو
دلکے اندر دیکھتے ہیں کبے اربابِ وصال
بھرمیں میں چاندنی راتوں کا منظر دیکھتے
شکِ محبت میں اگر تھا امتحاں کر دیکھتے
آسماں اکٹن اگر آماں میں پر، دیکھتے
کتنی راتیں ختم کی ہیں، ماہِ واختر دیکھتے
ایک دن دنیا کو دنیا سے نکال کر دیکھتے
اب اگر موقع کبھی ملتا تو بیج کر دیکھتے
ورنہ شکوے روزِ محشر، اہل محشر دیکھتے
پھر ہے تھے ہر طرف ایوانِ محشر دیکھتے
ایک منظر کو بھلائے، ایک منظر دیکھتے
اس تمنا کو بھی کچھ دن دلیں کھل کر دیکھتے
ہم بھی ہوئے آج اگر زنداں کے باہر دیکھتے
وہ بھی ن ہو تاکہ اسکو دل سے باہر دیکھتے

ورنہ تجھ کو ایک دن چرخِ ستمگر دیکھتے
خود نہ جب تک آکے بغضِ طلبِ مضطر دیکھتے
ورنہ اب تک آسماں کو غمِ زمیں پر دیکھتے
برق اگر ملتی تو دل کے پاس رکھ کر دیکھتے
عمر گزری ہے یوں ہی تجھ کو ستمگر دیکھتے

ناروا ہے عشق میں لینا کسی سے انتقام
اضطرابِ دل کا عالم کیا سمجھ سکتے تھے وہ
آہ کرتے کرتے اکثر رک گیا ہوں ہجر میں
کون دونوں میں زیادہ واقعی بچپن ہے
کیا دلتا ہے ہیں تو روزِ امید وفا

کیا کہیں فرصت نہیں ہے بلکہ شتر ورنہ ہم
اس زمینِ شعر کو بھی آسماں کر دیکھتے

۲۴۹

۱۸

اب تر بار ہے اور موت کی آغوش ہے
طالبِ دیدار تیرا طورِ ربے ہوش ہے
کون کہتا ہے کہ بیہوشی کا دشمن ہوش ہے
سامنے سانی کی نظریں تھیں بس تباہی ہے
میرجی بیہوشی میں نہاں اک جہان ہوش ہے
عشق کیا جب آدمی پائیدار عقل ہوش ہے
دو گھڑی میں بھرے دو گھڑی میں مٹش ہے
میں میں بخوار ازل و اعظا کچھ ہوش ہے
بے ہوشی کہتے ہیں جس کو تہائی ہوش ہے
موت کہتے ہیں جسے وہ انتہائے جوش ہے

بیشتر کچھ ہوش تھانتے ہیں اب بیہوش ہے
کچھ خبر تجھ کو بھی لے برقِ تغافل کو شے ہے؟
ہوش ہوتا ہے جھپٹیں بیہوش ہوتے ہیں وہی
ہم کو مینا نے میں جا کر بیٹھے کا ہے خیال
جو سمجھتے ہیں مجھے بیہوش، خود بیہوش ہیں
کرنے لے جوشِ جنوں اللہ آزادِ خسرو
اب ترے بیمار کا تجھ کو بتائیں حال کیا
کر رہا ہے تو کے تلقینِ ترکِ میکشی
دیکھ لو خود آنکھ سے دیوانگانِ عشق کو
زندگانی عشق میں ہے ابد لے جوشِ عشق

لیکے اسکو کر مجھے آزاد فکر دو جہاں
 دکھ لایا ہوں تے پاس نہ نگاہ مست دست
 ہجر کی شب سامنے ہے کس طرح کاٹوں سو
 چھوڑ کر بیمار کو ایسے میں کیا جاتے ہیں آپ
 دعوت دیدار سے رکھی ہے برق حسن نے
 ستیاں اپنی نگاہ مست کی روکے ہوئے
 وار وادائی امین یہ حیرت کیوں کروں
 سیر دل پر بھی کبھی باقی غایت کی نظر
 عارضی خوشیوں دیوانہ ہوئے ہوا ہوس
 کیوں سی بیوشیوں پر طعنہ زن ہیں بن نم

اور میر پاس ساتی کیا سوئے ہوش ہے
 بے خبر گرفتہ گردت سے خراب ہوش ہے
 صبر بھی غائب ہو ظالم ضبط بھی ٹوٹا ہے
 سامنی جیتک تو ہے، جیتک اسکو ہوش ہے
 امتحان چشم ہے آج امتحان ہوش ہے
 اب اندرا آگے بڑھیں تو پھر سوال ہوش ہے
 سامنے جلووں کے تیرے کیا باط ہوش ہے
 تیرے بچانے کا آخر یہ بھی اک مینوش ہے
 قبر کو بھی دیکھ جو کھولے ہوئے آغوش ہے
 کیا مری بیوشیوں تھا انھیں کچھ ہوش ہے؟

طور پر کچھ دیر کو میں گیا تھا محمودیہ
 مجھکو بیوشی نہ تھی نہ شتر جہان تک ہوش ہے

۲۵۰

۲۱

ترک دنیا سے اثر روح پہ کیا ہوتا ہے
 دہریں ملتی نہیں فرصت آرام و قیام
 جس کو آتا نہیں مرنے کی طرح مر جانا
 چارہ گر چارہ ور و دل ناشاد نہ کر
 مارنے والا کوئی اور ہی ہے درپردہ

پوچھے اُس سے جو دنیا سے جدا ہوتا ہے
 ہر نفس راہ و راہ فنا ہوتا ہے
 آخر کار وہ محتاج قضا ہوتا ہے
 چھڑ دینے سے یہ کچھ اور سوا ہوتا ہے
 سننے سننے کو فقط نام قضا ہوتا ہے

جن فَاؤں میں کچھ اندازِ جفا ہوتا ہے
ایک سے ایک محبت میں سوا ہوتا ہے
وہ جو اک حُسن میں اندازِ جفا ہوتا ہے
ہر جفا میں تری اندازِ نیا ہوتا ہے
جس کا کوئی نہیں ہوتا ہے خدا ہوتا ہے
یہ تو وعدہ ازلی ہے جو وفا ہوتا ہے
تیرا نظارہ بھی تو ہوش بُرا ہوتا ہے
فی الحقیقت انھیں بند نہیں خدا ہوتا ہے
آپ اپنی سی کئے جائے کیا ہوتا ہے
قید ہوتا ہے کوئی، کوئی رہا ہوتا ہے
کون کتاب ہے کہ انسان فنا ہوتا ہے

اب وفا میں وہی مرغوب مجھے ہوتی ہیں
دل کی تعریف کروں میں کہ جگہ کی تعریف
دل کی تسخیر میں کچھ خاص ہے حصہ اسکا
کوئی آسودہ جفاؤں سے تری ہو کیوں کہ
بیکوں کو نہ سمجھتا انکا نہیں ہے کوئی
مرنے والے کے لئے نوحہ و ماتم کیسا
کس توقع پہ کرے دید کی حسرت کوئی
خاکسارانِ جہاں را بختارت منکر
بادہ نوشی کہیں چھوٹی ہے خوابِ اعظ
مرگ ہے چیز نہ کوئی نہ کوئی چیز حیات
جو فنا ہوتی ہیں، ہوتی ہیں چیزیں کچھ اور

مجھ کو اندیشہ عیساں تو کیوں ہوں شتر

۲۵۱

۱۷

ہر جگہ ساتھ مرے خوفِ خدا ہوتا ہے

زندگی میں ہے تو اتنی جان ہے
ہر جگہ تیری نیکی اک شان ہے
آدمی کی اک یہی پہچان ہے
آدمی ہے اور گورستان ہے

تیرے ملنے کا ہیں رمان ہے
جس کو دیکھو دنگ ہے حیران ہے
خاکساری کو نہ چھوڑا ہے بخیر
ختم جس دن زندگانی ہو گئی

موت جس کے نام سے ڈرتے ہیں سب
 کر چکے لاکھوں ستم وہ عشق پر
 عاشقی میں دیکھ لو چاہے جہاں
 چار دن کی ہے یہ فانی زندگی
 ہم وہاں ہیں حضرت و عظمیٰ جہاں
 پاس سے ہٹتا ہے کیوں اور چارہ گر
 بول بالا ہے ستم کا تیرے آج
 شاکی جو روحنا حق ہے تو
 تھارتے نشتر کا استحقاق کیسا

۱۳

جو دیا تو نے ترا احسان ہے

۲۵۲

لطف آغاز محبت میں انجام میں ہے
 وعدہ وصل کسی کا سحر و شام میں ہے
 بقیہ اری دل ناکام کی دیکھے کوئی
 لوگ تکلیف اٹھاتے ہیں پائیں آرام
 یورشیں ہیں مری امید یہ پائی کی
 شام کو آئیگا وعدہ جو کیا ہے اُسے
 مجھ سے بڑھ بڑھ کے بہت بات نہ کر اور غلط
 یعنی جو کچھ مری کوشش ناکام میں ہے
 ابھی تقدیر مری گردنِ آیام میں ہے
 برق نہاں کوئی شاید ناکام میں ہے
 مجھ کو تکلیف ہی سہی دل آرام میں ہے
 صبح امید مری کشمکشِ شام میں ہے
 مجھ سے پوچھو جو مزہ آج مری کام میں ہے
 وہ ترے خم میں ہوگی جو کے جام میں ہے

چشم ساقی کی عنایت چہ ہے مجھ پر شہ
سینکڑوں طرح کی ہر وقت مہرجام میں ہے

۸

ہمار پاس بھی تو کچھ نفس کی یاد رہنے ہے
ہے آئین ہوس فریاد، تو فریاد رہنے ہے
مجھے اتنا تو ظالم قید میں آزاد رہنے ہے
نہ رہنا ہو ترا ممکن تو اپنی یاد رہنے ہے
غنیمت ہے نفس ہی میں اگر آزاد رہنے ہے
جو اک دن قید کہ تو اک دن آزاد رہنے ہے
چمن میں فصل گل جبتک ہو اور آزاد رہنے ہے
کیکو تو زلے میں گھڑی بھر شاد رہنے ہے
جو برباد رہتا ہے اُسے برباد رہنے ہے
کہیں کس منہ سے پھر یہ ہم کہ تو بیدار رہنے ہے
کرم کر محیر احساں اپنے اور صیاد رہنے ہے
صد اہمیت سے اٹھنے لگی "فریاد رہنے ہے"
مگر جب خود فراموشی ہماری یاد رہنے ہے!
یہی فریاد ہے تیری تو یہ فریاد رہنے ہے
وہ ہی ناشاد رہتا ہے جو شاد رہنے ہے

شکستہ پر نہ ہم سے چھین دیا رہنے ہے
خدا کا واسطہ بخجہ کو، دل ناشاد رہنے ہے
جو مین جانوں، تو مجھ کو اکل فریاد رہنے ہے
کیا ہے تو نے دل باد تو آباد رہنے ہے
رہائی کی مری فکر کے مرے صیاد رہنے ہے
طریقہ موسم گل تک یہ لے صیاد رہنے ہے
ابھی فکر اسیری کچھ دنوں صیاد رہنے ہے
یہ پنوا انقلاب اسے گلشن ایجاد رہنے ہے
نویں وصل کیوں تیری ہوا تو امید تو ناحق
ہمیں نے جب بنایا ہے شکر مجھ کو ظالم
نہ کر سدا قضاں نہ در نفس قید تعلق سے
قفس میں تیری پرتاثر فریادوں کے سنتے ہی
جائیں اس شکر کی نہیں ایسی کہ ہم بھولیں
ہنسی فریاد پرتی ہو ایدل سننے والوں کو
نہ کہ اسکی جفاؤ کی شکایت لے دل وحشی

ہزاروں طرح کے ہم نوج و غم لائے ہیں نیاے
یہ مانا میں نے آزادی ہی میرا حق فطری ہے
گر قمارِ قرض گھٹ کر نہ اے صیاد و مر جائے
یہ کھتی رگ ہے تو کیوں چھڑتا ہوں سکوایا ہدم

نہ کہنا آج سے شش زبان براف اگر لاؤں

۲۰

قسم تجھ کو اگر باقی کوئی بیدار رہنے دے

۲۵۴

ضروری کیوں ہوں یہ و حرم بشر کیلئے
بقدر تشنگی ذوق تو اگر دیکھے
اتنی عذر اگر ہے انھیں تو شامِ فراق
جو ہو سکے تو فلک کو کچھ اور کرے بلند
کبھی وہ دن تھے کہ میں ضبط کو ترستا تھا
بس ایک آہ کی عادی سی ہے محبت میں
ہزار پروں نہیں چھپ کر جو بیٹھنا تھا مجھے
اکہی کیا کروں کس طرح وہ نہیں میری
بھری ہی کیوں گئے لیں جو اویانغ و بہار
کہاں عامی سحر میں پڑا ہے تو لے دل
ترامریض ہے اور نیند ہے قیامت کی

ہیں سے راہ نکلتی ہو سیر گھر کے لئے
تو اک نظر تری فی ہے عمر بھر کے لئے
مجھے سکون سی بلجائو رات بھر کے لئے
کہ اور چاہیں کچھ سعتیں نظر کے لئے
اب انوف کو ترستا ہوں چشم تر کے لئے
خدا گواہ جو مرتے ہوں ہم اثر کے لئے
فضولِ حسرت دیدارِ دمی نظر کے لئے
کہاں لاؤں اثر آہ بے اثر کے لئے
تفس میں جب مجھ کو کھنا تھا عمر بھر کے لئے
شبِ فراق میں سعت نہیں سحر کے لئے
غرض کہ ات اسوائی تو عمر بھر کے لئے

مری طرف بھی کبھی التفات اور ظالم
 غمِ حبیب پر مر جان سے نہ خوشیوں پر
 مرے حواس مے ہوش، میرا صبر قرار
 نظر کی نذر نہ کرتا تو اور کیسا کرتا
 مری نظر سے چھپانی نہ تھی نظر تجھ کو
 کرے جو صرف مناسب تو کم نہیں **نشر**

۱۷

۲۵۵

بہت ہے زندگی مختصر بشر کے لئے
 مجروح جگر بھی ہے وہ کیا دل کی خبر لے
 کوئی نہیں جو اجمن دل کی خبر لے
 اب ہوش بھی میں چھوڑ چکا یا د میں تیری
 کچھ آس جگر کی تھی سو مجروح ہے وہ بھی
 انجامِ محبت بھی جگر جاکے نہ امی دل
 ملتی نظر آتی نہیں یوں منزل مقصود
 کچھ دُور سے ہے دردِ جگر حد سے زیادہ
 بننا ہے کسی روز اسے داغِ محبت
 ٹوٹا تھا ابھی شمع پہ کیا ہو گیا آخر
 مستور اسی میں تو ہے رازِ شبِ محفل
 بسل سے کہے کون کہ بسل کی خبر لے
 ہے تیری ہی محفل تو ہی محفل کی خبر لے
 غافل ہوں سی یاد میں غفل کی خبر لے
 اب تو ہی بتا کون مرے دل کی خبر لے
 دریا تو گیا ہاتھ سے ساحل کی خبر لے
 منزل سے کہو خود میر منزل کی خبر لے
 ایسا نہ ہو بکر بکر یہ کہیں دل کی خبر لے
 اے چرخِ مستحکم میرے کامل کی خبر لے
 بکر بکر کوئی پروانہ محفل کی خبر لے
 ہو کوئی تو خاکِ ستر محفل کی خبر لے

بسل کی ترپکاش دم قتل ہو ممکن
صدے سے ترے ہجر کے اللہ بچائے
یہ چاند یہ تارے نہ اگر راہ نما ہوں
اب شوق شہاد کی کوئی حد نہیں اسکے
ہر وقت خیال رخ محبوب کی نہیں ہے
کرتا ہے تم تجھ کو تو وہ ذوقِ تم ہے
بایں بہت رہ رہو اماندہ کا دل ہے

ہر قطرہ خوں دہن قاتل کی خبر لے
میں بچ کے نہ کھیلوں مری دلی خبر لے
ہے کون جو آرزوہ محفل کی خبر لے
قاتل کو خبر لے کوئی بسل کی خبر لے
ایسا نہ ہوا ہے تو مرے دل کی خبر لے
جو میری اسل فر دگی دل کی خبر لے
منزل سے کوختہ منزل کی خبر لے

بھٹکے گا تری راہ میں کب تک یونہی آخر

۱۸

۲۵۶

نہ نشر گم کردہ منزل کی خبر لے

نہ ہے اجازتِ نالہ تو آہ کرنے کے
جو کر رہی ہے کسی کی نگاہ کرنے کے
انھیں یونہی ستم بے پناہ کرنے کے
خدا کیو اسطے ضبط آہ کرنے کے
کرونگا عہدِ ضعیفی میں کب پھر افسوس
نہ جافر شتوں کے لگنے پہ دیکھ حمتِ حق
گناہ سے نہ مجھے روک زاہدِ خود میں
ہماری خاموشی کیا کم ہے آج محشرِ خیز

کسی طرح تو سنگرباہ کرنے کے
تباہ کرتی ہے دل کو تباہ کرنے کے
انھیں کا دل ہے یہ آخر تباہ کرنے کے
کسی کو ہجر کی شب کا گواہ کرنے کے
ابھی ہے عہدِ جوانی، گناہ کرنے کے
سیاہ کرتے ہیں فر دگناہ کرنے کے
گناہ ہے مری فطرت، گناہ کرنے کے
نہ کرنے کے جو وہ کافر نہ آہ کرنے کے

نقوشِ ہستیِ باطل کا راز یوں نہ کھلا
نہ کر ضیائیں مے و غمہاؤں عشق کی کم
گناہ کون نہیں چاہتا کہ سبز دہوں
ہزار بار مجھے روک آہ کرنے سے
غضبِ نین جان بکچھن ضبط کے ہاتھوں
نہ کرنے سے مجھے نہ ملے نہ آہ کرنے سے

سجے یقینِ محبت کا چاہئے نشتر

۱۲

کے زمانہ اگر اشتباہ کرنے سے

۲۵۷

وہ حجاباتِ فراق و وصل جاہاں کیا ہوئے؟
کیا اسی دن کو کئے تھے تو نے سب عہد و وعید
جائے ہیں جو چھوٹا سا کفن پہنے ہوئے
ٹوٹنے میں پر کچھ ان کے، نہ کچھ ہونے میں دیر
کوئی پوچھے ان سے جنکا ابتدا میں ذکر تھا
حضرتِ دل اب بھیں تنہائیاں ہیں لپٹ
دلیں آتے ہی تے لے یاس، دل خالی ہوا

وہ بیاباں کیا ہوئے اب گلستاں کیا ہوئے؟
اب زبانِ حُسن تیرے عہد و پیاں کیا ہوئے؟
کوئی پوچھے اب ساز و سماں کیا ہوئے؟
تو بہ میخوار ٹھہرے عہد و پیاں کیا ہوئے؟
اتے باتیں کیا ہو میں وہ عہد و پیاں کیا ہوئے؟
راٹن کے وہ ہجوم ہنشیناں کیا ہوئے؟
آرزو میں ہو میں میری وہ ارماں کیا ہوئے؟

اکٹل تنہا میں ہے نشتر یہ شور میں یہ ہجوم

اک مصیبت ہو گئے کبخت ارماں کیا ہوئے؟

۸

۲۵۸

فغان جاری ہے اور مجھ کو بیزار فغان کرے
مری خاموشیوں کا خاص اندازِ بیاں کرے

غرض جیسا جو چاہے خدا کے دو جہاں کرے
جو تیری پاس ہے ایدل وہ نذر یہاں کرے
جو ہر شاخ چمن کو میری شاخ آشاں کرے
کہیں بخت پھر مجھ کو نہ مجبور قفاں کرے
فلک کو تو زمین کرے زمین کو آسماں کرے
انہیں کچھ روز تو یارب نصیبِ ثناں کرے
گلستاں جو پایا ہے نثارِ گلستاں کرے
حیاتِ چند روزہ کو حیاتِ جاوداں کرے
کہیں بخت قاتل کو نہ مجھ پر مہرباں کرے
مجھے اپنی نگاہوں کو ممکن ہو نہاں کرے
زمین کے درے درے کو تو اپنا آستاں کرے
جو ممکن ہو تو کچھ آساں ہمارا امتحاں کرے
گوارا ہے ہمیں یہ بھی ذرا قِ جسم و جاں کرے
لے چلتا ہے تو کچھ انتظامِ آشاں کرے
نہ جانے کیا کیدن انقلابِ آسماں کرے

زمین کرے کیکو، یا کیکو آسماں کر دے
خیالِ چشمِ میگوئی تصدقِ جسمِ جاں کر دے
نظر ایسی مری لے خالقِ ہر جہاں کر دے
بہت بید رہا ہے تو راج تو بتائی دل کے
جو ممکن ہو تو کچھ دن یوں نظامِ خلق ہو یا رب
نصیبِ دُشاں ہیں ہجر کے غم ایک مدت سے
لگا دیتا نہیں کیوں اپنی دولتِ ہل دُنیا پر
غمِ عشق و محبت کا یہ لطفِ عارضی یا رب!
نگاہِ یاس کیوں پیچھے پڑی ہے آج مقتل میں
نگاہیں ہر قدم پر مانعِ دیدار جاناں ہیں
جبینِ شوق کی بیاباں اب ہم نہیں لیتیں
شکارِ یاس میں جانے کا ڈر ہے جو رہیم سے
اگر اس جسمِ خاکی سے تراشنا نہیں ممکن
خبر گیری کریگا کون لے مینا داب اس کی
جب اس کی سیدھی چالو نہیں مانے کی چال ہو

نگاہِ شوق کو اپنی درار کے ہوئے نشر
کہیں یہ منکشف سب پر نہ اسرار نہاں کرے

سیر کی فرصت اگر لجاے من مانی مجھے
 نے غم عشق و محبت کی فدا دانی مجھے
 رہنمائی دل نے تجھے دل سے کی ہوئی اگر
 جو یہ ہم سے مراد دل تم نے ٹکڑے کر دیا
 الفراق لے ہنشیں اب میں دل در بحر وسیع
 پھر میں صیاد اور برق و باد سب کو دیکھتا
 جب سیرے جام کے دو گھونٹ سانی پی لئے
 میں نے جو مانگا کبھی اس سے وہ مجھ کو مل گیا
 دیکھ کر دونوں کی افتادِ طبیعت ایک سی
 اور کرتے مشکلیں پیدا طریق عشق میں
 یاد کیسے شبِ غم ہو گیا میں دستِ کُشن
 یوں بھی توبہ توڑنے کو میں سمجھتا تھا ثواب
 دیکھ کر آنکھیں پشیمان عرصہ محشر میں آج
 عالم فانی کے دھوکے خوب کھائے عمر بھر
 قید سے میں کب چھٹا تھا کتنی بدلت ہو گئی
 جب محبت کی پریشانی میں اتنا لطف تھا
 کس قیامت کی وہ ظالم رات بھی اکلات تھی

عالم فانی نہ ہو یہ عالم فانی مجھے
 ورنہ کرو دگی قنایا رب تن آسانی مجھے
 منزل مقصود مل جاتی یہ آسانی مجھے
 اب پریشانی تمہیں ہے یا پریشانی مجھے؟
 اب نظر آنے لگا چاروں طرف پانی مجھے
 باغ کی ملتی جو دو دن کو نگہبانی مجھے
 اک سرت ہو رہی آج روحانی مجھے
 نقشِ الفت ہو گیا نقشِ سلیمانی مجھے
 نغمے بلبیل کو دئے اُس نے غم بخوانی مجھے
 اب اسی میں کچھ نظر آتی ہے آسانی مجھے
 جب نظر آنے لگی ہر سو پریشانی مجھے
 ہو گئی کالی گھٹا تائیدِ ربانی مجھے
 ہو رہی ہے اپنے شکووں پریشانی مجھے
 عالم فانی نہیں تھا، عالم فانی مجھے
 چھوڑتا اب تک نہیں چل رہا فانی مجھے
 ساری دُنیا کی نہ دیدی کیو پریشانی مجھے؟
 یاد ہے اب تک شبِ غم کی پریشانی مجھے

اک پریشانی انہیں ہے، اک پریشانی مجھے
جب محبت میں نہیں ہوتی پریشانی مجھے
روز لاکھوں روز میں دلیں لیجانی مجھے
روز محشر کرویا جس چیز نے پانی مجھے
کر چکی ہے غش تپے جلو و نخی عریانی مجھے
کیوں پریشانی تجھے ہو، کیوں پریشانی مجھے
بادل اٹھتے ہیں مگر ملتا نہیں پانی مجھے

اُن کو فکر جو رہتی ہے، مجھے فکر و فنا
جو پریشانی مجھے اُس وقت ہوتی ہے نہ پوچھ
روز لاکھوں روز میں لے کر آنا بزم میں
وہ پریشانی کے آنتو تجھے کسی کے آنکھ میں
اب تری دیدار کی جہارت کمال و برق حسن
تو مجھے مایوس ہی کر دے خدا کی واسطے
جوش میں تپا ہے دل تو ضبط کر دیتا ہر خشک

میں نزل سے ہوں اب تک مٹ نہیں سکتا کبھی
کیوں سمجھ رکھا ہے شتر دہرنے فانی مجھے

۲۵

۲۶۰

دل کو کیا حکم ہے، دیوانہ بنے یا نہ بنے
دل مر قابلِ میخانہ بنے یا نہ بنے
رہبر کو چہ جانانہ بنے یا نہ بنے
میری روداد کا افسانہ بنے یا نہ بنے
قابلِ سجدہ میخانہ بنے یا نہ بنے
بعد میرے مرا افسانہ بنے یا نہ بنے
ایک در جانبِ میخانہ بنے یا نہ بنے؟
آگے اب دیکھئے میخانہ بنے یا نہ بنے

حسنِ خود مت کا ستانہ بنے یا نہ بنے
لیکے جاتا تو ہوں، پچانہ بنے یا نہ بنے
جائز دل عشق میں دیوانہ بنے یا نہ بنے
تا قیامت اسے بھول لگی نہ دنیا و وفا
ہم جہیں اپنی ہٹائینگے نہ میخانے سے
لطفِ توجہ کے کہ بجائے مرو جیتے جی
پوچھ لیتا کوئی زاہد سے کہ سجدہ کا تری
دل بنا جام، یہ ایک فالِ مبارک ہو، مگر

مانے ہی کے میخانے کی ہونے تکمیل
 شمع موجود ہے جل بجھنے کے ساما موجود
 تیرا مکان میں غافل ہے کہ یہ دل تیرا
 دلیں آتا ہے کہ بن جاؤں ترا دیوانہ
 اک مراد دل ہے کہ ہے جام بھی خم بھی اہ
 دلوں آئند کے دھوکے تو دیے جاتا ہوں
 جی میں آتا ہے کہ جو دلیں ہے سب کٹھنوں
 خاک میخانہ میں مٹی تو ملا دیں اپنی
 سنگ بنیاد تو ہاتھوں میں کھاتا ہوں
 کامیابی کی تمنا ہو محبت میں ہے
 آج کچھ کہہ ہی کے اس بزم کو ہم اٹھنے لگے

جب وہ دیوانہ گرانداڑ سے دیکھیں نشر
 کون پھر سوچے کہ دیوانہ بنے یا نہ بنے

۲۶۱

۱۸

دن میں فغان سے کام ہے، رات میں کام آہ سے
 لوٹ رہا ہوں آدمی، بار کی بار گاہ سے
 جھکوتی ہے حشر میں، رحمت حق گناہ سے
 شرم گناہ نے یہ کیا حشر میں سو کر دیا

کسی نگاہ لڑ گئی، میرے دل تباہ سے
 دیکھے جہان کو کوئی آج مری نگاہ سے
 میرے گناہ دیکھئے، آج مری نگاہ سے
 اے تھے ہم گناہگار جاتے ہیں بیکناہ سے

حضرت زادہ آپ کی میری بھی نہ نبھ سکے
میرا سنا نہ اٹھا، کیا تو سمجھ کے بھلا
مجھ کو نہ آئے کیوں مہنی اہل جان دیکھ کر
تیری نظریاں پرست، میری نظر ہمارے پرست
عشق ہے آتشِ مہیبِ عشق کی طرح ہوا اگر
یونہی شبِ مفارقت، جان کی خیریت نہ تھی
منظرِ ہمتابِ کل، وقتِ طلوع کیا کہیں
عالمِ حُسن کی تجھے، یوں ہوئی نہ ہو خبر
پردہ روئے دوست ہے، اپنی نگاہِ ظاہری
وہم و گمان نے بار بار، ہم کو بھلا یا راستہ
قصہ طور کا ابھی، دل سے اتر نہیں گیا
زعم جو عاشقی کا تھا، دل سے مرنے نکل گیا
غیض اور التفات کیا، کیا جمال اور جلال
رحمت حق نے جب لیا، دامنِ عفو میں مجھے
حیلہ رحمتِ خدا، جب میں مجھے مرے گناہ
کوئی جسے نہ سُن سکے، کچھ نہ جسے سمجھ سکے
دل ہو نہ سکے، الم آنکھ ہے صرف اشکِ غم

مجھ کو یقیں سے کام ہے، آپ کو اشتباہ سے
سُن لے میرے کان دیکھ مری نگاہ سے
بارگناہ سے لدے پھرتے ہیں بیگناہ سے
تیری نگاہ زادہ، کم ہے مری نگاہ سے
سائے جان کو پھونک دو، چاہتی تو ایک سے
لیجے سامنے سے وہ، بادِ دل اُسکے یاہ سے
جیسے کوئی جوانِ مست اٹھا ہو خواہ گاہ سے
ایک ناپنے حُسن کو، دیکھ مری نگاہ سے
دیکھئے حُسنِ یار کو دیدہ بے نگاہ سے
آکے ہم اپنی راہ پر لوٹ گئے ہیں اہ سے
دیکھو، نہ دیکھو پھر ہیں اُج اُسی نگاہ سے
ایک جواب اُٹھ گیا، آج مری نگاہ سے
وہ مجھے دیکھتے تو ہیں دیکھیں کسی نگاہ سے
حشر میں نہ سارا تھے، لوگ مرے گناہ سے
ترکِ گناہ کیوں ہو، بڑھکے مجھے گناہ سے
کرتا ہوں میں گفتگو، انجم و مہر و ماہ سے
کون انھیں خبر کرے، حالِ دلِ تباہ سے

مجھ سے ہزار بن گئے، اک سرودِ آہ سے
کوئی کسی نگاہ سے، کوئی کسی نگاہ سے
فقر مرا ہے خوب تر، شوکتِ پادشاہ سے
نشر زار منتظر ہے تری اک نگاہ کا

۲۵

طوبہ نہ دتا ہوں میں اُسے باہر جو میر گھر میں ہے
دوسرا کون آج مجھ سا، عرصہ محشر میں ہے
جس جو دُنیا میں ہے اُسکی جانے گھر میں ہے
ہے زمیں گردش میں یا چرخ کُن چکر میں ہے
آسمان پوچھنا کوئی یہ کس چکر میں ہے
کچھ شرار و برق میں، باقی دل مضطرب میں ہے
کیا زلزلے بھر کی بیانی دل مضطرب میں ہے
کس طرح قائم تر ارا مان دل مضطرب میں ہے
ایک ہم ہی تو نہیں دُنیا اسی چکر میں ہے
ہمتِ پرواز دل میں ہے، کہ میر پر میں ہے
زینتِ محفل اسی محفل کی فاکسٹر میں ہے
کچھ زمانے بھر میں ہے باقی دل مضطرب میں ہے

میری نظر میں کیا چھے، تیری حقیقت لے فلک
ذوقِ نظر کا فرق ہے، دیکھتے ہیں سب آپ کو
بھکو سکون ل تو ہے، بھکو سکون دل کہاں

۲۶۲

جلوہ کا حسن پوشیدہ دل مضطرب میں ہے
دلیں احساسِ ندامت، تنگ چشم ترین میں ہے
رات دن وحشتِ تلاشِ یار کے چکر میں ہے
ہم کو کیا مطلب کس چکر میں رکھتے ہیں کو
میں چوں گردش میں کہ سرگرم تلاشِ دست ہو
نام ہے جس کا پیش، کہتے ہیں جس کو اضطراب
چین آتا ہے نہ اس پہلو، نہ اُس پہلو مجھے
بیقرار سی میں ٹھہر سکتی نہیں ہے کوئی چیز
کیوں ہمارے عشق میں ہوتا ہے ناصحِ سدا رہ
کا کتاب ہے پر میرے، صیاد اس سے پونچھے
تو ادا ہو پھر رہی ہے جس کو اسے با و صبا
بیقراری کی بھی ہے تقسیم کتنی ناروا

ایک تیرا حُسنِ جبلی دُنیا بھر میں ہے
 قدرِ باہر بھی جیسی تک ہے، کہ جتنا گھر میں ہے
 ساری دُنیا سے نہاں ہے، اور دُنیا بھر میں ہے
 رازِ رحمت کا گنگاروں کی چشمِ تریں ہے
 اور گنجائش ابھی میرے دلِ مضطرب میں ہے
 تھا جو غربت میں بھی تک، آج اپنی گھر میں ہے

ایک میرا عشق جس کا کوئی پرہاں ہی نہیں
 اپنی نظروں گرا، دُنیا کی نظروں سے گرا
 خالقِ عالم کا یہ ادنیٰ کرشمہ دیکھتے
 دیکھتے ہی اکو، آجاتی ہے رحمتِ جوش میں
 ہوا اگر ممکن بڑا دے اور کچھ بتایاں
 ناروا ہے موت پر کرنا کسی کی رنج و غم

کیوں کسی کے سامنے افشا کرے اسرارِ عشق
 وہ دلِ نشتر میں ہے جو کچھ دلِ نشتر میں ہے

۲۶۳

۱۹

کہیں عشق کا یہ کرم رہے، تو مزہ تھاری قسم ہے
 تمہیں شوقِ ظلم و ستم ہے، بہنِ فوقِ لذتِ غم ہے
 ہمیں کیا خبر جو ستم رہے، تو بہت ہے کہ وہ کم ہے
 کہ اسیرِ شوقِ ستم ہے، ہم اسیرِ لذتِ غم رہے
 غمِ عشق تھا وہ ہی اک مگر عجب اختلاف میں ہم ہے
 کبھی صرفِ نالہ غم رہے، کبھی محوِ لذتِ غم رہے
 نہ تھی آنکھی زندگی، زندگی، جو ہلاکِ لطف و کرم رہے
 وہ ہی خوش نصیب تھا عشق میں غم تھا کہ شہِ غم رہے
 نہ وفا میں میرا جواب تھا، نہ جفا میں اسکا جواب تھا!

ہے دونوں عشق میں یک سے، نہ میں کم نہ بانہ وہ کم نہ ہے
 وہ تھے دل کے پڑے میں جلوہ گر، کہیں بد نصیبی کو کیا مگر
 کبھی بھول کر نہ پڑی نظر، وہیں رہے وہیں ہم رہے
 یونہی کاش عشق میں ہو بسرا کہ ہوں میں پنہ سے بخر
 کبھی بھول کر نہ ہوا نکھڑا مرے دل میں لاکھ الم رہے
 مرے دلیں نہ کے وہ عمر بھر، نہ الگ رہے نہ ملے کبھی
 وہ عجیب طرح الگ ہے، وہ عجیب طرح ہمس ہے
 جو کسی نے پوچھ لیا کہیں، کبھی میرا قصہ عاشقی
 تو نخل کے آنکھوں سے اشک خون، وہیں کے پلکوں سے تھم ہے
 نہ حیات کی کوئی اصلیت، نہ موات کی کوئی اصلیت
 رہ عاشقی کے یہ راہرو، کبھی چل پڑے کبھی تھم ہے
 نہ کرم کے ہم ترے شیفہ، نہ ستم پہ تیرے فریقہ
 وہ کرم ہے کہ ستم ہے، ہمیں لطف لذت عم رہے
 وہ نہیں ہے آدمی آدمی، جو خوشی میں بھول کے رہ گیا
 یہ مزہ نشاط و خوشی کا ہے، کہ نگاہ جانب عم ہے
 ہمیں کیا اُمید سے واسطہ، ہمیں گھرتی ہے اُمید کیوں؟
 وہ ہمارا دشمن عیش ہے، جو ہمارا دشمن عم رہے

جو زبان بند نہ ہو گئی، تو کہیں گے اُن سے یہ حشر میں
ہیں ایک کیوں ہوئے رو سیہ اُسے تم جاؤ میں ہم ہے
نہ جنھوں نے ذکر کیا ترا، نہ جنھوں نے یاد کیا تجھے
وہ فضول بارِ جہاں رہے، وہ فضول بارِ سکم رہے
نہ وہ شغلِ باؤد و جام ہے، نہ وہ صبح ہے نہ وہ شام ہے
نہ وہ دن ہے، نہ وہ سن ہے، نہ وہ تم ہے نہ وہ ہم ہے
مجھے کیوں ہو دیر کی جستجو، مجھے کیوں حرم کی ہو آرزو
ہے مزدِ توجیب، تری عشق میں مرادل ہی دیر و حرم ہے
ابھی اُنکے آنے میں یہ ہے، ابھی کون جینے سے سیر ہے؟
ابھی کبڑا سنس ڈاں ہے، ابھی اور آنکھوں میں دم ہے
ہیں نشر اپنے خیال میں ہے کیکی یاد سے واسطہ

۱۹

۲۶۴

ہیں کیا جو ہم یہ ستم رہے، ہیں کیا جو ہم یہ کرم رہے
پہلے ہی مرنوا لاسجھتا یہ کاشکے!
بلجائیں، اور آنکھوں میں کاشکے!
یہ نگ ہیں مریضِ محبت کی لاش کے
خنجرِ کف وہ آگ کی قتل گاہ میں
آنکھوں میں دم ہے اب کوئی ساعت کلیہا
ٹکڑے اڑ گئے کوچہ قاتل میں لاش کے
گزرے ہو فانی غم و نخرِ اش کے
اتکِ نشان بنے ہیں غم و نخرِ اش کے
نعرہ بلند ہونے لگے شادِ باش کے
بیارِ غم کے سامنے ہوتے وہ کاشکے!

ہم کیوں نشاطِ دہر سے ہو جائیں شادیاں
 دنیا میں عاشقوں کا ٹھکانہ کہاں لگے
 آنکھ نہیں ڈھونڈتے کہ تمہیں دلیں ڈھونڈتے
 نزدیک سے دکھائے مجھے انجمنِ فلک
 غافل ہے آدمی تو اُس کا قصور ہے
 دیکھو جے وہ پھیر میں دیرو حرم کے ہے
 ہشیاریوں سے رکے ہماری بلا غرض
 دنیا محض عشق میں ہیں شب و روز تذکرے
 پانی میں رہ کے تر نہیں ہوتا ہے نیلوفر

پہری کے دن خراب نہ کر نشر اس طرح
 اُس کو تلاش کر، یہی دن ہیں تلاش کے

۲۶۵

۱۵

ناز و الانیساز کیا جانے
 موت دنیا میں کس کو کہتے ہیں
 بندہ ہو ہشیاری و خود ہیں
 کیا کروں تجھ سے بات میں ناصح
 کیا مرض، کیا علاج ہے میرا
 کون ہے دوست، کون ہے دشمن

سوز کا رنگ ساز کیا جانے
 تیرا مقتول ناز کیا جانے
 میری غفلت کا راز کیا جانے
 تو محبت کا راز کیا جانے
 تو اسے چارہ ساز کیا جانے
 رحمت کا راز کیا جانے

کیا گذرتی ہے دل پہ عاشق کے
چشم دیوانہ ساز کیا جانے
دلنواز می ہے حسن کا زیور
چونہ ہو دلنواز کیا جانے
میری دنیا کے عشق کی باتیں
انکی دنیا کے ناز کیا جانے
جسکے دلیں نہیں ہے سوز و گداز
میرا سوز و گداز کیا جانے

اُس کی بکری کی کرم
نشر
فرق اور ایتباز کیا جانے

۲۶۶

۱۱

نہ پھولیں اپنے گلشن پر زیادہ گلتاں والے
چلیں گے ایک دن سے باغ میں نئے خزاں والے
زبان آف نہیں کرتے کبھی دردِ نہاں والے
ہیں بالکل بے زباں گویا یہ سچا زباں والے
ذرا انگلی بھی سن لینا، اگر تمکین اجازت دے
وہاں کچھ بے زباں بھی ہیں جہاں ہیں زباں والے
دردِ جاناں مری نظروں میں اک خلدِ محجم ہے
لے بیٹھے ہیں باغِ جاناں، باغِ جاناں والے
تفس میں کیا کھٹکنے کو تصورِ باغ کا کم تھا
یہ کس نے رکھ دیتے تھے ہمارے آشاں والے
چلیں زباں کے کہنے پر کہ ساتی کا کہا مائیں
ہمیں تو چاروں کی زندگی بھی ہو گئی دو بھر
خوشی معنی دار دکہ در گفتن نمی آید
ہماری بے زبانی کچھ سمجھتے ہیں زباں والے

غمِ نہاں سے میری زندگی ہے زندگی نشر

۲۶۷

۹

نہ بدلوں میں اگر بدلیں نشاطِ دو جہاں والے
غمِ نہاں سے میری زندگی ہے زندگی نشر
مڑھ اس عشق میں کچھ ہو جو روحِ جاتا تک ہے
شکر کیوں نہیں تو شکر سر سے پاتا تک ہے

وہ ناداں ہیں سمجھیں زندگی حدِ قضا تک ہے
محبت میں خفا مجھ سے نگاہِ آشنا تک ہے
ہر اندازِ جفا اک امتیازی شان رکھتا ہے
اگر دل جلوہ زارِ حُسن میں کہو یا تو حیرت کیا
مرے نزدیک محرومی کہیں بہتر ہے دنیا میں
ستم میں کئی آنکے کہ اور اُس میں اضافہ ہو
نہ جینا اُن کو آتا ہے، نہ مرنا اُنکو آتا ہے
ہمارا بھی شاید ہی کسی کا ہو گا افسانہ
وہ دنیا کوئی دُنیا ہے، وہ ہستی کوئی ہستی ہے
قضا کی حد سے آگے بڑھے ہو تو ہو بقا حاصل
طبیعت سے کرو جو کام، ہوتا ہے اثر اُس میں
الہی دروِ اُلفت بڑھے جائیگا کہاں خیر
را جس زہو کی یہ، مزہ آجائیکانِ شتر

حقیقت میں اُسی بدبے سب کچھ تھا تک ہے
وہ بکینوں کہ میری یکسی بھی انتہا تک ہے
جھائے ناروا، محدود اربابِ وفا تک ہے
میں سُنتا ہوا سیرِ حُسنِ رعنائی خدا تک ہے
کہ آخر مدعا بھی تو حصولِ مدعا تک ہے
ہماری کیا، ہمارا زور تو دستِ دعا تک ہے
جو اپنی زندگانی کو سمجھتے ہیں قضا تک ہے
عجب اک بنجو دی سی ابتدا سی انتہا تک ہے
زیادہ سے زیادہ وسط جسے قضا تک ہے
وہ کوئی زندگی میں زندگی ہے، جو قضا تک ہے
جو منظورِ طبیعت ہے، وہ منظورِ خدا تک ہے
کہ اپنی ابتدا ہی میں یہ ظالم انتہا تک ہے
مری محرومی تقدیرِ آہِ نارسا تک ہے

نہ جانے زندگی کی ہو گئی رفتار کیا شتر

۱۵

محبت میں گوارا مجھ کو احسانِ قضا تک ہے

۲۶۸

بس اک نظر، کہ درد کی شدت جگر میں ہے
جو تھامی نگاہ میں اب بھی نظر میں ہے

سُنتے ہیں ہم شفا بھی تمہاری نظر میں ہے
جھکو کیا اسیر تو صیتا دیکھا ہوا

کوئی تو ایسی بات تھاری نظر میں ہے
اب اور کتنی دیر اتنی سحر میں ہے
منزل کی کیا کہے جو ابھی رہ گزریں ہے
دونوں کا جب آلہ ہاری نظر میں ہے
اُس دن سے آج تک وہ ہی جلوہ نظر میں ہے
باہر تلاش اُس کی ہے جو خیر گریں ہے
پوچھے نہ کوئی مجھ سے جو عالم نظر میں ہے
دُنیا کے عشق گوشہ دامن تر میں ہے
منزل مری ضرور اسی رہ گزریں ہے
مرکز پر اپنے رہ کے ہمیشہ سفر میں ہے
اُس نے نہا نہ ہو گا جو میری نظر میں ہے
جو کچھ ہے حُرْنِ عشق کی پہلی نظر میں ہے
تاثر سنتے تھے کہ دُعائے سحر میں ہے

اہل نظر میں ست بہ دل و دست جبرگر
بنفیس بھی ڈوبنے لگیں تاروں کے ساتھ ساتھ
زاد سے رہبری کی توقع فضول ہے
ہم رنج اور عیش کو سمجھیں نہ کیوں حقیر
دیکھا تھا ایک بار ازل میں جمالِ دوست
دیرو حرم میں ڈھونڈ رہی ہے تمام خلق
دُنیا سے میں نے پھیر لی جس دن سے اپنی آنکھ
بن بن کے شک آنکھوں سے حسرت ٹپک پڑی
اب میں طریق عشق نہ چھوڑو نگاہ بھول کر
یہ ہم بجز نفس کے کسی اور میں کہاں
کیا سمجھے میرے مشربِ رندی کو محتسب
چاہے بنائے، چاہے بگاڑے کسی کو یہ
محر و میوں سے اپنا تو پیمانہ چھٹ سکا

نشر ملک بھی اسکے علو کے ہیں معترف

۱۶

کچھ بھی نہیں ہے ابھر بھی بہت کچھ بشر میں ہے

۲۶۹

لاکھ ویرانہ سہی رونق تو دیرانے میں ہے
بات لیکن وہ کہاں جم دل کے کاشانے میں ہے

ضوئیں جلوہ ترا دل کے نہاں خانے میں ہے
یوں تو متی دیر میں کبے میں تجانے میں ہے

لطف منزل کیا جو قائم رکھے ہوشن جو اس
 فرق مجھ میں اور زاہدین ہی تو ہے فقط
 ال چو کھا ہو تو زاہدین و کم کی فکر کیا
 کس کو میں اچھا کہوں، کس کو بُرا و اعطا مگر
 تجھ کو ساقی جام و مینا کی قسم، سچ تو بتا
 سننے والے تمام لیتے ہیں کیلجہ بزم میں
 خم کے خم ساقی بھر ہوں، مجھ کو ان واسطہ
 زندگانی جس کو کہتے ہیں جہان عشق میں
 وہ بھی ہو ساقی غایت، وہ بھی بلجایو مجھے
 عطا سننے والو کو و اعطا جو آنکھیں تنوں تو دیکھ
 چشم ساقی سے جو دل کا ربط قائم ہے یہ ہی
 انکی آنکھیں کہ رہی ہیں آج انکے دل کا حال
 چشم ساقی کا قصور، ساتھ رہتا ہے مرے

۲۷۰

ڈھونڈتی ہے جس کو دنیا کعبہ و بتخانہ میں
 وہ نہ کعبے میں ہے نہ بتخانہ میں ہے

۱۶

سوز سے تبدیل دل کا ساز ہونا چاہئے
 ہوش کو اب مایل پر واز ہونا چاہئے

پھر جنائے حسن کا آغاز ہونا چاہئے
 سعی تاحد حسیم ناز ہونا چاہئے

لطف پانے میں نہیں ہے، بلکہ کھانے میں ہے
 میں پی لی اُسکے پانے کی پیانے میں ہے
 تیرے خم میں کہاں حج میرے پانے میں ہے
 دن کو جو مجھ میں ہے وہ شب بچانے میں ہے
 مجھ سا دریا نوش کوئی تیرے بچانے میں ہے؟
 بات کوئی تو ہمارے غم کے افسانے میں ہے
 میری قسمت کی جو ہو وہ میرے پانے میں ہے
 سر سے لیکر پاؤں تک وہ در بچانے میں ہے
 میری حصہ کی جو باقی تیرے پانے میں ہے
 وعظ میں بیٹھے ہیں، دل انکا بچانے میں ہے
 دیکھنا سب میکہ اک روز پانے میں ہے
 کل جو خم میں جزن تھی آج پانے میں ہے
 میں کہیں تنوں، دل مرا وقت بچانے میں ہے

ہو وہ کتنی ہی غلط انداز ہونا چاہئے
 کیا تیری آنکھوں کو جیلہ ساز ہونا چاہئے
 آدمی کو گوش بر آواز ہونا چاہئے
 دل بشر کا نعمہ ہر ساز ہونا چاہئے
 ہر جہاں میں اک نیا انداز ہونا چاہئے
 دل کی آنکھوں کو کرشمہ ساز ہونا چاہئے
 ہر ستم اُن کا نظر انداز ہونا چاہئے
 ہر جہاں تیری فسانہ ساز ہونا چاہئے
 اس اجل پر زندگی کو ناز ہونا چاہئے
 فاش آخر زندگی کا راز ہونا چاہئے
 تیر تو لاکھوں ہیں، تیر انداز ہونا چاہئے
 آج تم کو بھی سراپا ناز ہونا چاہئے
 ایسی تنہائی میں اک دمساز ہونا چاہئے
 ایک دن تو منکشف یہ راز ہونا چاہئے
 عشق کو بھی بے نیاز ہونا چاہئے
 آنکھ کتنی ہے کہ افشا راز ہونا چاہئے
 کیا قفس ہے اور نشر کیا قفس کی تیلیاں!

میری جانب اک نگاہ ناز ہونا چاہئے
 کر دیا کرتی ہیں یہ تروید تیری بات کی
 جانے کب آئے ندائے غیب اسکے کامیں
 کیوں خمی خمی میں ہے، کیوں رنج میں ماتم کر دو
 سچ کہا ہے غیب کرنے کو بھی لازم ہے نہر
 دیکھ سکتی ہے نظر بے نیرنگی کون و مکاں
 بے جفاؤں کے، محبت ہے طعام بے نمک
 ہر جہاں میں سو فسانے ہوں جو تڑپا دیں مجھے
 نام لب پر ہے کسی کا آنکھ میں تصویر ہے
 موت سے انسان کی بیزاریاں بیکار ہیں
 دیکھنے کا ڈھنگ بھی، اک چیز ہر نظروں کے ساتھ
 میں سراپا بن گیا ہوں آج تصویر نیاز
 ہجر کی شب اسے خیال پار کر تو ہی کرم
 بے نیاز می عشق سے کیوں جن کی نظر میں ہے
 ناز کو ہے بے نیازی جب نیاز عشق سے
 دل کی خواہش ہے کہ راز عشق پوشیدہ رہے

کیا قفس ہے اور نشر کیا قفس کی تیلیاں!

۲۷۱ حوصلوں میں قوت پرواز ہونا چاہئے
 ۱۹ دل میں مجھے دُنیا کا جلو نظر آتا ہے
 بند تیرے کونے میں، دریا نظر آتا ہے
 گلشن نظر آتا ہے صحرا نظر آتا ہے
 ہر راہِ سب کو کے محشر ہے اداؤں کا
 پر و نیش میں کی، کبخت نے کی تازہ
 یہ بندہ ہوں جنبک ویدار نہیں ممکن
 سب اہل جہاں جب کوکتے ہیں سخن خانہ
 جوت سے اٹھتا ہے کوئی مری پہلو سے
 پہلا مر اشکِ غم پھیلے گا بڑی حد تک
 کچھن میں ہی قطرہ، دریا نظر آتا ہے

جب غور محبت پر کرتا ہوں میں بے نشتر

۲۷۲ لہر آتا ہوا سا اک، دریا نظر آتا ہے
 ۹

ہم نے مانا ہے جو کچھ تقدیر ہے
 سخی لا حاصل مری تدبیر ہے
 یہ بھکر میں تو کرتا ہوں گناہ
 جو سدا تھا کبھی عیش و نشاط
 قید زندان ہو س ہے آدمی
 اِطرث آئی اُدھر چپاتی ہوئی
 شرطِ انساں کو مگر تدبیر ہے
 تو جو کر دے وہ مری تقدیر ہے
 بے گناہی داخلِ تھمیر ہے
 اب ہی دل درد کی تصویر ہے
 آدمی کی ہر ہو س زنجیر ہے
 نوجوانی برق کی تنویر ہے

دیکھ کر تصویر تیرے حُسن کی
 لے چلا ہے مجھ کو شوق جستجو
 باغ ہستی سے کنارہ کیا کروں
 یاد دعا کرنی ہمیں آتی نہیں
 کہہ گئی کیا بے مروت چشم دوست
 تیرا عالم میں پتہ ملتا نہیں
 زندگی و موت نشر کچھ نہیں

۱۳

۲۷۴

خواب وہ، یہ خواب کی تعبیر ہے

جو دل دوست تھا وہ بھی سرگرم کیں،
 فلک ہے، تارے ہیں، ماہ ہیں ہے
 جو قسمت حسین ہے، تو دنیا حسین ہے
 تری مت آنکھوں سے مخمور ساقی
 غم عشق ہو اور مجھ کو عنایت
 وصال اور فرقت کو یہ جانتا ہوں
 ہم اپنے سے غافل ہیں، آجاؤ دل میں
 تمہیں پر مری زندگی منحصر ہے
 سوا تیری چشم عنایت کے ظالم

محبت میں کوئی گسیکا نہیں ہے
 شریکِ غم ہجر کوئی نہیں ہے
 نہیں تو یہاں کوئی اپنا نہیں ہے
 اگر ہم نہیں ہیں تو کوئی نہیں ہے
 اب اتنے میں میرا گزارا نہیں ہے
 یہ دورِ رخ نہیں ہے، وہ جنت نہیں ہے
 بے تنہائی اس وقت کوئی نہیں ہے
 نہیں تم جو میرے تو کوئی نہیں ہے
 کوئی دردِ دل کا مداوا نہیں ہے

وہ اور اُس کتنا غلط گو ہے قاصد
خدا جانتا ہے مرے دل سے بڑھ کر
مقرر اجل کا وقت اور پھر بھی
محبت جتاتے مجھے عمر گزری
اداوں سے کہہ دو کہ لوٹیں نہ اس کو
گنوا تی ہو نے میں کیوں اس کو شبنم
کہیں فصل گل، فصل توبہ ہے و غلط
جئے یا مرے کوئی، اس کو نہیں غم
یہ کیا لب پہ آہیں ودا نکھوں میں آنسو
وفاؤں کے بدلے ستم ہو رہے ہیں

محبت میں دل اب اُنھیں کا ہے نشر
تم اپنا سمجھتے ہو اپنا نہیں ہے

۲۰

۲۴۲

جہاں تم سمجھتے ہو اُس کو، نہیں ہے
بھو میں تن رہی ہیں نگہ خشمگین ہے
یہ صد اورے دل تجھے غم نہیں ہے!
نظر بندوں کے سوا کچھ نہیں ہے
ہو انسان کے بس میں چاہے وہ لیلے

خدا جانتا ہے وہ ظالم وہیں ہے
کوئی دم میں گرنے کو بجلی کہیں ہے
ہزار آفریں، صد ہزار آفریں ہے
نہ کوئی مکان ہے نہ کوئی مکین ہے
خود ہی بھی ہیں ہے، خدا بھی ہیں

مجت مری بار آور ہو کیونکر
مرے دل میں دیکھو جو م تنہا
نہ جانے کئے ہونگے کتنوں نے سجدے
جو قبل جنوں بوسہ گاہ جہاں تھا
ہوئے انقلابات دُنیا میں لاکھوں
زمانہ ترقی کا داعی ہے، لیکن
بالآخر مری عاشقی رنگ لائی
مراوائے دردِ جگر کیا کریں ہم
امیر ہوس کے لئے ہے یہ دُنیا
جارت کی توفیق جس کو ہو جیسی
کوئی دستِ وحشت کے دیکھے کر سنے
نہ تڑپے نشیمن پہ بجلی سے کدو
عجب حال ہے تیر و وحشت زدوں کا
جو دُنیا کو لیس کر چلا ہوں میں نشتر

۱۹

۲۷۵

تو میں اب جہاں ہوں، یہ دُنیا وہیں ہے
لے عشق جس میں وہ سر ہی نہیں ہے
وہل ہی نہیں وہ جگر ہی نہیں ہے
مجھے حاجتِ چارہ گر ہی نہیں ہے
کہ اب ہوشِ دردِ جگر ہی نہیں ہے

جسے چاہئے تھا کہ دل کی خبر ہو
وہ کھایا کریں لاکھ قسموں میں
دُعائے سحر کیا کریں مرنے والے
پڑا سابقہ بھی محنت میں کس سے
ملے راہرو تجھ کو کس طرح منزل
نہیں ہے جو معمور در و محنت
وہ آنے کو فرما گئے ہیں سحر تک
تمنائے دیدار کیونکر کریں ہم
ادائیں بھی اُن کی کبھی جا رہی ہیں
ہمارے گناہوں کی کیا منفرت ہو
محنت کے ہمراہ رخصت ہوئے سب
ابھی حشر ہونے کا امکان کیا ہے
نظر سے مری جب سے نہاں ہو کوئی
کیسی میسکہ بھی مرا دیکھ و غط
نہیں دیکھتے وہ تو کیا غم ہوا بیل
قصود اُن کے جلو و نکا کیا اس میں
کوئی آج اہل نظر ہی نہیں ہے

ہے کیا غم نشاطِ دو جہاں میرے لئے
 فصل گل میرے لئے فصل خزاں میرے لئے
 بجلیوں کا خوف، جو رہا بجاں میرے لئے
 عشق نے کر دی ہے لاحد و دو توسیع نظر
 یا ستارہ بن کے آیا ماہِ کامل بن کے آ
 تم نے جو دو بول بیٹھے کہ دیے تھے ایک ن
 او خیال آئیاں مریوں منت ہوں ترا
 جانے میں مصلحت کیا تھی کہ دیدی ساتھ ساتھ
 سو چار ہتا ہوں میں قیدِ نفس میں رات دن
 اب ٹھکانہ اپنا میں ہونڈوں گلستاں میں کہاں
 دو گھڑی کو اور تم جاؤ کہ قصہ ختم ہے
 قافلے کا ساتھ چھٹ جائیگا مجھ کو غم نہیں
 ایدل غم دستِ اولذت شناسِ نرج و غم
 کس نظر سے دیکھتا ہوں آئیاں کو یہ نہ پوچھ
 بمصنفیوں کو مرے، صیاد کوئی دکھ نہ ہو
 زندگی میں کیوں کی اہل جہاں میری قدر
 کیوں نشاطِ گلستاں میں یہ نہ سوچا ایک دن

ہے بہارِ بے خزاں، فصلِ خزاں میرے لئے
 میں غرضِ نرج و نشاطِ دو جہاں میرے لئے
 عرقہ محشر ہے صحنِ گلستاں میرے لئے
 اور پیدا ہوں زمین و آسمان میرے لئے
 ایک دن ہو جا کسی صوتِ عیاں میرے لئے
 ہو گئے کھنے کو وہ اک داتاں میرے لئے
 کرو یا تو نے نفس کو آئیاں میرے لئے
 ساری دنیا کو خموشی اور زباں میرے لئے
 آئیاں سب کو خیال آئیاں میرے لئے
 لیلیا غیروں نے تھا جو آئیاں میرے لئے
 تم نے تکلیفِ تقدیر کی ہے جہاں میرے لئے
 راہ میرے اب غبارِ کار و آں میرے لئے
 فصل گل سے بڑھ کے فصلِ خزاں میرے لئے
 تنکا تنکا ہے نفس کا آئیاں میرے لئے
 کرو یا ہے ترک انھوں نے گلستاں میرے لئے
 بعد میرے کیوں ہے عالم لوحِ خواں میرے لئے
 کون کرتا تھا نظامِ گلستاں میرے لئے

چھوڑے صیا و شاخ آشتیاں میرے لئے
اب کوئی معنی نہیں رکھتا دہواں میرے لئے
اک انھیں تیرے تیر جانناں میرے لئے
ساری دنیا بن گئی ہوا آشتیاں میرے لئے
دیر و کبہ میں نشان بے نشان میرے لئے
ہیں مری بیداریاں خواب گراں میرے لئے
دلین واک اور زخم خون نشان میرے لئے
کاش ہو جانا قفس ہی آشتیاں میرے لئے

آرزوؤں کا مری مرکز ہی اک شاخ ہے
باغ سے جب ہو گیا میسر اعلق منقطع
اک نظر اپنی انھیں نظروں کا قاتل اس طرف
مجھ کو اپنے آشتیاں کی فکر کیوں مرنے لگی
اللہ اللہ عشق نے پہنچا دیا مجھ کو کہاں
مر جاے بخودی، صد مر جاے بخودی
ہاں نگاہ یار کچھ دن اور یوں ہی پھر ٹھہرا
جب قفس ہی میں بسر ہوئی ہے شتر عمر بھر

آسماں بھی آسماں مجھ کو نہ تھا شتر کبھی

۲۶

۲۶۶

اب زمین بھی ہو گئی ہے آسماں میرے لئے
اس عقل و خرد کی دنیا میں ہشیار نہ رکھ غافل کرے
ہٹنے کے نہیں قابل دنیا، رہنے کے مجھے قابل کرے
رگ رگ سے یہی آتی ہے صدا، بسل کرے بسل کرے
کیا حشر ہو میرا جان حزیں، انکار اگر قاتل کرے
بیدا وستم کی لذت کو محمد و ونہ اے قاتل کر دے
ہر قطرہ خون بسل کو اک زخم رسیدہ دل کر دے
احسان جہاں لاکھوں ہیں واک و بھی امو قاتل کرے

بیزار بہت ہوں جینے سے آسان مری مشکل کر دے
 کیا خوب گھٹائیں اٹھتی ہیں، کیا سڑھوائیں آتی ہیں
 اب لطف و کرم میخواروں پر، اے ساتی دریا دل کر دے
 میں ترکِ محبت تو کر لوں ڈرتا ہوں مگر اس سے ناصح
 مرنے کا تو مجھ کو خوف نہیں، جینا نہ کہیں مشکل کر دے
 دل ایک ہے اور ارمان بہت، گھر ایک ہے اور رہا بہت
 ممکن ہو اگر تو حسنِ ذرا، تو وسیع مکانِ دل کر دے
 یوں مری رسائی منزل تک دشوار نہیں، ناممکن ہے
 میں تھک کے جہاں بیٹھ رہوں۔ اُس کو ہی مری منزل کر دے
 موقوف بہت کچھ دل پر ہے، جس وقت یہ حالت میں ہو
 محفل کو یہ کر دے تنہائی، تنہائی کو یہ محفل کر دے
 ہے کون سا یہ آئینِ وفا، کس نے یہ سکھائی طرزِ حفا
 مرنا بھی مرا آساں نہ کرے جینا بھی مرا مشکل کر دے
 غفلت میں وہ دیکھا ہے میں نے جو ہوش میں دیکھا تھا نہ بھی
 میں ہوش سے اپنے باز آیا، اللہ مجھے غافل کر دے
 کیا راہِ محبت لطف کی ہے ہر چیز میں اک حُسنِ کشش
 ہر گام پُل کتا ہے ہی، اب دور نہ جا منزل کر دے

مُتاقِ جِراحت پھر ہوں میں، ارمانِ جِراحت رکھتا ہوں
 پھر تیرے نظر سے اسے ظالم، اک بار مجھے بسل کرے
 اے غیرتِ دل وہ جانِ تم کس ل سے ہو بیٹھا غیر نہیں
 اک آہ وہ گرجِ ظالم کا، بربادِ سکونِ دل کر دے
 رہ رہ کے جہاں آتی ہے پھر دور ہو ابلے کیفی کا
 اٹھ اپنے ریلے نعموں سے پھر گرم ذرا محفل کر دے
 ہو عشقِ مجازی بھی تو کیا۔ لیکن ہے وہ ہی عشقِ امی و نشر
 انسان کو جو انساں کر دے، جو دل کو یقیناً دل کر دے

۱۶

۲۷۸

جوان حسینوں سے ہم جو رہ کا گلہ کرتے	جوان حسینوں سے ہم جو رہ کا گلہ کرتے
وفاؤں کے لئے کیوں نہ سوا تجا کرتے	وفاؤں کے لئے کیوں نہ سوا تجا کرتے
جورات شک، نہ آنکھوں سے رستا کرتے	جورات شک، نہ آنکھوں سے رستا کرتے
سوا تر سے نظر آیا نہ کوئی اور ہمیں	سوا تر سے نظر آیا نہ کوئی اور ہمیں
نہ جانے کیا تر اے ضبطِ غم بگڑ جاتا	نہ جانے کیا تر اے ضبطِ غم بگڑ جاتا
وہ ہی ہے بندہ خالق، اسی کی یاد ہو یاد	وہ ہی ہے بندہ خالق، اسی کی یاد ہو یاد
جو موت ملتی کہیں عاشقی میں منہ مانگی	جو موت ملتی کہیں عاشقی میں منہ مانگی
ترے خیال کی ہوتی نہ تقویت جو ہیں	ترے خیال کی ہوتی نہ تقویت جو ہیں
دورِ ذرہ زیت تھی، دورِ ذرہ جی لئے ہم بھی	دورِ ذرہ زیت تھی، دورِ ذرہ جی لئے ہم بھی

جہاں میں اور زیادہ قیام کیا کرتے

تمہیں تباہ سر طور اور کیا کرتے
جو دل کو صبر نہ آتا تو آج کیا کرتے
جو اس جہاں سے اٹھا خدا کرتے
خدا کا خوف نہ ہوتا تو جانے کیا کرتے
تمہیں تباہ ہم اس لکا اور کیا کرتے
وہ ملقت ہی نہ ہوتے تو آپ کیا کرتے
تو اپنی پھلی محبت کو رو لیا کرتے
جو بے طلب نہ وہ دیتا، تو لہجہ کرتے

تمہاں سے پرو کی رکھنی تھی شرم جب ہم کو
شب فراق یہ رو رہ کے سوچتے تھے ہم
ایسی زلیت یہاں تھی ایسی موت یہاں
خدا کے خوف پہ اہل جہاں ہے یہ حال
جو نذرِ حُسن نہ کرتے، تو حضرتِ ناصح
جنا و جو غنیمت میں اُن کے حضرتِ دل
وقارِ ضبط کا ہوتا اگر نہ پاس ہمیں
خدا سے ہم نے کبھی التجا نہ کی کوئی

خطابہ رحمتِ حق منحصر تھی جب نشر
اگر نہ کرتے خطائیں تو ہم خطا کرتے

۱۸

۲۷۹

کوئی دم میں پھر سوالِ اشیاں اٹھنے کو ہے
ایک دن آخر باطلِ گلستاں اٹھنے کو ہے
پھر ہار آئی نشیمن سے دہواں اٹھنے کو ہے
ہم نشیمن اب اعتبارِ راز داں اٹھنے کو ہے
دل اٹھا پناہ نگاہِ باغباں اٹھنے کو ہے
دو گھڑی میں جس شمیم دہواں اٹھنے کو ہے
اٹھ چکا ارسین دہواں ارسین دہواں اٹھنے کو ہے

لیجے پھر، لیکے بادل بھلیاں اٹھنے کو ہے
فصلِ گل اٹھنے کو ہے فصلِ جزا اٹھنے کو ہے
پھر ہماری خانہ دیرانی کا موسم آگیا
چشم و دل سب کر رہے ہیں ششِ خم و راز
آگیا اسے عندلیبِ ہنس سے وقتِ وداع
وائے غفلت اُس میں مجرنگ و بوہیں اہلِ باغ
فرق اگر کچھ ہے تو یہ ویرانہ و گلشن میں ہے

دہر سے شاید یہ رسم تھا اٹھنے کو ہے
ایک دنیا آج سر گرم فغاں اٹھنے کو ہے
اہل گلشن سے مذاق آشتیاں اٹھنے کو ہے
ورنہ فتنہ روزِ نیرِ استماں اٹھنے کو ہے
حسرت اُس پر ہے جو کوئی نوجواں اٹھنے کو ہے
آج شاید دلیں پھر دردِ نہاں اٹھنے کو ہے
ایک دن آخر یہاں سے آشتیاں اٹھنے کو ہے
رکھ دیا ہے سر تو سنگِ استماں اٹھنے کو ہے
ایک بنے کو ہوا و ایک آشتیاں اٹھنے کو ہے
بیٹھنے کو دل ہو اور دردِ نہاں اٹھنے کو ہے

طُور کا قصہ نہ دہرایا گیا پھر آج تک
ناظمانِ عرصہ محشر سے کمد ہو شیار
ہے نوازشِ برق کی گر آشتیاں نوں ہی
تجھ کو بچا ہے اگر اس سے توجھ جاویرِ خاک
یوں تو عبرتِ ناک ہے ہر موت کا منظر یہاں
دل کے آثار آج پھر اچھے نہیں آتے نظر
کیوں رہیں ہر وقت ہم پابندِ فکرِ آشتیاں
جانے کیا انجام ہونا ہے جسینِ شوق کا
گلشنِ ہستی میں ہے ہر وقت تازہ انقلاب
بس یہی ہے بیٹھنا اٹھنا ہمارا عشق میں

دوسکون و نظمِ عالم کو نویدِ انتشار

۱۸

پھر غریبِ خواں نشرِ جادو بیاں اٹھنے کو ہے

۲۸۰

آگیا کس استاں کے سامنے؟
ایک میری داتاں کے سامنے
جب دہواں آشتیاں کے سامنے
ایک ہیں برقِ طہاں کے سامنے
جلیاں رکھ آشتیاں کے سامنے

یہ مناظر ہیں کہاں کے سامنے
بیچ ہیں سب وارِ داتیں حُسن کی
آنظرِ ابدِ مرا اُس وقت دیکھو
سبز ہو شلخِ شجر یا خشک ہو
خوگرِ غم یوں نہیں ہونے کا میں

